ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۴

دیباچہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت تصانیف اس سے قبل رُوحانی خزائن کے نام سے ایک سیٹ کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ایک عرصہ سے نایاب ہونے کی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رُوحانی مائدہ کو دوبارہ شائع کر کے تشنہ روحوں کی سیرابی کا سامان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا بیحد احسان ہے کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں اب ان کتب کو دوبارہ سیٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ یہ کتب اکثر چونکہ اُردو زبان میں ہیں اور اُردو دان طبقہ کی اکثریت پاکستان میں ہے اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان کتب کی اشاعت بھی پاکستان میں ہوتی۔ لیکن ناگزیر مشکلات کی وجہ سے مجبوراً بیرون پاکستان سے ہی ان کی اشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا۔

اس ایڈیشن کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں۔

ا۔ قرآنی آیات کے حوالے موجودہ طرز پر (نام سورۃ : نمبر آیت) نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔

ب۔ سابقہ ایڈیشن سے محض کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

ج۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو صاف TYPE میں پیش کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو ان رُوحانی خزائن کے ذریعہ راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے۔ آمین

خاکسار

الناشر

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء

مبارک احمد ساقی ایڈیشنل ناظر اشاعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظاتِ طیبہ کی یہ چوتھی جلد ہے جو ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۲ء سے لیکر ۱۹ر جنوری ۱۹۰۳ء تک کے ملفوظاتِ طیبہ پر مشتمل ہے۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اہمیت سے متعلق ملاحظہ ہو پیش لفظ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل۔

اِس جلد کی ترتیب و تدوین میری ہدایات کے ماتحت مکرم و محترم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی کی رہینِ منّت ہے مولانا موصوف نے نہ صرف یہ کہ جلد سوم کے آگے کے ملفوظات کو نہایت محنت سے جمع کیا بلکہ سابق جلدوں کے مرتّب سے جو ملفوظات جلد دوم یا جلد سوم میں لکھنے سے رہ گئے تھے اُنکو بھی اکٹھا کیا جو اِس جلد کے شروع میں لکھے گئے ہیں۔ پھر اُن کیلئے ایک دقت یہ بھی تھی کہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۲ء سے الحکم کے علاوہ اخبار "البدر" بھی جاری ہو گیا اور ملفوظات دونوں اخباروں میں شائع ہونے لگے اور اُن میں بعض جگہ بلحاظ الفاظ اور بعض جگہ بلحاظ اختصار و طوالت فرق تھا۔ سو اس کیلئے میں نے انہیں یہ ہدایت دی کہ جس اخبار میں تفصیل درج ہو اُسے متن میں رکھا جائے اور دوسرے اخبار میں جہاں کہیں الفاظ یا مفہوم میں فرق ہو اُس کے بیان کو حاشیہ میں لکھا جائے چنانچہ اسی نہج پر دونوں اخباروں کے ملفوظات کو اس جلد میں یکجا جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اور جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام جو چار قسموں پر مشتمل ہے اسکا مرتبہ یقین اور سند کے لحاظ سے مندرجہ ذیل ترتیب سے ہے:۔

اوّل وہ کتب و رسائل و اشتہارات جو آپ نے خود بغرض اشاعت تالیف فرمائیں۔ دوم ۔ مکتوبات۔ سوم ملفوظات ہیں جن سے مراد آپ کا وہ کلام ہے جو آپ نے کسی مجمع یا مجلس یا سیر وغیرہ میں بطریق تقریر یا گفتگو ارشاد فرمایا اور لکھنے والوں نے اُسی وقت بصورت ڈائری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں شائع کر دیا۔ چہارم روایات ہیں۔ وہ بھی ایک نوع ملفوظات کی ہیں۔ مگر وہ ساتھ ساتھ ضبط میں نہیں لائی گئیں بلکہ راویوں کے حافظہ کی بنا پر جمع ہوئی ہیں۔ پس اگر کوئی بات ملفوظات میں آپ کی تالیف کردہ کتب و رسائل میں شائع شدہ بات کے خلاف ہو یا آپ کے تعامل کے خلاف ہو تو ملفوظات میں مندرج بات کو چھوڑ دیا جائیگا اور آپ کی کتب و رسائل میں شائع شدہ بات کو ترجیح دی جائیگی۔ کیونکہ ملفوظات میں یہ یقینی نہیں کہ اُن کے لکھنے والوں نے تمام الفاظ حضرت اقدسؑ کے ہی لکھے ہوں۔ ملفوظات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بسا اوقات حضرت اقدسؑ کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں

پیش کرتے ہیں۔ بطور مثال ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷۱۔ ایڈیٹر صاحب "الحکم" لکھتے ہیں:-

"ابو سعید نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے آئے تھے کہ بعض ناقص بھی موجود تھے انکی تکمیل کیلئے آئے۔"

اور ایڈیٹر صاحب "البدر" لکھتے ہیں:-

"کہ بعض لوگ مدینہ میں ناقص تھے اور معرفت کے پیاسے تھے انکو کامل کرنے اور انکے دلوں کی پیاس بجھانے کیلئے آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔"

اسی طرح صفحہ ۱۹۹ ملاحظہ ہو۔ ایڈیٹر صاحب البدر لنڈن کے جھوٹے مسیح پگٹ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

"اب ہماری سچی کشتی نوح جھوٹی پر غالب آجائیگی۔ یورپ والے کہا کرتے تھے کہ جھوٹے مسیح آنیوالے ہیں سو اوّل لنڈن میں جھوٹا مسیح آگیا اس کا قدم اس زمین میں اوّل ہے بعد ازاں ہمارا ہوگا جو کہ سچا مسیح ہے۔"

اور ایڈیٹر صاحب "الحکم" لکھتے ہیں:-

"معقول باتوں کی قدر ہوتی ہے اور وہ رہ جاتی ہیں لیکن جاہلانہ باتوں کی رونق دو تین سطروں میں جاتی رہتی ہے جھوٹے نبیوں اور مسیحوں کا قدم پہلے لنڈن میں رکھا گیا اور سچے مسیح کی آواز اس کے بعد لنڈن پہنچے گی۔"

پس اس اصل کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ملفوظات کا درجہ حجت اور سند پکڑنے کے لحاظ سے تیسرے درجہ پر ہے پس اگر ملفوظات کی کوئی عبارت ایسی ہو جو حضور کی تالیف کردہ کتب اور رسائل کی کسی عبارت کے مخالف ہو یا آپ کے تعامل کے مخالف ہو تو وہ لائق ترک ہوگی۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ملفوظات کے لکھنے والے نے حضرت اقدسؑ کے مفہوم کو صحیح طور پر اخذ نہ کیا ہو لیکن باوجود اسکے ملفوظاتِ طیبہ کی اہمیت اور انکی ضرورت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ملفوظات خدا تعالیٰ کے مقدس مسیح اور اسکے سچے مامور اور انکی پاک مجالس کا نقشہ پیش کرتے ہیں جنہیں حضرت اقدس اپنے جان نثار اتباع کی روحانی ترقیات اور انکے ازدیاد ایمان و عرفان کے لئے قیمتی نصائح فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ ایڈیٹر الحکم کو اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایڈیٹر البدر اور انکے رفقاء کو جنہوں نے آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ان مطالبات کو اپنے اخبارات کے کالموں میں محفوظ کر دیا۔

اے ہمارے پیارے خدا! تو انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرما اور ہم سب کی طرف سے انہیں سلامتی کا پیغام پہنچا۔ آمین

ذیل میں ملفوظات کی اس جلد کا انڈیکس بصورت خلاصہ مضامین درج کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری عاجزانہ التجاء اور دعا ہے کہ وہ ان ملفوظاتِ طیبہ کو نافع الناس بنائے۔ آمین

خاکسار جلال الدین شمس

یکم جولائی ۱۹۶۲ء

ربوہ

اِنڈیکس مضامین

انڈکس بصورت خلاصہ مضامین روحانی خزائن ۲ جلد چہارم

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(از ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۲ء تا ۲۱ر جنوری ۱۹۰۳ء)

مرتبہ مولانا جلال الدین صاحب شمس

ا

اللہ تعالیٰ

آئل

آئینہ کمالات اسلام

آتھم

آخرت

آخری زمانہ

آریہ

آیات قرآنیہ

اخبارات سلسلہ

ادریسؑ

اذان

اسباب کی رعایت کی ضرورت

استخارہ

استغفار

استقامت

اسرائیل

اسلام

کوٹ پتلون اور ان کی عورتیں بھی انگریزی تمدن کو پسند کرتی ہیں - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص آہستہ آہستہ ان کے مذہب کو بھی پسند کرنے لگتا ہے - ص ۲۸۷

۸ - اسلام اور صراط مستقیم - اسلام سے پہلے براہمہ رہبانیت پسند اور اپنے آپ کو تعذیب بدنی میں ڈالتے تھے عیسائیت نے بھی ان کا طریق اختیار کیا - دوسرا فرقہ اباحت کی زندگی بسر کرتا تھا - اسلام نے دونوں کو ترک کیا اور صراط مستقیم اختیار کیا اور اس کی تفصیل - ص ۴۲۴-۴۲۶

اسماء الٰہیہ

اسماء الٰہیہ قرآن میں مفعول کے وزن پر نہیں - مثلاً قدوس ہے - معصوم نہیں ورنہ بچانیوالا اور ہوگا - مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ صاحب نے فرمایا - میں نے وجودیوں سے کہا - خدا کا نام موجود نہیں لکھا کیونکہ وہ بمعنی مدرک ہے اور خدا کی شان لا تدرکہ الابصار ہے - ص ۱۱۹

اصلاح

جوشیلے کی درستی بہ نسبت منافق کے آسان ہے - ص ۸۴

اطاعت

اطاعت بڑی مشکل بات ہے - یہ بھی ایک موت ہوتی ہے - صحابہ رض کی اطاعت کی مثال حضرت ابوبکر رض کا اپنا سارا مال اور حضرت عمر رض کا اپنا نصف مال دینا وغیرہ ص ۷۳-۷۵ وحاشیہ ص ۷۴

اعتکاف

اعتکاف کے متعلق بعض ہدایات ص ۲۸۷-۲۸۸

اعجاز

اعجاز کی حقیقت دیکھو "معجزات"

اعجاز احمدی

ا - اعجاز احمدی اور اعجاز المسیح کا نشان ہونا - یہ معجزات کا مجموعہ ہے - ص ۵۵-۵۶

ب - اس کے قصیدہ کی نسبت دل گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے - یہ حالت بھی ہوتی رہی کہ ذرا اونگھ آئی اور ایک شعر الہام ہوگیا - اسی طرح کئی شعر اس میں الہامی ہیں - ص ۱۹۰-۱۹۱

ج - میرا تو ایمان ہے کہ یہ کتاب بھی خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے - اور ایک آفتاب کی طرح نظر آتا ہے - مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ص ۱۹۳

د - کلام کے معجزہ سے آئندہ آنے والے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے ہیں - اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا - ص ۱۹۷ ، ص ۲۰۱

ھ - سہو کتابت کے متعلق فرمایا - نقطہ وغیرہ کا رہ جانا کوئی غلطی نہیں ہوا کرتی کیونکہ ایسی غلطی ترجمہ سے درست ہو سکتی ہے - ترجمہ میں ہو تو اصل عبارت سے - ص ۲۰۹-۲۱۰

و - اعجاز احمدی اور مخالفین - نواب محمد علیخان کے ذکر پر کہ اعجاز احمدی کے متعلق ایک دہلی کے مولوی نے کہا اگر چاہیں تو ہم اس کا جواب لکھ سکتے ہیں - مگر کون وقت ضائع کرے - اس پر حضرت اقدس نے

پگٹ

پنجابی نظم

پنڈت

پوتا اور ورثہ

پیدائش

پیشگوئی جمع پیشگوئیاں

یہود نے بدبختی لے لی - دوسرے مسیح کے وقت نصاریٰ نے - ص ۹۴

۸ - بلغ اشدہ - اشد دو قسم ہے - ایک وحی کی اور دوسری جسمانی - ص ۱۰۰

۹ - یومئذ یفرح المؤمنون - ایک جنگ بدر میں فتح کی - دوسری روم والی پیشگوئی پورا ہونے سے ص ۱۱۱

۱۰ - ونزعنا ما فی صدورھم من غل اور علی سرر متقابلین میں پیشگوئی ہے کہ آپس میں رنجشیں ہونگی لیکن غل ہم ان کے سینوں میں سے کھینچ لیں گے - اس میں ان شیعہ صاحبان کی تردید ہے جو صحابہؓ پر طعن کرتے ہیں - ص ۱۱۲ - ۱۱۳

۱۱ - ھذا من عمل الشیطان - یعنی قبطی نے اس اسرائیلی کو عمل شیطان (فاسد ارادہ) سے دبایا ہوا تھا - ص ۱۱۵

۱۲ - الا تکلم الناس ثلاثة ایام الا رمزا - مراد یہ ہے کہ وہ کلام نہ کرینگے لا تستطیع نہیں کہا - ص ۱۲۰

۱۳ - ولکن شبہ لھم - یعنی وہ زندہ ہی تھا - یہود نے اُسے مردہ سمجھ لیا - ص ۱۲۳

۱۴ - رفعناہ مکانا علیا اس آیت کی تفسیر میں ماننا پڑا کہ حضرت ادریس وفات پا گئے ہیں - ص ۱۲۳

۱۵ - ان الارض یرثھا عبادی الصالحون - الارض سے مراد شام کی سرزمین ہے جو صالحین کا ورثہ اور مسلمانوں کے قبضہ میں ہے - یرثھا فرمایا یملکھا نہیں - اگر یہ کسی اور کے قبضہ میں کسی وقت چلی بھی جاوے تو وہ جانا ایسا ہی ہوگا جیسے راہن اپنی چیز مرتہن کے قبضہ میں دے دیتا ہے چونکہ یہ سرزمین انبیاء ہے اس لئے اس کی بے حرمتی نہیں چاہتا کہ غیروں کے قبضہ میں جاوے - صالحین جن میں کم از کم صلاحیت کی بنا پر قدم ہو ص ۱۲۵

۱۶ - کل یعمل علی شاکلتہ کی توضیح کے لئے مثنوی رومی سے ایک حکایت کا ذکر - ص ۱۴۱

۱۷ - انہ لعلم للساعة - یعنی یہودیوں کے ادبار اور ذلت کی نشانی مسیح کے آنے کا وقت تھا - ساعة کے معنے آخرت کے بھی ہیں - ص ۱۵۰

۱۸ - وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ - قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قیامت تک کافر موجود رہیں گے - ابوہریرہؓ کی تفسیر پر تفسیر مظہری نے طعن کئے ہیں - ص ۱۵۰

۱۹ - عصیٰ آدم کے معنے صورت عصیان کی ہے یہ اجتہادی غلطی ہے - جس پر مؤاخذہ نہیں اور اس کی ایک مثال - ص ۱۵۳

۲۰ - وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم سے جنازہ کی نماز مراد ہے اور یہ کہ آنحضرت صلعم کی دعا سکینت اور ٹھنڈک بخشتی ہے - ص ۱۵۴

۲۱ - فلما توفیتنی - اگر زندہ ہیں تو عیسائی صراط مستقیم پر ہیں کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ عیسائی ان کی وفات کے بعد بگڑے - اگر وہ دوبارہ

آئیں گے تو وہ کذاب ٹھہریں گے کہ سب کچھ فساد دیکھ کر کہیں گے کہ مجھے پتہ نہیں ۔ ص ۱۵۴-۱۵۵

۲۲- ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا - یہ لاعلمی انبیاء کی وفات کے بعد کی امت کے بارے میں ہوتی ہے - یا جو بہت آخری وقت میں آتی ہے کہ اُسے نبی کی صحبت سے کچھ حصّہ نہیں ملتا ورنہ کنت علیہم شہیدًا کہنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ ص ۱۶۵

۲۳ ماقتلوہ وما صلبوہ - یہود نے ولدالزنا اور مصلوب ہونے کی وجہ سے ملعون ٹھہرایا اور دونوں الزاموں کا اللہ تعالیٰ نے ذبّ کیا ص ۱۶۸

۲۴ - بعد ذالک زنیم - یعنی ولدالزنا ہے - تجربہ بتاتا ہے کہ ولدالزنا شرارت سے باز نہیں آیا کرتے ۔ ص ۱۰۸-۱۰۹

۲۵ - کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم مسلّمہ مسئلہ ہے ہر حیات سے پہلے موت ہوتی ہے۔ ایک روحانی تشریح ص ۱۸۳-۱۸۴

۲۶ - انزلنا الحدید (ا) سونے چاندی کو چھوڑ کر حدید کے ذکر فرمانے کی وجہ اُس کا بنی نوع انسان کے لئے زیادہ نفع رساں ہوتا ہے ۔ ص ۲۰۱
(ب) لوہے کے منافع سامانِ جنگ وغیرہ کا ذکر تھا فرمایا میں سارے مضمون لوہے کے قلم سے لکھتا ہوں - وہی لوہے کی قلم تلوار کا کام دے رہی ہے ۔ ص ۲۸۳

۲۷ - کونوا مع الصادقین - بات یہی ہے کہ ضمیر سے ضمیر لگتا ہے ۔ ص ۲۰۷

۲۸ - قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم اور طلوع الشمس من مغربھا کے وقت توبہ قبول نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے بخشے تو بخشے اُن کی توبہ کوئی حقیقت نہ رکھے گی ۔ ص ۲۱۵

۲۹ - یوم اموت و یوم ابعث حیًا - ابعث کی بجائے انزل کا لفظ نہیں رکھا ۔ ص ۲۱۹

۳۰ - فصل لربک وانحر - نحر اولاد کے لئے ہوتا ہے - جب عقیقہ ہوتا ہے تو قربانیاں دیتے ہیں - ص ۲۴۸

۳۱ - انزل فیہ القراٰن میں تجلّیِ قلب کی طرف اشارہ ہے ۔ ص ۲۵۷

۳۲ - ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ دنیا کا حسنہ یہ ہے کہ انسان روحانی اور جسمانی دونوں طور پر گندگی اور ذلت سے محفوظ رہے اور آخرت کا حسنہ دنیا کے حسنہ کا ثمرہ ہے - ص ۳۰۲-۳۰۳

۳۳ کل یعمل علیٰ شاکلتہ - نیکوں اور بدوں کی مجلس میں بیٹھنے اور جماعت احمدیہ اور دوسروں کی حالت میں فرق ۔ ص ۳۰۳

۳۴ - انّ اللّٰہ معنا - موسیٰؑ نے انّ معی ربّی کہا اِس میں یہ راز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کے ساتھ اسمِ اعظم کی معیت مع تمام صفات کے پائی جاتی ہے لیکن قومِ موسیٰ کی معیت کو اُن کی شرارت وغیرہ کی

تفسیر قرآن مسیح موعودؑ کے ذکر کے بغیر۔

تقویٰ

پاک تبدیلی پیدا کرنے۔ تقویٰ سے کام لینے۔ اولیاء بننے کے لئے کوشش کرنے کی نصیحت ص ۲۷۹ - ۲۸۱

۱۴ - جو بات سمجھ نہ آئے اُسے پس پُشت نہ کیا جائے۔ اُسے سمجھ لینا چاہیئے۔ نیکی اسی کا نام ہے۔ ص ۳۱۶ - ۳۱۷

۱۵ - ہمت بلند رکھنی چاہیئے۔ انسان اگر دنیوی امور میں بھی ہار دیتا ہے کم ہمت والوں میں پست خیالی پیدا ہو جاتی ہے۔ ص ۳۳۶ - ۳۳۷

۱۶ - صدیقی فطرت حاصل کرنے۔ تقویٰ اور طہارت کے میدان میں ترقی کرنے کی نصیحت۔ ص ۳۵۷

۱۷ - جماعت کیلئے ضروری نصائح اور ترقی مدارج کا طریق - اس پُرآشوب زمانہ غفلت و گمراہی میں تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کو ماننے کی نصیحت اور یہ کہ شر سے بچنا قابلِ فخر نہیں کیونکہ یہ جانور بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ایک بلی اور کُتے کی مثال۔ دنیا کماؤ اس نیت سے کہ دین کی خادم ہو۔ ص ۳۹۵ - ۴۰۲

۱۸ - ہماری جماعت کو خدا تعالےٰ سے سچا تعلق ہونا چاہیئے۔ ان کی ایمانی قوتوں کو یقین تک پہنچانے کے لئے اُس نے اپنی قدرت کے صدہا نشانات دکھائے۔ اگر اعمال صالحہ کی قوت اور مسابقت علی الخیرات کیلئے جوشش نہ ہو تو پھر ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرنا بے فائدہ ہے۔ ص ۴۲۸ - ۴۲۹

۱۹ - ہماری جماعت میں وہی داخل ہوتا ہے جو ہماری تعلیم کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور حتی الامکان اُس پر عمل کرتا ہے محض نام لکھا لینے سے جماعت میں نہیں رہ سکتا۔ ص ۴۲۹

۲۰ - خدا نے چاہا کہ تم زنانہ سیرت نہ ہو۔ بلکہ مرد ہو۔ ص ۴۴۷

۲۱ - تقویٰ اختیار کرو تا خدا تمہارے ساتھ ہو - صادق کے ساتھ رہو تا تقویٰ کی حقیقت تم پر کھلے اور تمہیں توفیق ملے۔ ص ۴۴۸

جماعت احمدیہ کی ترقی اور غلبہ کا وعدہ

لہ - اللہ تعالےٰ اعجازی رنگ میں باوجود مخالفتوں کے بڑھا رہا ہے۔ ص ۱۲۸ و ص ۲۳۹

ب - بغیر ہماری طرف سے سعی اور واعظوں کے ترقی ہو رہی ہے۔ مغربی شمالی علاقہ میں ہمیں تین آدمیوں کا بھی علم نہیں۔ مگر مردم شماری کی رُو سے نو سو سے زائد آدمی ہیں۔ بعض لوگ محمد حسین کے رسالوں میں کوئی مضمون پڑھ کر داخل ہوئے۔ ص ۱۸۵

ج - کوئی درخت اتنی جلدی پھل نہیں لاتا جسقدر جلدی ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے۔ ص ۱۸۶

د - ہم اور ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی تخمریزی اور آبپاشی سے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے لگائے ہوئے پودے کو کون اُکھاڑ سکتا ہے۔ ص ۱۸۶

ھ - تین سال پہلے صرف کئی سو تھی۔ اب ایک لاکھ ہے۔ ص ۲۳۷ و ص ۲۴۳ - ۲۴۴

و - مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تین سو خیال کرتا ہے - یہاں اب ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ ص ۳۵۸

جماعت کی اصلاح کیلئے نشانوں کی ضرورت۔ ص ۳۳۹

اُس کی موافق قرآن تاویل نہیں ہو سکتی تو اُسے
چھوڑ دینا چاہیئے۔ ص ۱۳۰ و ص ۱۲۹

۵۔ حدیث کو مدارِ شریعت قرار دینا اور قرآن کو
ترک کرنا تباہی کی نشانی ہے۔ جو حدیثیں قرآن
کے موافق ہیں اُن کی عزت و تکریم کرو باقی ترک
کردو۔ ص ۳۴۶-۳۴۷

۶۔ یہ ہمارا مذہب ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ حدیث
بھی جو اصولِ حدیث کی رو سے خواہ کیسی ہی
ضعیف ہو لیکن قرآن و سنت کے خلاف نہیں
تو واجب العمل ہے۔ ص ۲۲، ص ۳۷، ص ۱۱۹، ص ۱۵۴

۷۔ محمد حسین بٹالوی نے بھی لکھا ہے کہ اہل کشف صحت
حدیث کے لئے محدثین کے اصولِ تنقیدِ حدیث کے
پابند نہیں بلکہ بعض وقت وہ بذریعہ کشف ایک
صحیح حدیث کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح ٹھہرا
سکتے ہیں۔ ص ۳۳ و ص ۲۰۳

احادیث مہدی محمد حسین اور صدیق حسن خاں
نے احادیث مہدی کو مجروح قرار دیا ہے۔ ص ۵۵

احادیث اور حَکَم مسیح موعودؑ

مسیح موعود کے حَکَم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ
تحقیق کرکے سچی بات کو پیش کریگا۔ ورنہ ہر فرقہ والا
اُسے مجبور کریگا کہ میری حدیثوں کو مانو۔ ص ۳۰۰

حرمت

حرمت کی دو قسمیں حقیقی اور غیر حقیقی۔ جو غیر حقیقی
ہوتی ہے وہ اسباب داعیہ سے اُٹھ جاتی ہے۔ ص ۲۲۰

حشر (الف) قیامت کے روز نمبروار اُٹھینگے
یا سب اکٹھے۔ فرمایا سب اکٹھے اُٹھینگے۔ قیامت
کے روز سب کا ایک دم مقابلہ کرا کے مخالفوں
اور موافقوں کا حال ظاہر ہو جائیگا عظیم الشان
جبروت والے خدا کی نسبت بحث کرنا گناہ میں
داخل ہے۔ ص ۳۴۷-۳۴۸

ب۔ مردے کا تعلق زمین سے ضرور رہتا ہے۔ مومن
کا تعلق ایک آسمان سے ہوتا ہے ایک زمین سے
اصل حساب کتاب برزخ میں ہو جائیگا اور
مقابلہ کرانا حشر کو ہوگا۔ ص ۳۴۸

ج۔ ہمارا ایمان ہے کہ حشر میں ایک بدن ملیگا مگر
جس طرح اُس علیم کے علم میں ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ اس بدن سے بھی کچھ حصہ اس کو دے دے
پھر وہ خدا کی طاقت سے ابدی بن جاوے۔ ص ۳۴۹

د۔ کیا یہ مرتبہ صرف انسان کو ہی ملیگا اور حیوانات
کو نہیں دیا جائیگا۔ فرمایا۔ اس پر ہم جھگڑا نہیں سکتے
بہشت والوں کو تو ابدی رہنا ہوگا۔ اور یأتی
علی جہنم زمان لیس فیہا احد کے مطابق
جہنمی جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ ص ۳۴۹-۳۵۰

حفاظتِ الٰہی کا سرّ

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عصمت کی فکر میں
خود لگتے۔ تو واللہ یعصمک من الناس کی آیت
نازل نہ ہوتی۔ ص ۲۶۰

حق کی شناخت کا معیار کہ باوجود
اپنے پرائے کی سخت مخالفت کے حق آگے قدم رکھتا
جائے اور کوئی روک اُس کی ترقی میں مانع نہ ہو۔

اِسی معیار پر ہمارے سلسلہ کو پرکھا جائے۔ صـ ۱۸۵-۱۸۶

حق کی قبولیت

قبول حق کے لئے قوت اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ صـ ۱۸۶

حقّہ کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک شاگرد کا غلط فتویٰ۔ صـ ۶۹

حلّت

اصل اشیاء میں حلّت ہے۔ حرمت جبتک نصّ قطعی سے ثابت نہ ہو نہیں ہوتی۔ صـ ۱۵۳

خ

خاتم النبیین

ل۔ جسمانی ترقیات کی طرح روحانی ترقیات کا سلسلہ ہے جو ہوتے ہوتے پیغمبر خدا پر ختم ہؤا۔ خاتم النبیین کے یہی معنے ہیں۔ صـ ۲۰۳

ب۔ جس پر ختم نبوت ہونا تھا اگر وہ اپنے کمالات میں کمی رکھتا تو پھر وہی کمی آئندہ امت میں ہتی کیونکہ جس قدر کمالات نبی میں ہوتے ہیں اُسی قدر اُس کی اُمت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ صـ ۳۷۹-۳۸۰

ج۔ آیت خاتم النّبیّین کی فارسی زبان میں تفسیر
۱۔ دریک معنی نفیٔ نبوت مے شود ودریک معنے اثبات نبوت میشود۔ ۲۔ دآں نبوت منقطع است کہ بلا توسل دسلسلۂ رسول اللہ آید وہر کسے کہ ازیں انکار مے کند کافر میشود واز دین خارج میشود۔ ۳۔ پس ازیں آیت معلوم میشود کہ اللہ تعالیٰ بطور جسمانی نفی ابوت می فرمائد وبطور روحانی اثبات نبوت میکند صـ ۲۲۳-۲۲۵

خاتمہ بالخیر

قاضی میر حسین صاحب کے والد مسمی غلام شاہ صاحب نے خاتمہ بالخیر کیلئے عرض کیا۔ تو فرمایا۔ یہی بڑی بات ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو۔ عمر خواہ تھوڑی ہی ہو یا ہزار سال۔ صـ ۱۷۰

ختم نبوت

ل۔ اللہ تعالےٰ ختم نبوت بھی قائم رکھتا ہے اور اُس کے استفادہ سے ایک سلسلہ جاری کرتا ہے

ب۔ ختم نبوت غیر امتی نبی کے آنے کو خواہ شرعی ہو یا نہ ہو مانع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آپ کے سوا اور آپ کے استفادہ سے الگ ہو کر نہیں آسکتا۔ صـ ۹۱

ج۔ پُرانے نبی کے آنے کو کما استخلف الذین کا وعدہ بھی مانع ہے۔ صـ ۹۱

د۔ قرآن نے ایک طرف آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ دوسری طرف واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم کہہ کر مسیح موعود کو آپ کا بروز ٹھہرایا ہے۔ صـ ۱۱۷

ہ۔ اس اعتراض کے جواب میں کہ جب مسیح ناصری کے آنے سے ختم نبوت ٹوٹتی ہے تو کیا مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے نہیں ٹوٹتی۔ فرمایا۔ ہم تو اپنے آپ کو اُمت محمدیہ میں اور پھر آنحضرت صلعم کی اتباع میں فنا شدہ سمجھتے ہیں اور وہ تو حضرت موسیٰ کی شریعت پر عامل تھے۔ صـ ۲۹۲

نبوت کا دعویٰ کیا - اور اُس کے چاند وغیرہ پر اختیار اور مردے زندہ کرنا - جھوٹ کرو فریب ہوگا
ص ۱۰۹-۱۱۰

ج - دجال کے یک چشم ہونے پر فرمایا - قرآن مجید کے متعلق تو اُن کی آنکھ ہی ہی نہیں اور توریت میں بھی کچھ دھندلی سی نظر ہے - ص ۱۹۲-۱۹۳

دُعا

۱ - فرمایا میں نے دُعا کی کہ بغیر دوا کے شفا دے اور شفا ہو گئی - ص ۵۹

۲ - دُعا کروانے سے متعلق نصیحت - ایک شخص کو جو اپنے باپ کے واسطے دعا کے لئے لکھتا تھا فرمایا - اگر آپ بھی توجہ سے دُعا کریں تو اُس وقت ہماری دُعا کا بھی اثر ہوگا - ص ۱۸۸

۳ - دعا کا وقت - امن کی حالت میں دُعا کی جائے اور جو امن کے زمانہ کو عیش میں بسر کرتا اور مصیبت کے وقت دُعائیں کرنے لگتا ہے اُس کی دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں - جب عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے - ص ۲۲۹

۴ - حقیقتِ دُعا - دُعا کرنا مرنا ہوتا ہے - جو منگے سو مر رہے - مرے سو منگن جا - پوری سوزش اور گداز ش کے ساتھ جب دُعا کی جائے - حتٰی کہ رُوح گداز ہو کر آستانۂ الٰہی پر گر جائے تو وہ دُعا ہے - جسے یا تو خدا قبول کرتا ہے یا جواب دیتا ہے - ص ۳۴۱

۵ دُعا میں آداب کو ہمیشہ مدنظر رکھنا ضروری ہے - سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے ادب سے مانگنے کا طریق سکھایا ہے - اور سورۃ فاتحہ کی مختصر تشریح اور انبیاء کو اِس دُعا کے مانگنے کی ضرورت - ص ۳۹۹

۶ بلعم باعور کی دُعا کی قبولیت ابتلاء تھا دُعا نہ تھی - آخر وہ مارا ہی گیا - دُعا وہ ہوتی ہے جو خدا کے پیارے کرتے ہیں - ص ۴۰۶

۷ - دعا کی عدم قبولیت کی وجہ - دُعا کرنیوالوں کا آداب دعا اور ان طریقوں سے ناواقفیت ہے جو قبولیت دعا کیلئے ضروری ہیں - ص ۴۱۵-۴۱۶

۸ - آداب دُعا

(ا) - دُعا کرنیوالا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو جائے اور سوءِ ظن نہ کرے - کہ کچھ بھی نہیں ہوگا - اِس نا اُمیدی نے بعض کو دہریہ بنا دیا - دُعا کی مثال ایک زمیندار کے کھیت میں دانے بونے اور اسکے نشوونما سے - شادی اور عورت نے بچہ جننے سے - ص ۴۱۶-۴۱۹

(ب) تلوّن اور عجلت کو چھوڑ کر ساری تکلیفوں کو برداشت کرنا ورنہ دہریت تک نوبت پہنچتی ہے - ص ۴۱۸-۴۱۹

(ج) میرا اور گذشتہ راستبازوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں دیر تک خاموشی کرے تو کامیابی کی اُمید ہوتی ہے - سائل کی مثال جو مانگتا جاتا ہے - آخر صاحب گھر شرم کھا کر کچھ دے ہی دیتا ہے - خدائے تعالیٰ کی قدرت اور

رُسل بابا

رُوح

رُوح القدس۔

روزہ جمع روزے

رؤیا

۶ - تین بھینسے دیکھے - ایک سے خطرہ لاحق ہوا۔
خواب میں رب کل شیء خادمک کی دعا القاء
ہوئی - ص ۲۴۴ و ص ۲۷۶
۷ - ایک گھوڑے کا سوار ملا - پھر دیکھا کہ ایک جنازہ
آتا ہے۔ ص ۲۰۵
۸ - ایام جوانی میں خواب دیکھنا کہ روزہ رکھنا سنت
اہل بیت ہے ص ۲۵۷
۹ - رؤیا میں آپ نے فرمایا - عیسیٰ تو پانی پر چلتے تھے
اور میں ہوا پر تیر رہا ہوں - اور میرے خدا کا فضل
اُن سے بڑھ کر مجھ پر ہے - ص ۲۶۶-۲۶۷
۱۰ - ایک شخص نے ایک روپیہ اور پانچ چھوہارے
رؤیا میں دیئے۔ ص ۲۸۵
۱۱ - بحر غنودگی میں تریاق القلوب کے ایک صفحہ
پر علی شکر المصائب لکھا دیکھا - پھر تیسری
دفعہ کچھ ورق دکھائے گئے۔ ص ۲۸۵
۱۲ - قادیان کی طرف آنے اور راستہ کے بحر زخار
سے بند ہونے اور آپ کا کہنا کہ یہ راہ بڑا خوفناک
ہے۔ ص ۲۹۸
۱۳ - خفیف خواب میں جو کشف کے رنگ میں تھی لباس
فاخرہ پہنے اور چہرہ چمکتا ہوا دیکھنا - اور اس
کے بعد وحی الٰہی ص ۳۳۲ نیز دیکھو "الہام"
۱۴ - سُرخی کے قطرات والی رؤیا ص ۳۶۹
۱۵ - ایک رؤیا جس میں ایک لمبے قد والے شخص نے
کہا کہ آپ کی تعریف سنکر کہ آپ کو اسرار
اور حقائق و معارف میں بہت دخل ہے سُنکر
آیا ہوں - اور اس کے مُنہ سے حسرت بھرے یہ الفاظ نکل
رہے تھے "تہیدستان عشرت را" اور اسکا مطلب۔ ص ۲۷۷
۱۶ - ایک کاغذ پر بقیۃ الطاعون لکھا ہوا دیکھنا۔

رؤیا کی تعبیر

۱ - مُردہ - عالم رؤیا میں مردہ کے قبر سے نکلنے کی
تعبیر کسی گرفتار کا آزاد ہونا ہے - ص ۶۹
۲ - بجلی چمکنا - رؤیا میں بجلی چمکنے کی تعبیر اس جگہ
کی آبادی ہوتی ہے جہاں بجلی چمکے اور حضور اقدس
کی ایک رؤیا - ص ۲۷۲
۳ - ہاتھی اور تیل - (الف) رات کے وقت رؤیا میں
ہاتھی دیکھنا بھی عمدہ ہوتا ہے اور تیل لگانا بھی
زینت ہے - ص ۱۹۵
(ب) ہاتھی دیکھنے کی تعبیر طاعون اور بھینسی روٹی
کی تعبیر کچھ تکلیف ہے۔ ص ۲۸۱ - ۲۸۲
۴ - گالیاں دینا خواب میں گالیاں دینے والا مغلوب
اور جسے دی جائیں وہ غالب ہوتا ہے۔ ص ۱۹۶
۵ - بھاگنا - خواب میں دشمن سے بھاگنے کی تعبیر دشمن
پر فتح پانا ہے - ص ۳۱۸
۶ - نماز اور شیرینی - خواب میں نماز پڑھنے اور شیرینی
کھانے کی تعبیر کہ نماز میں اللہ تعالیٰ حلاوت عطا
کریگا - ص ۳۳۱
۷ - تبت یدا ابی لہب وتب خواب میں پڑھنے
کی تعبیر کسی دشمن پر فتح ہوگی۔ ص ۳۳۱
۸ - انگوٹھی - رؤیا میں انگوٹھی دیکھنے سے مراد یہ ہے
کہ انسان اُسی حلقہ میں آجاتا ہے۔ ص ۳۳۷

س

سالک و مجذوب

سر درد کا علاج

سر سید احمد

(سید) سرور شاہ صاحبؓ

سعادت

سعید

سفر کے آداب

سکینت

صحبت کا اثر

صفائی

صلیب

ط

طاعون

نکالو اور پچاس کہیں نہ نکالو تو پانچ کی بات مانی جائے۔ فرمایا۔ گورنمنٹ نے گویا اپنے سر سے بلا اُتار کر رعایا پر ڈال دی۔ ص ۶۴-۶۵

۹۔ حفاظت دار کے متعلق الہام ص۶۵ نیز دیکھو الہامات"

۱۰۔ طاعون کے ٹیکہ کے فوائد پر پرتاپ سنگھ کی تقریر کا ذکر۔ ص ۶۶-۶۷

۱۱۔ جو خدا کے ساتھ سیدھا اور راست ہوگا۔ طاعون کی کیا مجال ہے کہ اُس کے پاس آئے ص۶۷

۱۲۔ صحابہؓ میں طاعون ہوتا رہا۔ ہاں انبیاء کو ہرگز نہیں ہُوا۔ ص۶۷

۱۳۔ طاعون کا علاج

(ا) جب ٹیکہ علاج نہیں۔ حفاظت الٰہی کا وعدہ ہے تو مرہم عیسیٰ اور جدوار کیوں استعمال کرتے ہو۔ فرمایا۔ جو علاج اللہ تعالیٰ بتلا دے وہ حفاظت میں داخل ہے۔ اگر ٹیکہ میں خیر ہوتی تو خدا خود ہمیں بتلاتا۔ ۲۲ برس پہلے ہم نے طاعون کے متعلق اطلاع دی۔ ص۶۸

(ب) طاعون کا علاج استغفار۔ دُعا اور اعمال میں پاکیزگی ہے۔ ص۹۹

(ج) حکیم نورالدینؓ صاحب نے بحوالہ زین الدین محمد ابراہیم سنایا کہ طاعون کے آثار نمودار ہوتے ہی پانچ یا چھ تولہ کے قریب مگنیشیا سالٹ مریض کو پلا دیا گیا تو اُسے آرام آ گیا ص۲۰۹

(د) طاعون کا علاج خدا کے پاس ہے الہام عندی معالجات ۲۲۸

۱۴۔ طاعون کے سلسلہ میں جماعت کو نصیحت کہ اپنی اصلاح اور کرتا کرے۔ اپنے متعلق بربنائے الہام انی احافظ کل من فی الدار۔ اور احافظک خاصۃ اپنی حفاظت پر یقین۔ ص۶۸-۶۹

۱۵۔ حفاظت سے حصہ لینے والا وہ شخص ہے جو اپنے دل میں سمجھ لے کہ مَیں نے تبدیلی پیدا کر لی ہے ص۷۰

۱۶۔ طاعون کے ٹیکہ اور چیچک کے ٹیکہ میں فرق۔ ص۷۷

۱۷۔ حفاظت از طاعون کے سلسلہ میں الہامات کا ذکر کرکے مفتی محمد صادق صاحب نے فرمایا۔ سابقہ نوشتوں میں اس کا بھی ذکر ہے۔ آپ نے تلاش کرکے زبور ۹۱ کا حوالہ پیش کیا۔ ص۷۹ و ص۸۲

۱۸۔ طاعون کے خوفناک نتائج یہ بھی ہیں کہ آخر جنگل بنا دیتی ہے۔ ص۹۶

۱۹۔ مولوی حکیم نورالدین صاحب نے فرمایا۔ بار کی نئی آبادی میں پُرانی آبادیوں کے نشانات ملے جو طاعون سے ہلاک ہوئے تھے۔ ص۹۶

۲۰۔ طاعون کے پھیلنے کے وقت دہریت الحاد شرک کا زور اور بظاہر موحدین کی خراب حالت۔ اعمال میں سستی اور بے باکی اور گناہوں پر دلیری ص۹۶

۲۱۔ طاعون کے قادیان میں پھیلنے کے متعلق رحمت مسیح نام بٹالہ کا ایک خط اخبار عام کے نام اور یہ کہ مسیح موعودؑ بھی مبتلائے طاعون ہیں۔ اخبار عام کا تصدیق کے لئے حضرت اقدس

۳۶ - طاعون کی تین اقسام

(ا) ایک خفیف جس میں صرف گلٹی نکلتی ہے۔ دوسری کہ گلٹی کے ساتھ تپ۔ تیسری سب سے تیز اس میں تپ نہ گلٹی آدمی سویا اور مر گیا۔ ص ۲۴۱-۲۴۲

(ب) حقیقی طاعون کی علامت۔ ص ۲۹۰

۳۷ - مخالفوں کا کہنا کہ ہمیں طاعون کیوں نہیں ہوتی جواب۔ قرآن میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ہدایت نہیں مانگتے طاعون مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا پر ایمان نہیں۔ ص ۲۴۲

۳۸ - مدراس کے ایک مخلص احمدی کا تار طاعون کے متعلق۔ ص ۲۶۳

۳۹ - طاعون اور مخالفین کا حضرت مسیح موعودؑ کو نہ ماننے کے لئے ایک عذر اور اس کا جواب ص ۲۷۶

۴۰ - طاعون سے متعلق براہین میں پہلے خبر دی گئی۔ پھر متواتر وقتاً فوقتاً ص ۲۶۱ نیز دیکھو "الہامات متعلقہ طاعون"

۴۱ بعض نیک بھی طاعون سے مرتے ہیں۔ مگر وہ شہید ہوتے ہیں۔ ص ۳۶۴

۴۲ - اس سوال کا جواب کہ رسول اللہ صلعم کے وقت طاعون کیوں نہ پڑی۔ فرمایا۔ یہ ضروری نہیں کہ خدا ہر وقت ایک ہی رنگ میں عذاب دے۔ اُس وقت جنگ عذاب تھی۔ ص ۳۶۴

۴۳ - الہام یأتی علی جہنّم زمان لیس فیھا احد طاعون کی نسبت ہے اسے جہنم بھی کہا گیا ہے ص ۳۷۴

طالبِ حق کو نصیحت - طلبِ حق کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اوّل عقلِ سلیم چاہیئے۔ سوفسطائی جو عقل نہ رکھے جن پر وہم غالب ہوتا ہے۔ دوسرے قبولِ حق کے لئے جرأت ہو بُزدل نہ ہو۔ ص ۱۴۲-۱۴۳ نیز دیکھو "مذاہب کا مقابلہ"

طوفانِ نوحؑ کل زمین کی آبادی پر نہیں بلکہ صرف قومِ نوحؑ پر تباہی آئی تھی۔ ص ۳۹۱

ظ

ظن

ا - بدظنی سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء سے ایک شخص کا واقعہ نیز ایک مہمان عورت کی بدظنی کہ (مسیح موعود) کے گھر میں تو کوئی نماز ہی نہیں پڑھتا۔ حالانکہ اتفاقاً ان دنوں میں چند بی بیوں سے نماز ساقط ہو گئی تھی۔ ص ۵۱، ۵۲

ب - ظنونِ فاسدہ والا انسان ناقص الخلقت ہوتا ہے۔ ص ۵۱

ج - اعتراض سے پہلے انسان کو حسنِ ظن سے کام لینا چاہیئے ص ۵۱

د - حسنِ ظن بڑی عمدہ چیز ہے۔ ص ۵۳

ع

عادت

عادت بھی ایک زنگ ہے جب دل پر بیٹھ جائے تو دلائل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جیسے ہندو کے دل میں گنگا کی عظمت۔ ص ۲۳۷

عارف

جسے خدا سے ذاتی محبت ہو جائے وہ کسی حال میں عبادت سے نہیں رُکتا۔ اس کو ابھرنے کا خیال بھی نہیں ہوتا

یہ سلوک کا آخری مقام ہے۔ اُس وقت اُن کا تعلق ماں اور بچے کا ہوتا ہے۔ جیسے مشہور ہے۔ "ماں مارے اور بچہ ماں ماں پکارے" ص ۲۵۴-۲۵۵

عبادت

ا۔ مخالفتِ نفس بھی ایک عبادت ہے۔ اور اُسکا بھی ثواب ہے۔ پھر اپنے نفس کی مخالفت کر کے جو عبادت کرتا ہے اُس کا اور ثواب ہے۔ ص ۲۴۶

ب۔ جب عبادات محبوباتِ نفس میں شامل ہو جائیں۔ تو بجا آوری میں جو تکلیف ہوتی تھی وہ ساقط ہو جاتی ہے۔ اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کے قول کہ آدمی عارف ہو جاتا ہے تو اس کی عادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اسکا مطلب۔ ص ۲۴۹

ج۔ عبادات کی ۲ قسمیں مالی اور بدنی۔ عبادات بدنی انسان جوانی میں ہی ادا کر سکتا ہے۔ پھر پیری اور صد عیب۔ ص ۲۵۸

د۔ معاش اگر نیک نیتی کے ساتھ حاصل کی جائے تو ایک عبادت ہے۔ ص ۳۳۷

عبدالرحمٰنؓ (شیخ قادیانی) کو ہندو والد کی خدمت اور حسنِ اخلاق، اور دلجوئی کرنے کی نصیحت۔ ص ۱۷۵

عبدالرحمٰنؓ (ماسٹر) نومسلم کا پرچہ اپیفنی کے لفظ ذنب اور استغفار کے متعلق استفسار ص ۲۶۱

عبدالقادر جیلانیؒ (سید) آپ کے قول کہ عارف ہونے کی حالت میں عادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے کا صحیح مطلب۔ ص ۲۴۶

عبدالکریم صاحبؓ (مولوی) ص ۱۳۳ و ۱۴۴ و ۲۷۶

عبداللہ چکڑالوی

اس نے تفریط کی جو حدیث کو بالکل لاشئ سمجھا۔ اور محمد حسین نے افراط کی کہ حدیث کے بغیر قرآن کو لاشئ سمجھا۔ ص ۱۱۶

عبداللہ عرب کا ذکر

ا۔ کشتیٔ نوح کا عربی ترجمہ سُنانا اور حضرت اقدسؑ کی خواہش کہ اگر اردو اچھی طرح سیکھ لیں تو عربی میں پرچہ جاری کیا جائے۔ ص ۱۶۶

ب۔ ایک رسالہ شیعہ علی حائری کے ردّ میں سُنایا۔ ساتھ ساتھ اردو ترجمہ کرنے کا ارشاد۔ مگر انکا بوجہ شرم ترجمہ نہ کرنا۔ رسالہ کے متعلق فرمایا عمدہ لکھا ہے۔ معقول جواب دیئے ہیں۔ ص ۱۶۸ - ۱۶۹

ج۔ شیعیت کی حالت میں اپنے تقیہ کے حالات سُنائے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس سے نجات دی۔ ص ۱۷۳

عبداللہ غزنوی (مولوی) کا الہام قرآن کے متعلق
ھٰذا کتابی و عبادی فاقرأ کتابی علیٰ عبادی ص ۲۴۸

عذاب

دنیا میں عذاب صرف شوخیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے آتا ہے۔ ورنہ کفر بت پرستی وغیرہ کے عذابوں کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے۔ یہود کو مغضوب علیہم اُن کی شوخیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے کہا۔ مگر نصاریٰ نے ایسا نہ کیا اس لئے انہیں ضالین کہا۔ گو آخرت میں دونوں کو عذاب ہوگا۔ ص ۱۵۸

عرب

ا ۔ اہلِ عرب کے ہزار سے آگے گنتی نہ جاننے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میلان دنیا کی طرف نہ تھا ص ۱۶۹

ب ۔ ابوسعید عرب کا ذکر۔ اس کا جماعت میں داخل ہونا اور حضرت اقدسؑ سے اُس کے سوالات وغیرہ ص ۲۷۶ و ص ۲۹۲، ص ۲۹۳، ص ۲۹۴، ص ۲۹۷، ص ۲۹۸، ص ۳۱۸، و ص ۳۲۸

ج ۔ ابوسعید عربؔ کے اس جواب پر کہ اب تو دلّی جانیکو دل نہیں چاہتا۔ فرمایا اب دوسری سیروں کو چھوڑ کر روحانی سیر کی طرف متوجہ ہوں ص ۳۲۴ و ص ۳۲۵

عربی زبان

ا ۔ عربی زبان کا ترجمہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں بعض الفاظ کے معنے ایک ایک سطر میں پورے ہوتے ہیں۔ ص ۱۷۲

ب ۔ عربی زبان اور مسلمان بادشاہ

ہندوستان کے شاہانِ اسلام نے سوائے عربی زبان کے جو دوسری زبانوں کو رواج دیا تو یہ ایک اُن سے معصیت ہوئی اور اس کا نقصان ص ۲۲۲ ۔ ۲۲۳

عربی تصانیف کی اہمیت

فرمایا۔ یہ سلسلہ نہ ہوتا تو سب مولوی ہماری جماعت کو بنظرِ استخفاف دیکھتے اور کہتے یہ لوگ جاہل ہیں ۔ ص ۳۷۸

عربی کُتب اور غلطیاں ۔ فرمایا محمد حسین نے خود اعتراف کیا تھا کہ اشاعت السنہ کی چھپوائی میں ایسی غلطیاں رہ جاتی ہیں ۔ مگر مولوی ہماری کتابوں میں ایسی غلطیوں کو قابلِ اعتراض بتلاتے ہیں ۔ ص ۴۱۲

عرفان

عرفان یقین سے تو بھر دیتا ہے مگر ان ساری ترقیوں کی جڑ ایمان ہی ہے ۔ ص ۳۵۶

عصمتِ انبیاء چند اعتراضات کے جوابات

اِس اعتراض کا کہ نوحؑ نے خلاف منشاءِ ایزدی اپنے بیٹے کے لئے دُعا کی۔ فرمایا کہ یسوع نے باوجود جاننے کے کہ وہ مصلوب ہونے کے لئے آیا ہے صلیب سے نجات کیلئے دُعائیں کیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ کا چیلنج دیا۔ ص ۸۸

عقل

ا ۔ عقل اور خدا عقل انسان کو خدا سے نہیں ملاتی پکا فلسفی دہریہ ہوتا ہے ۔ وہ "ہونا چاہیئے" تک رکھتی ہے مگر "ہے" اور "ہونا چاہیئے" میں فرق ہے یقین خدا کے وعدوں اور نشانوں کو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے ۔ خداشناسی کے لئے اور عوامل ہیں اور اُن کے ذریعہ ہی ماوراء المحسوسات پر ایمان پیدا ہوتا ہے ۔ ص ۲۹۳ ۔ ۲۹۴

ب ۔ عقل اور رُوح ۔ عقل رُوح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے جس قدر انسان رُوح کی صفائی کرتا ہے ۔ اُسی قدر عقل تیز ہوتی ہے ۔ ص ۴۴۸

علاج

ا ۔ علاج کرانا حرام نہیں ۔ ص ۷۷

ب ۔ لوگوں کے بتائے ہوئے علاج حتمی نہیں ہوتے ۔

ق

قادیان

قرأت

قرآن

قرآنی قسموں کا فلسفہ

قریش

قطب الدین

قیام فی ما اقام اللہ کی مثال

قیامت

ک

کابل اور برطانیہ کا آزادی دینے میں مقابلہ۔ حاشیہ ص ۲۲۸

کاسرِ صلیب چودھویں صدی کے مجدد کا نام ہے ص ۲۲

کامیاب ۔ دنیا میں کبھی کوئی شخص کامیاب نہیں ہوا جو جسم اور رُوح دونوں سے کام نہ لے ص ۲۳۲

کٹک کٹک کے ایک احمدی احمد حسین صاحب نے ایک کرنسی نوٹ اور اپنی اہلیہ مرحومہ کے کچھ زیورات مرحومہ کی وصیت کے مطابق دینی خدمت کے لئے پیش کئے۔ حضرت اقدس نے دُعا فرمائی کہ خدا تعالیٰ انکو اخرین منہم میں ملا دے۔ ص ۱۰۳ و حاشیہ

کرکٹ ایک کرکٹ کھیلنے والے کے دانت میں چوٹ آئی۔ حضور کو علم ہوا تو فرمایا۔ جن لوگوں کی یہ کھیل ایجاد ہے وہ تو مست ہیں اُن کو تلف جان کی پرواہ نہیں مگر ہمیں تو ہے۔ ص ۲۱۷ - ۲۱۸

کسرِ صلیب سے مراد لکڑی کی صلیب نہیں۔ کیونکہ یضع الحرب بھی اس کے حق میں آیا ہے۔ اس لئے مراد عیسوی دین کا ابطال کلّی حجت اور براہین کے ساتھ ہے جنکو آسمانی تائیدات اور خوارق اَور بھی قوی کر دینگے اور وہ مسیح کی طبعی موت اور کشمیر میں مدفون ہونے سے ہوگی۔ ص ۱۷ - ۱۹

کشتیٔ نوح

ا ۔ گناہوں سے بچنے کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ کشتیٔ نوح میں جو نصائح لکھی ہیں۔ انہیں ایک بار روزانہ پڑھ لیا جائے۔ ص ۶۹

ب ۔ ضروری ہے کہ بار بار کشتیٔ نوح کو پڑھو۔ حاشیہ ص ۷۷ و ص ۲۳۳

ج ۔ کشتیٔ نوح پر اخباروں کے ریمارک ۔ فرمایا انہوں نے مخالفت کی اور سول ملٹری گزٹ کے مخالفت نہ کرنے پر اس کی تعریف فرمائی۔ ص ۱۴۲ و ص ۲۲۸

د ۔ مونگھیر سے محمد رفیق اور محمد کریم نے آکر بیعت کی تو فرمایا کشتیٔ نوح کی تعلیم پر ہمیشہ عمل کرتے رہو ص ۱۸۷

ھ ۔ خواجہ کمال الدین صاحب کے پشاور اور کوہاٹ مخالفانہ اشتہارات جن میں جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں کہ روزے معاف کر دیئے ۔ آنحضرتؐ سے افضل کہتے ہیں ذکر پر فرمایا۔ کشتیٔ نوح وہاں کثرت سے تقسیم کر دی جائے ۔ یہی کافی ہے۔ ص ۱۹۴

کشف

ا ۔ رُویت رُوح ہے کہ بیٹھے بٹھائے دیواروں کے باوجود آنکھ دیکھ لیتی ہے ۔ اپنا ایک کشف جس میں آپ کو خاکروبہ کے ایک حصہ میلے کا چھوڑ دینا دکھایا گیا ۔ ص ۳۲۹ - ۳۳۰

ب ۔ تین کشوف جن میں حضرت اقدسؑ نے فرشتے دیکھے ۔ ص ۳۴۱ - ۳۴۲

ج ۔ لیکھرام کے متعلق کشف جو برکات الدعا میں شائع شدہ ہے اور ایک اور کشف کہ لیکھرام کا سر نیزے میں پرو دیا ہے ۔ اور کہا گیا کہ پھر قادیان نہیں آئیگا ص ۳۴۳ - ۳۴۴

کشف اور رؤیا میں فرق

نیند میں رؤیا کی حالت میں مکان بدلتا ہے

ہو جاتی ہے۔ پھر اگر اُس کے سر کو گوبر میں دبا دیا جائے تو وہ زندہ ہو جایا کرتی ہے۔ اسی طرح مکھی بھی۔ یہ حقیقی موت نہیں ہوتی۔ ص ۳۴۸

گناہ

ا۔ گناہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف دل پر ہو۔ محبت بھی ایک ذریعہ گناہ سے بچنے کا ہے۔ مگر یہ بہت اعلیٰ مقام ہے ص ۵۸ و حاشیہ ص ۸۰ و ص ۳۱۰-۳۱۱

ب۔ گناہوں سے بچنے کا ایک علاج کشتیٔ نوحؑ میں مندرجہ نصائح کا روزانہ پڑھنا بھی ہے۔ ص ۵۹

ج۔ خداشناسی کے بغیر گناہ کی ناپاک زندگی پر موت وارد نہیں ہوتی جس کا پہلا زینہ یقین ہے۔ حاشیہ ص ۷۸ و ص ۳۷۳

د۔ گناہ کی تعریف۔ مفتی محمد صادق صاحب نے ایک عیسائی کی کتاب سے گناہ کی تعریف یہ سنائی کہ جو امر کانشنس یا شریعت کے خلاف ہو۔ اور خود غرضی بھی گناہ ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ ہر ایک خود غرضی گناہ میں داخل نہیں جیسے کھانا پینا وغیرہ جب تک کہ وہ خلاف کانشنس یا شریعت نہ ہو۔ ص ۱۱۵

ھ۔ گناہ ایک روحانی بیماری ہے۔ جب تک اُس کی ماہیت اور تشخیص نہ کی جائے اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ ص ۳۰۸-۳۰۹

و۔ اس سوال کا جواب کہ انسان کو گناہ کا خیال کیوں پیدا ہوتا ہے اور اس کی طرف جھکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا سے بے خبر ہوتا ہے اور اس کو خدا کے وجود کا یقین نہیں ہوتا۔ ص ۳۰۹

ز۔ دو قسم کے گناہ۔ کبیرہ جیسے چوری ڈاکہ وغیرہ صغیرہ جو بلحاظ بشریت کے انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔ ص ۳۱۰

ح۔ اللہ پر حقیقی ایمان ہو تو گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔ ص ۳۱۲-۳۱۳

ل

لنڈن

ا۔ پگٹ مدعی مسیح کے ذکر پر فرمایا۔ جھوٹے نبیوں اور مسیحوں کا قدم پہلے لنڈن میں رکھا گیا اور سچے مسیح کی آواز اس کے بعد لنڈن میں پہنچی۔ ص ۱۹۹

ب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب کی یوروپین بیوی سے فرزند کا نام حضرت اقدسؑ نے عبداللہ رکھا اور فرمایا۔ لنڈن میں اوّل ولد الاسلام ہے۔ ص ۲۲۷

لیکھرام

ا۔ لیکھرام کے کسی سے قتل کروانے کے الزام کا جواب کہ اگر یہ بات ہو تو میری پیروی اور بیعت کا سلسلہ کب چل سکتا ہے۔ ہمارے ساتھ ہزارہا کی جماعت ہے کوئی اُن میں سے بولے کہ ہم نے کب اور کس کو کہا تھا کہ جا کر مار ڈالے۔ ص ۲۹۶

ب۔ لیکھرام کے متعلق کشف دیکھو "کشف"

م

مباحثہ کا طریق (۱) مباحثہ کے لئے کھلا وقت

ز ۔ آنحضرت صلعم کو فارسی زبان میں الہام ۔
ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم ص ۳۰۰

محمد احسن (مولوی امروہی)

الہام تخرج الصدور الی القبور کا مصداق مولوی نذیر حسین دہلوی اور فتح علی شاہ کی وفات کو بتایا تو حضرت اقدس نے فرمایا۔ آپ نے خوب سمجھا ۔ ص ۷۸، ص ۸۰، ص ۲۰۹

محمد حسین (مولوی بٹالوی)

ا ۔ محمد حسین کا عقیدہ دربارہ مسیح و مہدی سا حادیث مہدی کے متعلق اس کا اعتراف کہ کوئی حدیث جرح سے خالی نہیں ۔ ص ۸۶

ب ۔ محمد حسین نے افراط کی کہ حدیث کے بغیر قرآن کو لاشئی سمجھا ۔ ص ۱۱۶

ج ۔ اس کے ذلت پہنچانے کے ارادے سب اسپر الٹے پڑے ۔ ص ۲۱۳-۲۱۴

د ۔ مولوی محمد حسین اور اس کا رجوع اور اس کے براہین پر اخلاص سے ریویو کا ذکر ۔ ص ۳۵۳-۳۵۴

محمد صادق صاحبؓ (مفتی)

ا ۔ حضرت اقدس نے حفاظت طاعون سے متعلق الہامات کے ذکر میں مفتی صاحب سے دریافت فرمایا کہ اس کا سابقہ نوشتوں میں بھی کوئی ذکر ہے۔ تو بعد تلاش آپ نے زبور ۹۱ کو پیش کیا ۔ ص ۷۹ و ص ۸۲ و ص ۸۸

ب ۔ ملک صدق کا حال دیکھنے کے لیے مفتی صاحب کو حضور کا ارشاد ۔ ص ۱۰۰

نیز دیکھو ص ۱۰۱، ۱۱۹، ۱۳۰، ۱۹۹

محمد علی (مولوی)

ا ۔ آپ نے عصمت انبیاء پر ایک پادری کے اعتراضات پیش کئے ص ۸۷ نیز دیکھو ص ۱، ص ۱۰۴

ب ۔ فارقلیط کے متعلق سوال ۔ ص ۱۹۷

ج ۔ **حامد سنو** نومسلم انگریز کا خط سنایا جس میں انکی انگریزی زبان کی تعریف تھی ۔ حضرت اقدس نے فرمایا: ایسی عمدہ انگریزی لکھنا ایک خارق عادت امر ہے انگریز خیال کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی یورپین رکھا ہوا ہے ۔ مولوی صاحب کا کہنا کہ یہ خدا کا فضل ہی ہے ۔ ص ۱۱۴

د ۔ البدر اور الحکم کے ایڈیٹر کو ہدایت کہ مولوی صاحب کو مضامین دکھا لیا کریں ۔ ص ۱۵۹

محمد علی (سیالکوٹی)

ا ۔ پنجابی نظم جس میں الفاظ بیعت اور شرائط بیعت کو منظوم کیا تھا سُنکر فرمایا ۔ پنجابی نظموں کا مجموعہ تیار کرکے چھاپا جاوے اور یہ گاؤں گاؤں سنائیں تاکہ خلق اللہ کو ہدایت ہو ۔ ص ۱۷۲ و ص ۲۰۵

ب ۔ مختلف مقامات و دیہات میں تبلیغ کے لئے پھرنے کا ارشاد ۔ ص ۱۹۳

محمد یوسف (حافظ) کی نیش زنی کا ذکر ص ۱۹۷

محمد یوسف اپیل نویس (منشی)

ا ۔ اپنے گاؤں میں حضرت اقدس کے ایماء پر مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کو لے گئے ۔ ص ۱۱۸-۱۱۹

ب ۔ مباحثہ مُد کے اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے یہ اعتراض بھی مخالفوں کا سُنایا ۔ کہ تمہاری آنکھ

بھی کیوں نہیں کر دیتے اور اس کا جواب از حضرت اقدس علیہ السلام۔ ص۱۷۰

ج۔ حضرت اقدسؑ نے انہیں فرمایا۔ آپ ایک دینی جہاد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اس سلسلہ کو ایسا پھیلائیگا کہ سب پر غالب آئیگا ص۱۷۶

د۔ موضع مدٔ میں آپ کے بائیکاٹ کے ذکر پر فرمایا۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دیگا اور اُن کو سزا دیگا۔ ص۲۳۱

محمود بشیر ثانی

"بشیر اوّل سخت بیمار تھا۔ اور ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز تھا کہ انہوں نے نماز شروع کر دی۔ جب فارغ ہوئیں تو وفات پا چکا تھا۔ انہوں نے انا للہ پڑھا۔ اُسی وقت میرے دل میں ڈالا گیا۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کو نہیں اٹھائیگا جبتک اس بچہ کا بدل نہ دے لے چنانچہ اس کی وفات کے چالیس دن بعد محمود پیدا ہوا" ص۵۱

مخالفین

ا۔ مخالفین کے اشتہارات کے ذکر پر فرمایا کہ ایسے اشتہارات کے ذریعہ بھی لوگ بیعت کرتے ہیں یہ ہمارے مضر نہیں۔ ابوجہل کی مخالفت اور اسکے مباہلہ کا ذکر۔ ص۱۹۵

ب۔ مخالفین کی جلد بازی کا ذکر۔ اگر خدا ترسی اور تقویٰ سے کام لیتے تو میری کتابوں کے پورے طور پر پڑھ لیتے اور میرے پاس رہ کر میرے طرز عمل کو دیکھنے سے پہلے کوئی رائے نہ دیتے ان کا وجود میری لعنت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ص۴۳۶-۴۳۷

مخالفتِ انبیاء

مخالفت بھی تبلیغ کا ذریعہ ہوتی ہے۔ عرب جو عیش و عشرت میں مستغرق تھے انکو مذہبی مباحثات سے کیا کام تھا۔ لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عاشق مذہب کی طرح کھڑے ہوگئے تا ساری قوموں میں آپ کی دعوت جلد پھیل جائے اسی طرح ہماری مخالفت میں بھی یہی راز ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے سلسلہ کی اشاعت چاہتا ہے۔ ص۳۵۹

مُدّ

ا۔ سید سرور شاہ صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب نے مباحثہ مُدّ کی تفصیل سُنائی۔ مباحثہ کی شرط کہ بیس بیس منٹ بولنا چاہیئے سُنکر فرمایا کہ مباحثہ قبول نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ ص۱۵۵-۱۵۶

ب۔ مُدّ کے حالات مباحثہ پر تبصرہ۔ فرمایا ایک ایک اعتراض کر کے لینا چاہیئے۔ یہ بھی دیکھا جائے کہ دوسرا فریق منہاج نبوت کو مانتا ہے یا نہیں۔ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کا ذکر۔ پیشگوئیوں میں بلا کا صدقہ و خیرات سے ٹل جانا۔ مسیحؑ کی بعض پیشگوئیاں جو پوری نہیں ہوئیں۔ صلح حدیبیہ کی موقعہ پر حضرت عمرؓ کو ابتلاء آنا۔ ص۱۵۶-۱۵۸، ص۱۵۹

ج۔ مباحثہ مدّ میں ہماری فتح ہوئی۔ دسمبر تک خدا تعالیٰ جو نشان ظاہر کرے گا شاید یہ بھی عظیم الشان ہو جائے۔ ص۱۶۲، ص۱۶۳

د ۔ صلح حدیبیہ کی طرح یہ مباحثہ بھی فتح کی بنیاد ہی نظر آتا ہے ۔ ص ۱۷۰ - ۱۷۱

مدعی صادق کا ایک نشان یہ ہے ۔ کہ صادق کی محبت سعید الفطرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے ۔ سماوی مدعیوں کی عزت ظاہر کرتا اور اُن کی سچائی روشن کرکے دکھاتا ہے ۔ ص ۳۵۵

مذاہب کا مقابلہ

مذہب کی پہلی جزو اور جڑھ خدا شناسی ہے ۔ اس اصل پر مذاہب کی شناخت کرلو ۔ آریہ عیسائی اور اسلام کا مقابلہ خدا شناسی کے لحاظ سے ۔

دوسرا جزو یا اصل مذہب کا مخلوق کے حقوق میں اس لحاظ سے اُن کی تعلیم کا مقابلہ ۔ فرمایا ۔ تلاش کرو اسلام کے سوا کہیں حق نہیں ملیگا ۔ اور انسان اسلام کی تعلیم کا عامل بن کر ہی پاک ہو سکتا ہے ص ۱۴۲ - ۱۴۷

مرتدین

ا ۔ مرتد ہونا یہ بھی ایک سنت اللہ ہے ۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مرتد ہوئے ۔ خدا کا وعدہ ہے اگر ایک جائیگا تو بدلے میں ایک جماعت دیگا ۔ ص ۴۱۲

ب ۔ مسلمانوں کے عیسائی ہونے کا باعث مولویوں کا معترضین کے متعلق قتل اور کافر اور بے دین ہونیکا فتویٰ دینا اور ان کے ایسے عقائد ہیں ۔ ص ۴۳۷ - ۴۳۸

مرض مرض کی ۲ قسمیں ۔ مرض مختلف جس کی درد محسوس ہوتی ہے ۔ دوسری مرض مستوی کہلاتی ہے ۔ جیسے برص کا داغ ۔ اس کے علاج سے مریض تساہل کرتا ہے ۔ ایمان جو عملی شہادت نہیں رکھتا مرض مستوی کی طرح ہے ۔ ص ۴۱۳

مسجد اقصیٰ ہماری مسجد کا نام بھی اللہ تعالےٰ نے مسجد اقصیٰ رکھا کیونکہ اقصیٰ یا باعتبار بُعد زمانہ کے ہوتا ہے یا بُعد مکان کے اور الہام المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ میں تاثیرات زمانی کو لیا ہے ۔ اور برکات کا ذکر ۔ ص ۱۲۴

مسلمان

ا ۔ غیر احمدی مسلمانوں کا ایک نومسلم پشاوری کے احمدی ہو جانے پر امدادی چندہ سے جو دکان کھول کر دی تھی اُسے واپس لے لینا ۔ ص ۸۱

ب ۔ اپنے آپ کو اُسوقت مسلمان سمجھنا چاہیئے جب دل مسلمان ہو جائے ۔ اور دل مسلمان نہیں ہوتا جبتک کہ لہو ولعب سے لذّت حاصل کرتا ہے ۔ ص ۳۲۱

ج ۔ <u>مسلمان اور عیسائیت</u> ۔ عیسائی پادریوں نے کچھ مسلمانوں کو مرتد کیا ۔ بہت کو نیم عیسائی بنا دیا ۔ ایک بڑی تعداد ملحدانہ رنگ رکھتی ہے جو اپنی طرز بود و باش اور رفتار و گفتار میں عیسائیت کے اثر سے متاثر ہیں ۔ یہ نوجوانوں اور کالجوں کے تعلیمیافتہ کی جماعت ہے تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اُن کی وضع قطع اور لباس پسند کرتے ہیں ۔ ص ۵

نیز دیکھو "مرتدین"

مسیح موعودؑ

۱ ۔ دلیل صداقت

(الف) ۔ ضرورت زمانہ اور حفاظت دین کی ضرورت اور اس خیال کی تردید کہ دین کو کسی کی حفاظت کی ضرورت نہیں ۔ ص ۷ و ۸

(ب) ۔ آپ کے مامور الٰہی ہونے پر پانچ شہادتیں اندرونی اور بیرونی اور حدیث مجدّدین اور آیت انا لہ لحافظون اور آیت استخلاف اور کما ارسلنا الی فرعون رسولا میں موسوی اور محمدی سلسلہ میں تشابہ ص ۹-۱۰

(ج) مسیح موسوی غیر شارع اور توریت کی تکمیل کیلئے آئے ۔ اور مسیح محمدی احیاء قرآن اور تکمیل اشاعت ہدایت کے لئے جو مطابق آیت وآخرین منہم لما یلحقوا بھم آپ کی آمد ثانی سے ہونی تھی اور اس کی تفصیل ۔ ص ۱۰-۱۱

(د) مسیح محمدی اور مسیح موسوی میں دیگر مشابہتیں ۔ ص ۱۰-۱۲

(ھ) چودہ کے عدد کو روحانی تغیر سے مناسبت ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ ص ۱۲

(و) آنیوالے موعود کا زمانہ کی ایک علامت اور انگریزی حکومت ۔ ص ۱۲-۱۳

(ز) آنحضرت صلعم کی پیشگوئی یضع الحرب مسیح موعود کے متعلق ۔ ص ۱۲

۲ ۔ مسیح موعود اور سلسلہ کی صداقت کے سات دلائل آیت استخلاف ۔ صدی پر مجدد ۔ چودھویں صدی میں خاتم الخلفاء کا آنا ۔ کسوف خسوف رمضان میں سورۃ فاتحہ کی دعا ۔ الہام و وحی کہ آنیوالا میں ہوں ص ۳۸ - ۳۹

۳ ۔ مسیح موعود کی تکذیب و انکار کا نتیجہ عملاً قرآن کی تکذیب اور آنحضرت صلعم کی تکذیب لازم آتی ہے ۔ ص ۱۴-۱۶ و ص ۲۹

۴ ۔ مسیح موعود کا اعلان ۔ میں گمراہ نہیں بلکہ مہدی ہوں ۔ کافر نہیں بلکہ اول المؤمنین کا مصداق ہوں ۔ جو کچھ میں کہتا ہوں خدا نے مجھ پہ ظاہر کیا ہے ۔ ص ۱۶

۵ ۔ صداقت مسیح موعود معلوم کرنیکا ایک ذریعہ نمازوں میں دعا مانگنا ہے اور اس کے لئے تحریک ایک چلہ نہ گذریگا کہ اس پر حق کھل جائیگا ۔ ص ۱۶

۶ ۔ مسیح موعودؑ کا کام اصلاح فتنۂ عیسائیت یعنی کسر صلیب ہے، اور اس کی تفصیل ۔ ص ۱۷-۲۰

۷ ۔ مسیح موعود کا ظہور غلبۂ صلیب کے وقت مقدر تھا ۔ ص ۱۹

۸ ۔ مسیح موعود اور سلسلۂ نبوت

(الف) ۔ خدا تعالیٰ کا جو قانون ہمیشہ سلسلۂ نبوت اور اس کے اپنے ماموروں کے متعلق ہو اُس سے میں الگ کیونکر ہو سکتا ہوں ۔ ص ۳۰

(ب) میرے سلسلہ اور میرے دعویٰ کو منہاج نبوت پر پرکھیں ۔ ص ۳۱ و ۳۹ و ۴۰ و ص ۲۹۶ و ص ۳۱۹

۹ ۔ مسیح موعود اور افترا ۔ میں افترا کرتا تو وہ مجھے فی الفور ہلاک کر دیتا ۔ مگر میرا ساڈ کا معا

اُس کا اپنا کاروبار ہے۔ ص۳۵

۱۰۔ **مسیح موعودؑ کا زمانہ اور اُسکی علامات**

(الف) مسیح موعود کا ایک نشان ریلوے ہے۔ آیت اور حدیث کا ذکر۔ ص۵۴

(ب) کما استخلف کے وعدہ سے مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی ثابت ہوتا ہے ص۶۱ و ص۲۲۵-۲۲۶

(ج) ایک عیسائی کمیٹی کے نزدیک ظہور مسیح کی علامات پوری ہو چکی ہیں۔ اِسی طرح اسلامی پیشگوئیوں اور اہلِ مکاشفات کے مطابق بھی یہی وقت ہے مولوی اب تو یہ کہیں گے کہ مسیح اور مہدی کا ذکر ہی چھوڑ دو۔ ص۲۸۹

۱۱۔ **مسیح موعودؑ اور حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں مماثلت**

جیسے بنی اسرائیل سے غلامی کے دنوں میں وعدے کئے گئے اسی طرح اس اُمت کے لئے بھی مماثلت ہے۔ وہی حالت غلامی کی ہے۔ اسی مماثلت کے لحاظ سے مسیح موعود کی تبلیغ کا زمانہ چالیس سال رکھا تھا جس طرح موسیٰؑ نے وہ زمین نہ پائی اِسی طرح پر قبولیت کی ارضِ مقدس ان مولویوں کے نصیب نہیں ہوئی۔ ص۴۲۹

۱۲ **مسیح کا ذکر قرآن کریم میں اور اُس کا ابن مریم ہونا**

(الف) مسیح موعود کے لئے ابن مریم نام رکھنے کا راز سورۂ تحریم میں کھول دیا ہے۔ کہ مومن مریم صفت ہوتا ہے۔ پھر اُس میں نفخ رُوح ہوتا ہے۔ براہین میں ایسا ہی میرے ساتھ ہونا مذکور ہے اور دوسرے الہامات۔ ص۶۱-۶۲ و ص۳۸۵-۳۸۶

(ب) فرمایا سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے غیر المغضوب علیھم سے اُمت میں سے مسیح کے آنے کا استدلال۔ ص۳۸۲

(ج) سلسلہ موسویہ و سلسلہ محمدیہ کا تقابل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب انبیاء سے افضل ہونا۔ اِس لئے مسیح محمدی کا مسیح موسوی سے افضل ہونا ضروری تھا۔ آخر میں کسی نالائق کو نہیں بلکہ اعلیٰ اور افضل کو بھیجا جاتا ہے۔ ص۳۷۹ - ۳۸۲

(د) مومنوں کی مریم سے مثال پھر اُن میں ایک کا ابن مریم ہونا۔ ص۳۸۵-۳۸۶

۱۳۔ **مسیح موعود کے متبعین**۔ جو صبر اور صدق دل سے میرے پیچھے آتا ہے وہ ہلاک نہ کیا جاوے گا بلکہ غیر فانی زندگی پائیگا۔ ص۳۱

۱۴۔ **مسیح موعود حکم** ہو کر آئیگا۔ اُسکا فیصلہ منظور کرو۔ ص۳۵ و ص۳۶، ص۸۱

۱۵ **وعدۂ الٰہی پر یقین**۔ طاعون سے اپنی اور الدار کی حفاظت پر یقین کامل کا اظہار کہ وہ یہ نشان دکھلائیگا اور اپنے سلسلہ کی حمایت کریگا۔ حاشیہ ص۷۸

۱۶ **طور پر لے جانے کے معنے**۔ مسیح موعود کے اپنی جماعت کو طور پر لے جانے سے مراد تجلی گاہ حق میں لے جانا اور اپنی قوم کو تقویٰ اور طہارت کی بلند چٹان پر قائم کرنا ہے۔ ص۷۹ و حاشیہ

۱۷۔ **مسیح موعود و اٰخرین منھم**۔ کٹک کے

ایک احمدی مرد اور عورت کا اخلاص اور حضور کا دُعا فرمانا کہ خدا تعالیٰ ان کو آخرین منہم میں ملا دے
ص ۱۰۳

۱۸ - اشاعت عقائد - فرمایا - اپنے عقائد کی مختصر فہرست چھاپ دی جاوے۔ معجزات - فرشتے وحی - حیات وفات مسیح وغیرہ - تا جب کسی کو اپنے عقائد سے اطلاع دینی ہو وہ بھیجا دی جاوے
ص ۱۱۴

۱۹ - اُمتی ہونا (ا) موعود مسیح ابن مریم کا اِس اُمت میں سے ہونا سورۂ تحریم اور سورۂ نور سے ثابت ہے اور نزول کے معنے کہ برکات و فیوض پھر آسمان سے اُتریں گے - ص ۱۵۰-۱۵۱

(ب) بنی اسرائیل کے سلسلہ میں ایک مسیح رکھا تھا اِسی طرح اُمت محمدیہ میں ایک مسیح آنا ضروری تھا - اور آنحضرتؐ کی فضیلت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ اُمت میں سے آوے - ص ۲۹۱

(ج) فرمایا - ہماری تائید کے لئے تو تین منکم ہی کافی ہیں - بخاری کا امامکم منکم مسلم کا امکم منکم اور قرآن کا منکم آیت استخلاف میں -
ص ۱۸۴

۲۰ - البدر اور الحکم کو محتاط رہنے کی نصیحت

فرمایا مضامین کے قلمبند کرنے میں ہمیشہ محتاط رہیں کیونکہ غلط لکھنے سے معترض دلیل پکڑیں گے۔ ایسے مضامین مولوی محمد علی صاحب کو دکھا لیا کریں -
ص ۱۵۹

۲۱ - مسیح موعودؑ کی عربی کتب اور تحریریں

(ا) عربی کتب میں غلطیوں کے اعتراض کے جواب میں فرمایا - جب فصیح و بلیغ عربی نویسی میں مقابلہ سے عاجز آ جاتے ہیں تو کہتے ہیں - اِن میں غلطیاں ہیں حالانکہ غلطی نکالنا تو اس کا حق ہے جو زبان پر پورا احاطہ رکھتا ہو - اور یہ بالمقابل عربی نویسی کے لئے نکلتے ہی نہیں - میرا دل فتویٰ دیتا ہے کہ کبھی مقابل نہ آئیں گے - محمد حسین بٹالوی کی مثال - اُس نے کہا عجب کا صلہ لام نہیں من آتا ہے پھر اُسے کیسا شرمندہ ہونا پڑا - حاشیہ ص ۱۶۰
و ص ۱۶۱ - ۱۶۲

(ب) اگر خدا تعالیٰ کی طاقت میرے ساتھ نہ ہو تو ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا - بارہا لکھتے دیکھتا ہوں کہ ایک خدا کی رُوح ہے جو تیر رہی ہے طبیعت محسوس کرتی ہے کہ ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے - ص ۱۶۴

(ج) بہت سے مولوی عربی لکھتے اور اشعار بھی کہتے ہیں لیکن ہمارے مقابل پر خدا تعالیٰ انکی زبان بند کر دیتا ہے - ص ۱۹۷

(د) عربی پرچہ جاری کرنے کی خواہش - ص ۱۹۹

(ھ) تصنیفات کے متعلق فرمایا - ہم قلیل ہیں مگر ہماری طرف سے تازہ بتازہ کتابیں کثرت سے نکل رہی ہیں - مگر ان کی طرف سے عدد دو چند
ص ۳۹۴

(و) مسیح موعود کے انعامات - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیشگوئی کو پورا کرتے ہیں کہ مسیح مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے۔ ص ۱۶۷

۲۲ عربی زبان میں الہامات ہونیکی وجہ - ہم عربی نبیؐ کے تابع ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ عظمت دینے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قائم رکھنے کے لئے اصل متبوع کی زبان یعنی عربی میں الہام کرتا ہے اس لئے یہ آیت وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ کے مخالف نہیں۔ ص ۲۹۹-۳۰۰

۲۳ - بٹالہ میں شہادت دینے کیلئے سفر اور اس کے حالات - ص ۱۷۲-۱۸۷

دو بزرگوں ابوالقاسم اور ابوسعید کا ایک واقعہ ذکر کرکے فرمایا - اسی طرح بٹالہ میں لاعلمی کی شہادت کے لئے آنا تو کیا، یہاں آنے میں یہی غرض معلوم ہوتی ہے کہ میاں نبی بخش سے ملاقات ہوگئی کچھ تبلیغ ہو جائیگی - لوگوں کو فائدہ پہنچیگا۔ ص ۱۷۸

۲۴ - کتب کو پڑھنے کی نصیحت - محمد رفیق۔ محمد کریم مونگھیری کو اُن کی بیعت کر لینے کے بعد فرمایا - ہماری کتابوں کو خوب پڑھتے رہو تا واقفیت ہو اور کشتی نوح کی تعلیم پر ہمیشہ عمل کرتے رہو ص ۱۸۷

۲۵ - حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق خوابیں - دو شخص کی خوابوں کا ذکر - فرمایا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ خوابوں کے ذریعہ اطلاع دے اور خدا کے فرشتے دلوں میں ڈالتے پھرتے ہیں کہ مان لو مان لو۔ ص ۱۸۸

۲۶ - احمدیوں کیلئے دُعائیں - ایک مبائع کے اظہار محبت کے کلمات پر فرمایا۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے دروازے کھول دیئے۔ اور اُن کی درخواست دُعا پر فرمایا۔ میں اپنے دوستوں کیلئے پنجوقتہ نمازوں میں دُعا کرتا ہوں ص ۱۹۱-۱۹۲

۲۷ - نماز جنازہ پڑھنا - بعد ادائے نماز جمعہ ایک احمدی بھائی مرحوم کی نماز جنازہ حضرت اقدسؑ نے پڑھائی۔ ص ۲۷۱

۲۸ - ہندو کا دست بوس کرنا - ایک امرتسری ہندو تاجر کا نیازمندانہ طور پر آپکے دست بوس کرنا - ص ۲۷۱-۲۷۲

۲۹ - مسیح موعود کس قوم سے ہوگا - فرمایا مسیح موعود کی بابت نہیں لکھا کہ وہ کس قوم سے ہوگا مگر مہدی کی قوم کا ذکر تھا - اس لئے مہدیٔ کاذب ہونے کے دعوے بہت سے لوگوں نے کئے۔ ص ۳۸۲

۳۰ - آپ کی غرضِ بعثت

(ا) دلوں میں ایمان اور عملی حالت کو قائم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا۔ ص ۲۹۵

(ب) تا تعلیم اسلام کی خوبیاں ظاہر کروں اور ان خوبیوں کا عملی ثبوت اور اس کی تاثیریں دکھاؤں - ص ۴۳۸

۳۱ - دعویٰ ماموریت - خدا نے مجھے مامور کیا اور بھیجا ہے - مخالف دیکھتے کہ آیا ایسا مدعی اپنے ساتھ خدا کی تائیدیں اور نصرتیں رکھتا ہے یا نہیں - باوجود مسلمان ہو کر قرآن شریف سے فیصلہ نہیں کرتے۔ ص ۴۳۶-۴۳۷

۳۲ مسیح موعود کے ۲ کام - نشانوں کے ذریعہ

ثابت کرنا کہ مجیب اور ناطق خدا ہمارا ہی ہے۔ جو دُعاؤں کو سُنتا اور جواب دیتا ہے دوسرے مذاہب کا نہیں۔ ص ۴۳۸

۳۳ مسلمانوں کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

(ا) دعویٰ نبوت کا الزام۔ فرمایا مجھے دعویٰ نبوّت کا الزام دیتے ہیں لیکن خود انہوں نے اپنی اپنی شریعت بنالی ہے۔ درود اور وظائف کا ذکر۔ ہزارہا قسم کی بدعات ان میں موجود ہیں۔ تقویٰ اور طہارت جو اسلام کا اصل مقصود تھا اُن میں مفقود ہے ص ۴

(ب) اعتراض۔ براہین میں مسیح کی آمد ثانی کا اقرار کیا۔ پھر اُس کے خلاف خود دعویٰ کر دیا۔

(۱) جواب۔ کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نہ آوے ہم کسی امر کو جو مسلمانوں میں مروّج ہے، چھوڑ نہیں سکتے۔ براہین میں عام اعتقاد کے رنگ میں ذکر ہے۔ پھر وحی کے ذریعہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر کھولا ذکر کر دیا اور یہی ہماری صداقت کی دلیل ہے۔ ص ۱۳۰-۱۳۴

(۲) اس اعتراض میں ہمارا فخر ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے دکھائے بغیر نہیں دیکھتے۔ سُنائے بغیر نہیں سُنتے اُس کے سمجھائے بغیر نہیں سمجھتے۔ آنحضرتؐ اور حضرت یعقوبؑ کی مثالیں۔ ص ۱۳۱-۱۳۳

(۳) ہمیں عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں اور ایسا دعویٰ کرنا ہمارے نزدیک کفر ہے۔ ص ۱۳۰

(ج) مسیح موعود کے قریش میں سے ہونے اور قریش میں سے نہ ہونے دو مختلف تحریروں پر اعتراض کا جواب۔ ص ۱۳۵

(د) مباحثہ مدّ میں یہ بھی اعتراض کیا گیا کہ محمد یوسف صاحب اپیل نویس کی آپ آنکھ اچھی کیوں نہیں کر دیتے۔ جواب۔ آیت عبس و تولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ میں آنحضرتؐ کے ایک اندھے صحابی کا ذکر ہے۔ اور بھی اندھے تھے آنحضرتؐ نے انکو کیوں اچھا نہ کر دیا۔ ص ۱۷۰

(ھ) اعتراضات کا جامع جواب۔ فرمایا۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ مجھ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا جو پہلوں پر نہ ہُوا ہو۔ ص ۳۱۹

۳۴۔ واقعات متعلقہ سیرت مسیح موعودؑ

(ا) آپ کی سادگی کا ذکر۔ حاشیہ ص ۴۵

(ب) فرمایا۔ میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیّت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے۔ ص ۴۸

(ج) خواہ موذی طبع ہزاروں مر جاویں۔ مگر میرا جی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو اور دنیا کو پتہ لگے کہ کوئی قادر خدا موجود ہے۔ دہریت اور الحاد اور شرک کا زور اور بظاہر موحدین کی حالت۔ ص ۹۶

(د) مخالفین سے حسن سلوک (۱) ایک مقدمہ کے سلسلہ میں فرمایا۔ ہماری مراد سزا سے نہیں کہ اُسے ضرور ہو۔ بلکہ جیسے یوسفؑ کی حقیقت عزیز مصر کے سامنے کھل گئی ویسے ہی ہماری بھی حقیقت کھل جائے۔ ص ۸۳

(۲) فرمایا مقدمہ بازی اچھی نہیں ہوتی۔ ص ۸۹

(ھ) مہمان نوازی اور تواضع

(۱) ہمارے مہمانوں میں سے جو تکلّف کرتا ہے۔ اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وما انا من المتکلفین۔ جو ضرورت ہو۔ کہہ دیا کرو۔ ص ۱۶۳

(۲) جہلم سے ایک ضعیف العمر زیارت کے لئے آئے۔ وہ چل نہیں سکتے تھے۔ حضرت اقدسؑ اُن کی خاطر ٹھہر گئے اور حالات دریافت فرماتے رہے۔ ص ۱۶۴

(و) غرباء کا علاج۔ فرمایا۔ اگرچہ حکیم نورالدینؓ صاحب کو علاج کے لئے مقرر کیا ہُوا ہے مگر بعض اپنے اعتقاد کے خیال سے مجھ سے ہی علاج کراتے ہیں۔ آج سر درد اور ریزش بھی تھی اور مریض بھی بہت آئے۔ ص ۱۷۱

(ز) اخلاقِ عالیہ۔ اصحاب میں سے ایک نے شئ طلب کی۔ آپ اُسی وقت اُٹھ کر اندر گئے اور شئے لاکر دے دی۔ ص ۲۶۷

(ح) کام سے نہ تھکنا (۱) لکھنے پروف دیکھنے وغیرہ تکلیف پر ایک دوست کے اظہارِ ہمدردی پر فرمایا۔ بدن تو تکلیف کے واسطے ہی ہے۔ ص ۲۶۹

(۲) فرمایا۔ میرے اعضاء تو بے شک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ کام کئے جاؤ۔ ص ۴۱۴

(۳) دینی کاموں اور ضرورتوں کے لئے رات کو تین تین بجے تک جاگنا۔ ص ۱۹۶

(ط) شہرت سے نفرت جہلم تاریخ پر جانا تھا۔ ایک دوست کے عرض کرنے پر کہ اشتہار دیدیا جائے تو لوگ اسٹیشن پر زیارت کے لئے آجائیں۔ فرمایا۔ نہیں۔ جماعت کے دوست تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور دوسروں کیلئے سر درد خریدنے کا کیا فائدہ ص ۳۲۵ و ۳۲۶

(ی) آپ کا دنیا داری کے جشن جلوسوں وغیرہ سے متنفر ہونا۔ ص ۳۴۲

(ک) اطاعت والدین۔ فرمایا۔ والد صاحب کے حکم اور رضامندی کے لئے اکثر مجھے عدالتوں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ لیکن اُن کی وفات کے بعد ہم نے اِن باتوں میں کبھی حصّہ نہیں لیا۔ ص ۳۹۳

(ل) قیام فیما اقام اللّٰہ۔ میاں احمد دین صاحب از گوجرانوالہ کی عرض پر کہ اگر سفر کا ٹھیک ٹھیک پتہ ہو جائے تو گوجرانوالہ کھانے پینے کا انتظام کر کے حاضر رہوں۔ فرمایا۔ ہمیں تو خدا نے ہی جانا ہے ابھی کیا معلوم کس وقت جانا ہے دیگر احباب کی بھی ایسا انتظام کرنے کی خواہش پر فرمایا۔ دل میں جو اخلاص ہے اُس کا ثواب لیں گے۔ ص ۳۹۳

(م) احباب کے جذبات کا خیال۔ دو تین دن سیر بند رہنے کی وجہ سے خاک کا اُڑنا قرار دیا۔ ایک صاحب کے عرض کرنے پر کہ چونکہ بعض احباب حضور کے آگے چلتے ہیں اسلئے خاک اُڑتی ہے فرمایا نہیں۔ بارش نہ ہونے سے یہ تکلیف ہے۔ ص ۳۹۴

ثبوت ہوتے ہیں۔ اوّل کُتب سابقہ میں اُنکا ذکر استعارہ کے رنگ میں ضرور ہوتا ہے۔ دوسرا ثبوت نشانات ہیں اور یہ دونو ثبوت میری صداقت کے بھی ہیں۔ ص ۲۰۲ - ۲۰۳

نبی بخش (میاں)

ا - فرمایا۔ بٹالہ میں شہادت کیلئے آنے کی اصل غرض تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ میاں نبی بخش صاحب سے ملاقات ہوجائے۔ اور تبلیغ ہوجائے۔ ص ۱۷۸

۲ - نبی بخش صاحب نمبردار بیٹدودی کی عرض پر کہ وہ لکھا پڑھا نہیں۔ فرمایا۔ علم کیا اصل غرض عمل کی ہے۔ ص ۱۴۲

اور اُن کی دُعا کی درخواست پر کہ حضور کی محبت ہمارے دل میں بڑھے۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اخلاص اور توجہ عطا کی ہے یہ اُس کا فضل ہے شکر کرو اور بڑھا دیگا۔ ایّاکَ نعبد و ایّاکَ نستعین کا تکرار کرو۔ ایّاکَ نستعین خدا کے فضل اور گمشدہ متاع کو واپس لاتا ہے ص ۱۴۷ - ۱۴۸

نجات

ا - نجات ایمان کے ساتھ ہے۔ ص ۷۸ و حاشیہ

ب - نجات اپنی کوشش سے نہیں بلکہ خدا کے فضل سے ہُوا کرتی ہے۔ اور اس کے حصول کا طریق۔ اور یہ کہ وہ صرف اسلام میں ملتی ہے اور اُسکے آثار اس دنیا میں ظاہر ہوجاتے ہیں ص ۲۰۶ - ۲۰۷

ج - نجات کے حصول کیلئے قانون یہ ہے ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ اور من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ سوائے اسلام کے نجات جو بہشتی زندگی ہے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اور جو کہے کہ مَیں خدا کے کلام کے سوا نجات پاؤنگا وہ مشرک ہے۔ کلامِ خدا اور اُس کی اتباع کے بغیر خدا سے مل جانیکا دعویٰ کرنا گمراہی ہے۔ ص ۲۰۶ - ۲۰۷

نذیر حسین دہلوی (مولوی)

ا - اِن کی وفات کی خبر آنے پر آپ کو الہام ہُوا۔ مات ضال ھائما ص ۹۲

ب - وفاتِ مسیح کے ذکر پر فرمایا۔ قوم اور برادری کی محبت ہی نے دراصل اُسے اخفائے حق کے لیئے مجبور کیا ہُوا تھا۔ سُنا تھا وہ کہتے تھے کہ مجھے ایک ایسی بات یاد ہے۔ اگر بتلادُوں تو ہزاروں آدمی مرزا صاحب کے مرید ہوجاویں۔ یہاں تو لاکھوں ہماری جماعت میں داخل ہوگئے۔ اب مرنے کے بعد تو مجھے یقین ہے وہ بھی ہماری جماعت میں داخل ہوئے ہونگے۔ اور شیخ سلیمان سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے ملنے کا ذکر۔ ص ۸۵ - ۸۶

نزولِ مسیحؑ

ا - نزولِ مسیحؑ اور نزولِ ایلیاؑ میں مشابہت اور یہ کہ نزولِ ایلیاہ کی پیشگوئی صحیح تھی اور اُس کی دلیل۔ ص ۲۵ - ۲۹

ب - نزول کا لفظ ہے من السماء نہیں لکھا - اور یہ ظلّی معنے رکھتا ہے - نزیل لُغت میں مسافر کو کہتے ہیں - ص ۱۱۷

نشانات

ا - نشانات ضرورتوں اور ابتلاء کے وقت ظاہر ہوتے ہیں - جبکہ ایک قسم کی جان کندن پیش آ جاتی ہے - موسیٰؑ کے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار لے جانے کے وقت نشان اور قتلِ لیکھرام کے نشان کا ذکر - ص ۹۵

ب - کلام کا نشان - فرمایا باقی نشانات اور معجزات تو مٹ جاتے ہیں لیکن کلام الٰہی کا نشان دائمی ہوتا ہے - ص ۱۹۶ - ۱۹۷

ج - ایک مدراسی ہندو کی آمد پر فرمایا - یہ بھی نشان ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یاتون من کل فج عمیق فرمایا تھا - ص ۱۹۸

د - ایک مولوی عبدالستار نامی کا ملاقات کرنا اور تحفے تحائف پیش کرنا اور حضرت اقدسؑ کا فرمانا یہ بھی نشان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا - یأتیک من کل فج عمیق - ص ۲۱۸

ھ - الہام یاتون من کل فج عمیق کے مطابق ہر شخص جو آتا ہے اور تحفہ اور نذر لاتا ہے ایک نشان ہوتا ہے - اس طرح تو پچاس لاکھ تک نشان پہنچتے ہیں - ص ۲۴۲ - ۲۴۳

و - جماعت کی ترقی کا نشان - ص ۳۷۰

ز - آسمانی اور زمینی نشان - کسوف خسوف آسمانی نشان اور طاعون زمینی نشان ہے - ص ۳۷۰

ح - ادب یہی ہے کہ نشان طلب کرنے پر زور نہ دے اور ایسے کو خدا کبھی بے نشان نہیں چھوڑتا - صحابہؓ کی مثال ص ۳۵۶

نشہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے استفسار پر حضرت حکیم نورالدینؓ صاحب نے فرمایا نشہ کا عادی چالیس دن میں ہو سکتا ہے - ص ۸۹

نصاریٰ
دیکھو "عیسائی"

نصرانیت کا اثر
دیکھو "عیسائیت"

نصیحت جمع نصائح

انصاف و دیانت اور خوفِ خدا کو دل میں رکھکر غور و فکر کرنے کی نصیحت جس کے بغیر انسان پُرانے خیالات نہیں چھوڑ سکتا - ص ۱

نیز دیکھو "جماعت کو نصائح"

نعمت علی (منشی)

کے کھانے کے لئے عرض کرنے پر فرمایا - ہم کھانا کھا چکے ہیں تکلّف کی کیا ضرورت ہے - بیعت کرنے کے بعد تم ہمارے بدن کا جزو بن گئے پھر الگ کیا رہ گیا - ص ۱۸۴

نماز

ا - التزامِ نماز - فرمایا - ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز کا ہے کہ بشیر اوّل جب شدید بیمار تھا تو انہوں نے نماز شروع کر دی - جب فارغ ہوئیں تو وہ وفات پا چکا تھا - آپ نے انّا للّٰہ پڑھا ص ۵۱ نیز دیکھو "محمود بشیر ثانی"

دلجوئی کرکے زیادہ اخلاق اور پاکیزہ نمونہ دکھا کر اسلام کی صداقت کا قائل کرو۔ ص ۱۴۵

۲۔ ایک نووارد کو تاکید کی کہ وہ اپنے والد کے حق میں جو سخت مخالف ہیں دُعا کیا کریں۔ اُس نے کہا۔ کرتا ہوں فرمایا توجہ سے کیا کرو باپ کی دعا بیٹے کے واسطے اور بیٹے کی باپ کے واسطے قبول ہُوا کرتی ہے۔ ص ۱۸۸

وجودی

فرمایا۔ طریق تأدّب یہ تھا کہ جو فرق عبد اور معبود کا ہے اُس سے آگے نہ بڑھتے۔ اور اُن کی بداعتقادی و بدعملی کا ذکر۔ ص ۲۵۱

وحی

ا۔ نبی اور رسول کی طرح محدث کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے۔ ص ۱۲۱

ب۔ قرآن کی وحی سب سے اقویٰ وحی ہے۔ اور شدت کے ساتھ اس کا نزول ہُوا۔ ص ۱۲۲

ج <u>وحی و الہام</u> ۔ کلام بمعنے وحی است در قرآن ہم ذکر الہام نامدہ بلکہ ذکر وحی آمدہ وقطعیت الہام و وحی یک معنی دارد۔ ص ۲۲۴

د۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی کے کلمات دیکھو "الہامات"

ھ <u>نزولِ وحی کا زمانہ</u> موسم بہار کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح بارش کے وقت در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس اسی طرح نزولِ وحی کے وقت نیکی اور بدی کے لئے مستعد سعید اور شقی ہر قسم کی طبائع کو باہر نکال دیتی ہے۔ ص ۴۴۳ - ۴۴۴

وقفِ زمین کا ایک طریق

ایک شخص نے زمین وقف کرنی چاہی۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ اِس کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ خود آباد کریں اور کاشت وغیرہ کے اخراجات نکال کر جو بچے وہ سلسلہ کے لئے دیدیں۔ آپ کی نیّت کا ثواب تو ہوگیا۔ ص ۴۱۱

ولایت

ولایت ملتی نہیں جب تک انسان خدا کے لئے موت اختیار کرنے کے لئے تیار نہ ہوجاوے خودشناسی کے بعد خداشناسی پیدا ہوتی ہے۔ ص ۴۳۰ - ۴۳۱

ولد الزنا

اِس میں حیا کا مادہ نہیں ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کی بہت تاکید کی ہے۔ ص ۱۵۹

وہابی

ا۔ امرتسری غزنویوں کا آپ کے بائیں ہاتھ سے چائے پینے پر اعتراض۔ اور یہ کہ آپ نے اپنی کتابوں میں آنحضرتؐ کی بہت تعریف کی ہے اس قدر نہ چاہیے تھی۔ مطابق حدیث آنحضرتؐ کا مرتبہ یونس بن متی سے زیادہ نہیں۔ ان کے پاس چھلکا ہے مغز نہیں۔ مَیں نے کبھی وہابی کہلانا پسند نہیں کیا۔ ص ۲۰۲-۲۰۳

ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السّلام

جلد ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جلد چہارم

کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمٰن

[1] ۳۱ اگست ۱۹۰۱ء کو جناب بابو غلام مصطفےٰ صاحب میونسپل کمشنر وزیر آباد، قادیان دارالامان آئے تھے۔ اس تقریب پر حضرت حجۃ اللہ علی الارض علیہ السلام نے بطور تبلیغ مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔ جو الحکم کی اس اور اگلی اشاعتوں میں درج ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق وھو خیر الرفیق (ایڈیٹر)

غور و فکر کرنے کی نصیحت

اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان کسی بات کو خالی الذہن ہو کر نہیں سوچتا اور تمام پہلوؤں پر توجہ نہیں کرتا اور غور سے نہیں سنتا۔ اس وقت تک پرانے خیالات نہیں چھوڑ سکتا۔

---

[1] حاشیہ۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ تقریر ملفوظات جلد دوم میں درج ہونی چاہیئے تھی۔ چونکہ وہاں درج ہونے سے رہ گئی۔ اس لئے اب یہاں درج کی جاتی ہے۔ (مرتب)

اس لئے جب آدمی کسی نئی بات کو سُنے تو اُسے یہ نہیں چاہیئے کہ سُنتے ہی اُس کی مخالفت کے لئے تیار ہو جاوے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اُس کے سارے پہلوؤں پر پورا فکر کرے اور انصاف اور دیانت اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے خوف کو مدنظر رکھ کر تنہائی میں اس پر سوچے۔

ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا ظہور

میں جو کچھ اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ کوئی معمولی اور سرسری نگاہ سے دیکھنے کے قابل بات نہیں بلکہ بہت بڑی اور عظیم الشان بات ہے۔ میری اپنی بنائی ہوئی نہیں **بلکہ خدا تعالیٰ کی بات ہے۔** اس لئے جو اُس کی تکذیب کے لئے جرأت اور دلیری کرتا ہے وہ میری تکذیب نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر دلیر ہوتا ہے۔ مجھے اُس کی تکذیب سے کوئی رنج نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس پر رحم ضرور آتا ہے کہ نادان اپنی نادانی سے خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتا ہے۔

یہ بات مسلمانوں میں ہر شخص جانتا ہے اور غالباً کسی کو بھی اس سے بے خبری نہ ہو گی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کو بھیجتا ہے جو دین کے اس حصہ کو تازہ کرتا ہے جس پر کوئی آفت آئی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ مجددوں کے بھیجنے کا اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق ہے جو اُس نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] میں فرمایا ہے۔ پس اس وعدہ کے موافق اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے موافق جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر فرمائی تھی، یہ ضروری ہوا کہ اس صدی کے سر پر جس میں سے اُنیس[19] برس گذر گئے کوئی مجدد اصلاحِ دین اور تجدید ملت کے لئے مبعوث ہوتا۔ اس سے پہلے کہ کوئی خدا تعالیٰ کا مامور اس کے الہام اور وحی سے مطلع ہو کر اپنے آپ

[1] الحجر: ۱۰

کو ظاہر کرتا۔ مستعد اور سعید فطرتوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ صدی کا سر آجانے پر نہایت اضطراب اور بے قراری کے ساتھ اس **مردِ آسمانی** کی تلاش کرتے اور اُس آواز کے سُننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتے جو اُنہیں یہ مژدہ سُناتی کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کے موافق آیا ہوں۔

یہ سچ ہے کہ چودھویں صدی پر اکابر اُمت کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور تمام کشوف اور رؤیا اور الہامات اس امر کی طرف ایما کرتے تھے کہ اس صدی پر آنے والا موعود عظیم الشان انسان ہوگا جس کا نام احادیث میں **مسیح موعود** اور **مہدی** آیا ہے۔ مگر میں کہوں گا کہ جب وہ وقت آگیا اور آنے والا آگیا تو بہت تھوڑے وہ لوگ نکلے جنہوں نے اُس کی آواز کو سُنا۔ غرض یہ بات کوئی نرالی اور نئی نہیں ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آتا ہے۔

چودھویں صدی کا مجدد اور اُس کی ضرورت

پس اس وعدہ کے موافق ضروری تھا کہ اس صدی میں بھی جو انیس ۱۹ سال تک گذر چکی ہے مجدد آئے۔ اب اس دوسرے پہلو کو دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کیا اس وقت اسلام کے لئے کوئی آفات اور مشکلات ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو کسی مامور کیلئے **داعی** ہیں۔ جب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر اس وقت دو ۲ قسم کی آفتیں آئی ہیں۔ اندرونی ۱ اور بیرونی ۲

اندرونی طور پر یہ حالت اسلام کی ہوگئی ہے کہ بہت سی بدعتیں اور شرک سچی توحید کی بجائے پیدا ہو گئے ہیں۔ اعمال صالحہ کی جگہ صرف چند رسومات نے لے لی ہے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ بجائے خود ایک مستقل شریعت ہو گئی ہے۔ مجھ کو ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ مجھ کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے **نبوت کا دعویٰ کیا** ہے۔ حالانکہ اس امر کو انہوں نے نہیں سمجھا۔ کہ میں کیا کہتا ہوں مگر

اپنے گھر میں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ نبوت کا دعوے تو انہوں نے کیا ہے جنہوں نے اپنی شریعت بنا لی ہے کوئی بتائے کہ وہ ورد اور وظائف جو سجادہ نشین اور مختلف گدیوں والے اپنے مریدوں کو سکھاتے ہیں، مَیں نے ایجاد کئے ہیں ؟ یا مَیں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سُنّت پر عمل کرتا ہوں اور اس پر ایک نقطہ یا شعشہ بڑھانا کفر سمجھتا ہوں۔

اور ہزارہا قسم کی بدعات ہر فرقہ اور گروہ میں اپنے اپنے رنگ کی پیدا ہو چکی ہیں۔ تقویٰ اور طہارت جو اسلام کا اصل منشاء اور مقصود تھا۔ جس کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خطرناک مصائب برداشت کیں جن کو بجز نبوت کے دِل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا وُہ آج مفقود و معدوم ہوگیا ہے۔ جیل خانوں میں جا کر دیکھو کہ جرائم پیشہ لوگوں میں زیادہ تعداد کن کی ہے۔ زنا، شراب اور اتلاف حقوق اور دوسرے جرائم اس کثرت سے ہو رہے ہیں کہ گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کوئی خدا نہیں۔ اگر مختلف طبقاتِ قوم کی خرابیوں اور نقائص پر مفصل بحث کی جاوے۔ تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاوے۔ ہر دانشمند اور غور کرنے والا انسان قوم کے مختلف افراد کی حالت پر نظر کر کے اس صحیح اور یقینی نتیجہ پر پہنچ جاوے گا کہ وہ تقویٰ جو قرآن کریم کی علّتِ غائی تھا جو اکرام کا اصل موجب اور ذریعہ شرافت تھا آج موجود نہیں۔ عملی حالت جس کی اشد ضرورت تھی کہ اچھی ہوتی۔ اور جو غیروں اور مسلمانوں میں مابہ الامتیاز تھی، سخت کمزور اور خراب ہو گئی ہیں۔

عیسائی مذہب کی طرف سے اسلام کی مخالفت

بیرونی حصہ میں دیکھو کہ جس قدر مذاہب مختلفہ موجود ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک اسلام کو نابُود کرنا چاہتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اسلام کا سخت دشمن ہے عیسائی مشنریوں اور پادریوں کی ساری کوشش اس ایک امر میں صرف ہو رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور جس طرح ممکن ہو اسلام کو نابود کیا جاوے اور اس توحید کو جو اسلام نے

قائم کی تھی۔ جس کے لئے اس کو بہت سی جانوں کا کفارہ دینا پڑا تھا، اُسے نابود کرکے یسوع کی خدائی کا دُنیا کو قائل کرایا جاوے اور اس کے خُون پر یقین دلایا جاوے۔ جو بے قیدی، آزادی اور اباحت کی زندگی کو پیدا کرتا ہے اور اس طرح پر وہ پاک غرض تقوےٰ و طہارت و عملی پاکیزگی کی جو اسلام کا مدعا تھا، مفقود کی جاوے۔ عیسائی پادریوں نے اپنی ان اغراض میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو مُرتد کر لیا۔ اور بہت سے ہیں جن کو نیم عیسائی بنا دیا ہے اور بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو ملحدانہ طبیعت رکھتے ہیں اور اپنی طرز بُود و باش اور رفتار و گفتار میں عیسائیت کے اثر سے متاثر ہیں۔ نوجوانوں کی ایک جماعت اور مخلوق ہے جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئی ہے اور کالجوں میں اس کی تربیت ہوئی۔ وہ خدا تعالےٰ کے کلام کی بجائے فلسفہ اور طبیعیات کی قدر کرتی ہے اور اس کو مقدم اور ضروری سمجھتی ہے۔ اسلام اس کے نزدیک عرب کے جنگلوں کے حسب حال تھا ان باتوں اور حالتوں کو جب میں دیکھتا ہوں اور سُنتا ہوں۔ میں دوسروں کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر میرے دل پر سخت صدمہ ہوتا ہے کہ آج اسلام ان مشکلات اور آفتوں میں پھنسا ہوا ہے اور مسلمانوں کی اولاد کی یہ حالت ہو رہی ہے جو وہ اسلام کو اپنے مذاق ہی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو الٰہی حدود سے باہر تو نہیں ہوئے۔ حلال کو حرام نہیں کرتے مگر وضع قطع لباس پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک قدم نصرانیت میں رکھا ہوا ہے۔ اب صاف سمجھ آتا ہے کہ اندرُونی طور پر وہ بدعات اور مشرکانہ رُسُوم ہیں اور بیرونی طور پر یہ آفتیں خصوصاً صلیبی مذہب نے جو نقصان پہنچایا ہے۔ اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر ایک آدمی بھی اُس سے نکل جاتا اور مُرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی۔ اور یا اب یہ حالت ہے کہ مُرتدوں کی انتہا ہی نہیں رہی۔ اب اِن تمام امور کو یکجائی طور پر کوئی عقلمند سوچے،

اور خدا کے لئے غور کرے کہ کیا خدا کی خاص تجلّی کی ضرورت نہیں ؛ کیا ابھی تک اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ حفاظت کے پُورا ہونے کا وقت نہیں آیا۔ کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔[1] اگر اس وقت اُس کی مدد اور تجلّی کی ضرورت نہیں تو کوئی ہمیں بتائے کہ وہ وقت کب آئے گا۔ غور کرو اور سوچو کہ ایک طرف تو واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس قسم کی ضرورتیں پیدا ہوگئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلّی فرمائے اور اپنے دین کی نُصرت عملی سچائیوں اور آسمانی تائیدات سے کرکے دکھاوے۔ دوسری طرف صدی نے مُہر لگا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق (جو اس کے برگزیدہ اور افضل الرسل رسُول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا کہ ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لئے مجدّد بھیجا جاوے گا) کوئی مجدّد آنا چاہیئے۔ صدی میں سے انیس[19] برس گذر گئے مگر اب تک باوجود ان ضرورتوں کے پیدا ہوجانے کے بھی کوئی مامور مبعوث نہیں ہوا۔ تو پھر خدا کے لئے غور کرو کہ اس میں اسلام کا کیا باقی رہتا ہے، کیا اس سے انا لہ لحافظون کے وعدہ کا خلاف ثابت نہ ہوگا، کیا اس سے ارسال مجدد کی پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی باطل نہ ہوگی، کیا یہ نہ پایا جائے گا۔ کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ اس پر ایسی آفتیں آئیں اور خدا تعالیٰ کو اس کے لئے غیرت نہ آئی؟

پیشگوئی اور ضرورت کے موافق سلسلہ قائم ہوا

اب کوئی ہمارے دعویٰ کو چھوڑے اور الگ رہنے دے مگر ان باتوں کا سوچ کر جواب دے۔ میری تکذیب کروگے تو اسلام کو ہاتھ سے تمہیں دینا پڑے گا۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ کیونکہ عین ضرورت کے وقت، خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے موافق خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ اور یہ ثابت ہوگیا کہ صدق اللہ و رسُولہٗ اللہ تعالیٰ اور

[1] الحجر: ۱۰

اُس کے رسُولؐ کی باتیں سچی ہیں۔ ظالم طبع ہے وہ انسان جو ان کی تکذیب کرتا ہے۔ [1]

ماموریت اور مجددیت کا دعویٰ

اب میرا یہ دعویٰ کہ اس صدی پر میں تجدید دین کے لئے بھیجا گیا ہوں صاف ہے میں زور سے کہتا ہوں کہ **اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے**۔ اور اس پر بائیس[۲۲] برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے۔ اس قدر عرصہ تک میری تائیدوں کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا الزام اور حجت ہے تم لوگوں پر۔ کیونکہ میں نے جو مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ میں فسادوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں، حدیث اور قرآن کی بناء پر کیا ہے۔ اب جو لوگ میری تکذیب کریں گے وہ میری نہیں اللہ اور اُس کے رسُول کی تکذیب کریں گے۔ ان کو کوئی حق تکذیب کا نہیں پہنچتا۔ جب تک وہ میری جگہ دوسرا مصلح پیش نہ کریں کیونکہ زمانہ اور وقت بتاتا ہے کہ مصلح آنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر جگہ مفاسد پیدا ہو چکے ہیں۔ اور قرآن شریف کہتا ہے کہ ایسی آفتوں کے وقت حفاظتِ قرآن کے لئے مامور آتا ہے اور حدیث کہتی ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد بھیجا جاتا ہے۔ پھر ضرورتیں موجود ہیں۔ اور یہ وعدے حفاظت اور تجدید دین کے الگ ہیں تو ان ضرورتوں اور وعدوں کے موافق آنے والے کی تکذیب کی تو دو ہی صورتیں ہیں یا کوئی اور مصلح پیش کیا جاوے یا ان وعدوں کی تکذیب کی جاوے۔

ضرورت حفاظت دین

بعض لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ دیکھو جو شخص باغ لگاتا ہے یا عمارت بناتا ہے تو کیا اس کا فرض نہیں ہوتا یا وہ نہیں چاہتا کہ اس کی حفاظت اور دشمنوں کی دست بُرد سے بچانے کے لئے ہر طرح کوشش کرے؟ باغات کے گرد کیسے کیسے احاطے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں اور مکانات کو آتشزدگیوں سے بچانے کے لئے نئے نئے مصالحے تیار ہوتے

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء

ہیں۔اور بجلی سے بچانے کے لئے تاریں لگائی جاتی ہیں۔ یہ امور اس فطرت کو ظاہر کرتے ہیں جو بالطبع حفاظت کے لئے انسانوں میں ہے پھر کیا اللہ تعالےٰ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے؟ بے شک حفاظت کرتا ہے اور اس نے ہر بلا کے وقت اپنے دین کو بچایا ہے۔ اب بھی جبکہ ضرورت پڑی اس نے **مجھے اسی لئے بھیجا ہے**۔ ہاں یہ امر حفاظت کا مشکوک ہو سکتا یا اس کا انکار ہو سکتا تھا۔ اگر حالات اور ضرورتیں اس کی مؤید نہ ہوتیں۔ مگر کئی کروڑ کتابیں اسلام کے رد میں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ان اشتہاروں اور دو ورقہ رسالوں کا تو شمار ہی نہیں جو ہر روز اور ہفتہ وار اور ماہوار پادریوں کی طرف سے شائع ہوتے ہیں۔ ان گالیوں کو اگر جمع کیا جاوے جو ہمارے ملک کے مُرتد عیسائیوں نے سیدالمعصومین صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک ازواج کی نسبت شائع کی ہیں تو کئی کوٹھے ان کتابوں سے بھر سکتے ہیں۔ اور اگر اُن کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھا جائے تو وہ کئی میل تک پہنچ جائیں۔ عمادالدین۔ صفدر علی اور شائق وغیرہ نے جیسی تحریریں شائع کی ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ عمادالدین کی تحریروں کے خطرناک ہونے کا بعض انصاف پسند عیسائیوں کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ لکھنو سے جو ایک اخبار شمس الاخبار نکلا کرتا تھا اس میں اس کی بعض کتابوں پر یہ رائے لکھی گئی تھی کہ اگر ہندوستان میں پھر کبھی غدر ہوگا تو ایسی تحریروں سے ہوگا۔ ایسی حالتوں میں بھی کہتے ہیں کہ **اسلام کا کیا بگڑا ہے**۔ اس قسم کی باتیں وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کو یا تو اسلام سے کوئی تعلق اور درد نہیں اور یا وہ لوگ جنہوں نے حجروں کی تاریکی میں پرورش پائی ہے اور اُن کو باہر کی دُنیا کی کچھ خبر نہیں ہے۔ پس ایسے لوگ اگر ہیں تو اُن کی کچھ پروا نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو نورِ قلب رکھتے ہیں جن کو اسلام کے ساتھ محبت اور تعلق ہے اور زمانہ کے حالات سے آشنا ہیں۔ اُن کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ وقت کسی **عظیم الشان مصلح** کا وقت ہے۔

+ + +

مامورِ الٰہی ہونے کی شہادتیں

غرض اس وقت میرے مامور ہونے پر بہت سی شہادتیں ہیں۔ اوّل۔ اندرونی شہادت، دوم۔ بیرونی شہادت۔

سوم۔ صدی کے سر پر آنے والے مجدد کی نسبت حدیث صحیح۔

چہارم۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ[1] کا وعدہ حفاظت۔

اب پانچویں اور زبردست شہادت میں اَور پیش کرتا ہوں۔ اور وہ سُورہ نور میں وعدہ استخلاف ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ وعدہ فرماتا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔[2] اس آیت میں وعدہُ استخلاف کے موافق جو خلیفے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ہوں گے وہ پہلے خلیفوں کی طرح ہوں گے۔ اسی طرح قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسےٰ فرمایا گیا ہے، جیسے فرمایا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[3]

اور آپ مثیلِ موسیٰ، استثناء کی پیشگوئی کے موافق بھی ہیں۔ پس اس مماثلت میں جیسے کَمَا کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ ویسے ہی سُورہ نور میں کَمَا کا لفظ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مشابہت اور مماثلت تامہ ہے۔ موسوی سلسلہ کے خلفا کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آکر ختم ہو گیا تھا۔ اور وہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے۔ اس مماثلت کے لحاظ سے کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ چودھویں صدی میں ایک خلیفہ اسی رنگ وقوت کا پیدا ہو جو مسیح سے مماثلت رکھتا ہو۔ اور اس کے قلب اور قدم پر ہو۔ پس اگر اللہ تعالےٰ اس امر کی اَور دوسری شہادتیں اور تائیدیں نہ بھی پیش کرتا تو یہ سلسلہ مماثلت بالطبع چاہتا تھا کہ چودھویں صدی میں عیسوی بروز آپ کی امت میں ہو۔ ورنہ آپ کی مماثلت میں معاذ اللہ ایک نقص اور ضعف ثابت ہوتا لیکن اللہ

[1] الحجر: ۱۰ [2] النور: ۵۶ [3] المزمل: ۱۶

تعالیٰ نے نہ صرف اس مماثلت کی تصدیق اور تائید فرمائی بلکہ یہ بھی ثابت کر دکھایا۔ کہ مثیلِ موسیٰ، موسیٰ سے اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل تر ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے اپنی کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ توریت کو پُورا کرنے آئے تھے۔ اسی طرح پر محمدی سلسلہ کا مسیح اپنی کوئی شریعت لے کر نہیں آیا۔ **بلکہ قرآن شریف کے احیاء کے لئے آیا ہے۔** اور اس تکمیل کے لئے آیا ہے جو **تکمیل اشاعت ہدایت** کہلاتی ہے۔

اتمامِ نعمت اور اکمالِ دین کی دو صورتیں

تکمیل اشاعت ہدایت کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جو اتمام نعمت اور اکمال الدین ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل، تکمیل ہدایت۔ دوسری تکمیل اشاعت ہدایت۔ تکمیل ہدایت من کل الوجوہ آپؐ کی آمد اول سے ہوئی اور تکمیلِ اشاعت ہدایت آپؐ کی آمد ثانی سے ہوئی۔ کیونکہ سُورہ جمعہ میں جو اٰخرین منھم[1] والی آیت آپؐ کے فیض اور تعلیم سے ایک اور قوم کے تیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی ایک بعثت اَور ہے اور یہ بعثت **بروزی رنگ** میں ہے جو اس وقت ہو رہی ہے۔ پس یہ وقت تکمیل اشاعت ہدایت کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشاعت کے تمام ذریعے اور سلسلے مکمل ہو رہے ہیں۔ چھاپہ خانوں کی کثرت اور آئے دن ان میں نئی باتوں کا پیدا ہونا، ڈاکخانوں، تار برقیوں، ریلوں، جہازوں کا اجرا اور اخبارات کی اشاعت، ان سب امور نے مل ملا کر دُنیا کو ایک شہر کے حکم میں کر دیا ہے۔ پس یہ ترقیاں بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ترقیاں ہیں۔ کیونکہ اس سے آپ کی کامل ہدایت کے کمال کا دوسرا جزو تکمیل اشاعتِ ہدایت پورا ہو رہا ہے۔

مسیح موسوی اور مسیح محمدی میں مماثلت

اور یہ اسی کے موافق ہے جیسے مسیحؑ نے کہا تھا کہ میں توریت کو پُورا کرنے آیا ہوں۔

[1] الجمعہ : ۴

اور میں کہتا ہوں کہ میرا ایک کام یہ بھی ہے تکمیل اشاعتِ ہدایت کروں۔ غرض یہ عیسوی مماثلت بھی ہے۔

علاوہ بریں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں جو آفتیں پیدا ہو گئی تھیں اُسی قسم کی یہاں بھی موجود ہیں۔ اندرونی طور پر یہودیوں کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ اور تاریخ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ توریت کے احکام اُنہوں نے چھوڑ دیئے تھے اور اس کی بجائے طالمود اور بزرگوں کی روایتوں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں بھی ایسی ہی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اُس کی بجائے روائتوں اور قصوں پر زور مارا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سلطنت کے لحاظ سے بھی ایک مماثلت ہے۔ اُس وقت رُومی گورنمنٹ تھی اور اس وقت برٹش گورنمنٹ ہے جس کے عدل و انصاف کا عام شہرہ ہے۔ اور یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ بھی چودھویں صدی میں آئے تھے اور اِس وقت بھی چودھویں صدی ہے۔

اِن سب کے علاوہ ایک اَور امر بھی ہے جو مماثلت کو مکمل کرتا ہے اور وُہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اخلاقی تعلیم پر زور دیتے تھے اور موسوی جہادوں کی اصلاح کرنے آئے تھے۔ اُنہوں نے کوئی تلوار نہیں اُٹھائی۔ مسیح موعود کے لئے بھی یہی مقرر تھا۔ کہ وہ اسلام کی خُوبیوں کو تعلیم کی عملی سچائیوں سے قائم کرے اور اس اعتراض کو دُور کرے جو اسلام پر اسی رنگ میں کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے۔ یہ اعتراض مسیح موعود کے وقت میں بالکل اُٹھا دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام کے زندہ برکات اور فیوض سے اُس کی سچائی کو دُنیا پر ظاہر کرے گا اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ جیسے آج اس ترقی کے زمانہ میں بھی اسلام محض اپنی پاک تعلیم اور اس کے برکات اور ثمرات کے لحاظ سے مؤثر اور مفید ہے۔ ایسا ہی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مفید اور مؤثر پایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ زندہ مذہب ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آنے والے

مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا یضع الحرب وہ لڑائیوں کو اُٹھا دے گا۔ اب ان ساری شہادتوں کو جمع کرو اور بتاؤ کہ کیا اس وقت ضرورت نہیں۔ کہ کوئی آسمانی مرد نازل ہو جب یہ مان لیا گیا کہ صدی پر مجدد آنا ضروری ہے تو اس صدی پر مجدد تو ضرور ہوگا۔ پھر جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت موسیٰ علیہ السلام سے ہے تو اس مماثلت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اس صدی کا مجدد مسیح ہو کیونکہ مسیح چودھویں صدی پر موسیٰ کے بعد آیا تھا اور آج کل چودھویں صدی ہے۔

چودہ کے عدد کو رُوحانی تغیر سے مناسبت

چودہ کے عدد کو بڑی مناسبت ہے چودھویں صدی کا چاند مکمل ہوتا ہے۔ اسی کیطرف اللہ تعالیٰ نے ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلّة[1] میں اشارہ کیا ہے۔ یعنی ایک بدر تو وہ تھا جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفوں پر فتح پائی۔ اس وقت بھی آپؐ کی جماعت قلیل تھی اور ایک بدر یہ ہے۔ بدر میں چودھویں صدی کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت بھی اسلام کی حالت اذلّہ کی ہو رہی ہے۔ سو ان سارے وعدوں کے موافق اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔

آنیوالے موعود کی ایک علامت اور انگریزی حکومت

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنے والے موعود کے وقت دُنیا ظلم اور زور سے بھری ہوئی ہوگی۔ ظلم اور زور سے یہ مُراد نہیں کہ اس وقت حکومت ظالم ہوگی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ آنے والے مسیح کے وقت میں ضروری ہے کہ سلطنت عادل ہو اور امن ہو۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی عادل اور امن دوست گورنمنٹ اُس نے عطا کی ہے جس کی نظیر آج دنیا کی کسی سلطنت میں نہیں ملتی ہے۔ جیسے مسیحؑ کے زمانہ میں رُومی گورنمنٹ جو اپنے عدل و انصاف کے لئے مشہور تھی۔ مگر ہماری گورنمنٹ رُومی گورنمنٹ سے بدرجہا بہتر اور بڑھ چڑھ کر عادل ہے۔ یہانتک کہ اس مقدمہ میں جو

[1] آل عمران: ۱۲۴

جو پادری ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے مجھ پر ہوا تھا۔ کپتان ڈگلس نے جو ان دنوں گورداسپور کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ باوجودیکہ بعض کوتاہ اندیشوں کا یہ خیال تھا۔ ... ... کہ ایک معزز پادری کی طرف سے مقدمہ ہے۔ لیکن اُس انصاف پسند حاکم نے اصلیت کو نکال لیا اور معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ بعض ادنےٰ درجہ کے آدمیوں کی چالاکی کا نتیجہ تھا۔ کپتان ڈگلس جو آج کل دہلی میں ڈپٹی کمشنر ہیں۔ ہمیشہ تک اس عدیم المثل انصاف کے باعث مشہور رہیں گے اور یہ تو گورنمنٹ کے ایک عہدہ دار کی مثال ہے اور ایسی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں۔ غرض احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ موعود آئے گا تو دنیا ظُلم اور زُور سے بھری ہوئی ہوگی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اس وقت دنیا میں شرک اور زُور کا بہت زور ہوگا۔ چنانچہ اس وقت دیکھ لو کہ کیسی بُت پرستی۔ صلیب پرستی۔ مُردہ پرستی اور قسم قسم کی پرستش ہو رہی ہے اور حقیقی اور سچے خدا کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ [1]

غور کرو اور سوچو

اب ان تمام امور کو یکجا کر کے دانشمند غور کرے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں۔ کیا وُہ اس قابل ہے کہ سرسری نگاہ سے اُسے رَدّ کر دیا جائے؟ یا یہ کہ اس پر پورے غور اور فِکر سے کام لیا جاوے۔ جو کچھ ہمارا دعوٰے ہے کیا یہ صدی کے سر پر ہے یا نہیں؟ اگر ہم نہ آتے تب بھی ہر ایک عقلمند اور خدا ترس کو لازم تھا کہ وہ کسی آنے والے کی تلاش کرتا۔ کیونکہ صدی کا سر آ گیا تھا اور اب تو جبکہ بیس برس گذرنے کو ہیں اور بھی زیادہ فکر کی ضرورت تھی۔ موجودہ فساد اپنی جگہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ کہ کوئی شخص اس کی اصلاح کے لئے آنا چاہیئے۔ عیسائیت نے وہ آزادی اور بے قیدی پھیلائی ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور مسلمانوں کے بچوں پر جو اس کا اثر ہوا ہے۔ اُسے

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء

دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے بچے ہی نہیں ہیں۔

کاسر الصلیب مسیح موعود کا دوسرا نام ہے

ساری باتوں کو چھوڑ دو۔ اس صلیبی فتنہ ہی کی اصلاح کے لئے جو شخص آئے گا۔ اُس کا نام کیا رکھا جائے گا؟ یہ فتنہ بالطبع اپنی اصلاح کرنے والے کا نام کاسر الصلیب رکھتا ہے۔ اور یہ مسیح موعود کا دوسرا نام ہے۔ قرآن اور حدیث نے مختلف طریقوں پر اس مضمون کو ادا کیا ہے اور آنے والے موعود کی بشارت دی ہے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کیونکہ جب انسان ناقص طور پر سمجھتا ہے گویا کچھ نہیں سمجھتا۔ لیکن جب کامل غور اور فکر کے بعد ایک بات کو سمجھ لیتا ہے پھر مشکل ہوتا ہے کہ کوئی اسے گمراہ کر سکے۔ اس لئے میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اس سوال کو حل کرنے کی خوب فکر کریں - یہ معمولی اور چھوٹی سی بات نہ سمجھیں بلکہ یہ ایمان کا معاملہ ہے جنت اور دوزخ کا سوال ہے

مسیح موعود کی تکذیب اور انکار کا نتیجہ

میرا انکار میرا انکار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔ کیونکہ جو میری تکذیب کرتا ہے وہ میری تکذیب سے پہلے معاذاللہ اللہ تعالےٰ کو جھوٹا ٹھہرا لیتا ہے جبکہ وُہ دیکھتا ہے کہ اندرُونی اور بیرُونی فساد حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ نے باوجود وعدہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[1] کے ان کی اصلاح کا کوئی انتظام نہ کیا جب کہ وہ اس امر پر بظاہر ایمان لاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے آیت استخلاف میں وعدہ کیا تھا کہ مُوسوی سلسلہ کی طرح اس محمدی سلسلہ میں بھی خلفاء کا سلسلہ قائم کرے گا۔ مگر اُس نے معاذاللہ اس وعدہ کو پُورا نہیں کیا اور اس وقت کوئی خلیفہ اس امت میں نہیں اور نہ صرف یہانتک ہی بلکہ اس بات سے بھی انکار کرنا پڑے گا کہ قرآن شریف نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے معاذاللہ۔ کیونکہ اس سلسلہ کی اتم مشابہت اور مماثلت کے

[1] الحجر: ۱۰

لئے ضروری تھا کہ اس چودھویں صدی پر اسی امت میں سے ایک مسیح پیدا ہوتا اسیطرح پر جیسے موسوی سلسلہ میں چودھویں صدی پر ایک مسیح آیا۔ اور اسی طرح پر قرآن شریف کی اس آیت کو بھی جھٹلانا پڑے گا جو اٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم[1] میں ایک آنیوالے احمدی بروز کی خبر دیتی ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کی بہت سی آیتیں ہیں جن کی تکذیب لازم آئے گی بلکہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ الحمد سے لے کر والنّاس تک سارا قرآن چھوڑنا پڑے گا۔ پھر سوچو کہ کیا میری تکذیب کوئی آسان امر ہے۔ یہ میں از خود نہیں کہتا۔ **خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھے چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا وہ زبان سے نہ کرے مگر اپنے عمل سے اُس نے سارے قرآن کی تکذیب کر دی اور خدا کو چھوڑ دیا۔**

اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ بیشک میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے اور میرے اقرار سے خدا تعالےٰ کی تصدیق ہوتی اور اُس کی ہستی پر قوی ایمان پیدا ہوتا ہے اور پھر میری تکذیب میری تکذیب نہیں یہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ اب کوئی اس سے پہلے کہ میری تکذیب اور انکار کے لئے جرأت کرے، ذرا اپنے دل میں سوچے اور اُس سے فتویٰ طلب کرے کہ وہ کس کی تکذیب کرتا ہے۔

تکذیب مسیح موعود سے آنحضرتؐ کی تکذیب لازم آنے کی وجہ

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کیوں تکذیب ہوتی ہے؟ اس طرح پر کہ آپؐ نے جو وعدہ کیا تھا کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا وہ معاذاللہ جھوٹا نکلا۔ پھر آپؐ نے جو امامکم منکم فرمایا تھا، وہ بھی معاذاللہ غلط ہوا ہے۔ اور آپؐ نے جو صلیبی فتنہ کے وقت ایک مسیح و مہدی کے آنے کی بشارت دی تھی وہ بھی معاذاللہ غلط نکلی کیونکہ فتنہ تو موجود ہو گیا مگر وہ آنے والا امام نہ آیا۔ اب ان باتوں کو جب کوئی تسلیم کرے گا عملی طور

[1] الجمعہ : ۴

پر کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذّب ٹھہرے گا یا نہیں؟

پس پھر مَیں کھول کر کہتا ہوں کہ میری تکذیب آسان امر نہیں۔ مجھے کافر کہنے سے پہلے خود کافر بننا ہوگا۔ مجھے بے دین اور گمراہ کہنے میں دیر ہوگی۔ مگر پہلے اپنی گمراہی اور رُوسیاہی کو مان لینا پڑے گا۔ مجھے قرآن و حدیث کو چھوڑنے والا کہنے کے لئے پہلے خود قرآن اور حدیث کو چھوڑ دینا پڑے گا اور پھر بھی وہی چھوڑے گا۔ میں قرآنُ حدیث کا مصدّق و مصداق ہوں۔ میں گمراہ نہیں بلکہ مہدی ہوں۔ میں کافر نہیں بلکہ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْن کا مصداق صحیح ہوں اور جو کچھ میں کہتا ہوں خدا نے مجھ پر ظاہر کیا کہ یہ سچ ہے۔ جس کو خدا پر یقین ہے جو قرآن اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حق مانتا ہے۔ اس کے لئے یہی حجّت کافی ہے کہ میرے مُنہ سے سُنکر خاموش ہو جائے۔ لیکن جو دلیر اور بے باک ہے اس کا کیا علاج۔ خدا خود اُس کو سمجھائے گا۔ اس لئے مَیں چاہتا ہوں۔ کہ آپ خدا کے واسطے اس امر پر غور کریں اور اپنے دوستوں کو بھی وصیت کریں کہ وہ میرے معاملہ میں جلدی سے کام نہ لیں۔ بلکہ نیک نیتی اور خالی الذہن ہو کر سوچیں۔

دُعا کے ذریعے حق معلوم کرنے کیلئے تحریک

اور پھر خدا تعالےٰ سے اپنی نمازوں میں دعائیں مانگیں کہ وہ اُن پر حق کھول دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر انسان تعصب اور ضد سے پاک ہو کر حق کے اظہار کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف توجہ کرے گا تو ایک چلّہ نہ گذرے گا کہ اس پر حق کُھل جائے گا۔ مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان شرائط کے ساتھ خدا تعالےٰ سے فیصلہ چاہتے ہیں اور اس طرح پر اپنی کم سمجھی یا ضد و تعصب کی وجہ سے خدا کے ولی کا انکار کر کے ایمان سلب کرا لیتے ہیں۔ کیونکہ جب ولی پر ایمان نہ رہے تو ولی جو نبوت کے لئے بطور میخ کے ہے۔ اُسے پھر نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اور نبی کے انکار سے خدا کا انکار ہوتا ہے۔ اور اس طرح پر بالکل ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

مردِ آسمانی کی ضرورت

اس وقت ضروری ہے کہ خوب غور کرکے دیکھا جاوے کہ کیا عیسائی فتنہ نہیں ہے جو مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ[1] کا مصداق ہوکر لاکھوں انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور مختلف طریق اس نے اپنی اشاعت کے رکھے ہیں۔ اب وقت ہے کہ اس سوال کا جواب دیا جاوے کہ اس فتنہ کی اصلاح کرنیوالے کا نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا رکھا ہے؟ صلیب کا زور تو دن بدن بڑھ رہا ہے اور ہر جگہ اس کی چھاؤنیاں قائم ہوتی جاتی ہیں۔ مختلف مشن قائم ہو کر دُور دراز ملکوں اور اقطاعِ عالم میں پھیلتے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر اَور کوئی بھی ثبوت اور دلیل نہ ہوتی تب بھی طبعی طور پر ہم کو ماننا پڑتا کہ اس وقت ایک مُصلح کی ضرورت ہے جو اس فساد کی آگ کو بجھائے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو صرف ضروریات محسوسہ مشہودہ تک ہی نہیں رکھا بلکہ اپنے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و عزت کے اظہار کے لئے بہت سی پیشگوئیاں پہلے سے اس وقت کے لئے مقرر رکھی ہوئی ہیں۔ جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس وقت ایک آنے والا مَرد ہے اور اس کا نام **مسیح موعود** اور اس کا کام کسرِ صلیب ہے۔ اب اس ترتیب کے ساتھ ہر ایک سلیم الفطرت کو اتنا تو ماننا پڑیگا۔ کہ بجز اس تسلیم کے چارہ نہیں کہ کوئی مردِ آسمانی آوے اور اس کا کام اس وقت کسرِ صلیب ہی ہونا چاہیئے۔

کسرِ صلیب سے مُراد

لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کسرِ صلیب مسیح موعود کا کام ہوگا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا وہ لکڑی کی صلیب کو توڑے گا؟ اور اس سے فائدہ کیا ہوگا؟ صاف ظاہر ہے کہ لکڑی کی صلیب کو اگر توڑتا پھرے گا تو یہ کوئی عظیم الشان کام نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی معتد بہ فائدہ ہوسکتا ہے۔ اگر وہ لکڑی کی صلیب کو توڑے گا۔ تو اس کی بجائے سونے چاندی اور دھاتوں کی صلیبیں عیسائی بنالیں گے اور اس سے کیا نقصان ہوا۔ اور پھر حضرت

[1] الانبیاء: ۹۷

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور یزید اور صلاح الدین نے بہت سی صلیبیں توڑیں تو کیا وہ اس ایک امر سے مسیح موعود بن گئے ؟ نہیں ، ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس سے یہ مُراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ لکڑی کی صلیب جو بعض عیسائیوں نے لٹکائی ہوئی ہے مسیحِ موعود توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اس کے اندر ایک حقیقت ہے۔ اور اس حقیقت کی تائید میں حدیث کا ایک اور لفظ یضع الحرب آیا ہے یعنی مسیح موعود لڑائیوں کو اُٹھا دے گا۔ اب ہمیں کوئی سمجھا دے کہ ایک طرف تو مسیح موعود کا یہ کام ہے کہ وہ لڑائی کے سلسلہ کو یکدفعہ اُٹھا دے اور دین کے لئے لڑائی کا نام لینا حرام سمجھا جاوے۔ اور دوسری طرف یہ بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ زمانہ امن کا زمانہ ہوگا اور سلطنت عادل سلطنت ہوگی۔ جس سے اَور بھی تقویت ہوتی ہے اس منشار کی کہ اس وقت لڑائیاں حرام ہوں گی۔ اچھا ، لڑائیاں ہوں گی نہیں اور صلیب توڑنا مسیح موعود کا کام ہے۔ پھر سوچ کر دیکھو کہ ہمارے اس دعوے کی تائید صاف طور پر ہوتی ہے یا نہیں کہ صلیب توڑنے سے یہ لکڑی یا پیتل وغیرہ کی صلیبیں (جو عیسائی شرک کے طور پر گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں) توڑنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ وہی ہے جو ہم لے کر آئے ہیں۔ ہم نے صاف طور پر اعلان کیا ہے کہ اس وقت جہاد حرام ہے کیونکہ جیسے مسیح موعود کا وہ کام ہے یضع الحرب بھی اس کا کام ہے۔ اس کام کی رعایت سے ہم کو ضروری تھا کہ جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر کریں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اس وقت دین کے نام سے تلوار یا ہتھیار اُٹھانا حرام اور سخت گناہ ہے۔ ہم کو ان وحشی سرحدیوں پر افسوس آتا ہے کہ وہ آئے دن جہاد کے نام سے بعض وار داتیں کرکے جو دراصل اپنا پیٹ پالنے کے لئے کرتے ہیں۔ اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ اور امن میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ ایک سچے مسلمان کو ان وحشیوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہیئے۔ تو پھر یکسر الصلیب کے کیا معنی ہیں ؟ توجہ سے سُننا چاہیئے کہ مسیح موعود کی

بعثت کا وقت غلبہ صلیب کے وقت ٹھہرایا گیا ہے اور وہ صلیب کو توڑنے کے لئے آئے گا۔ اب مطلب صاف ہے کہ مسیح موعود کی آمد کی غرض عیسوی دین کا ابطال کلی ہوگا۔ اور وہ حجت اور براہین کے ساتھ جن کو آسمانی تائیدات اور خوارق اور بھی قوی کر دیں گے اور صلیب پرستی کے مذہب کو باطل کر کے دکھا دے گا۔ اور اس کا باطل ہونا دنیا پر روشن ہو جائے گا اور لاکھوں روحیں اعتراف کریں گی کہ فی الحقیقت عیسائی دین انسان کے لئے رحمت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری ساری توجہ اس صلیب کی طرف لگی ہوئی ہے۔ صلیب کی شکست میں کیا کوئی کسر باقی ہے؟ موت مسیح کے مسئلہ نے ہی صلیب کو پاش پاش کر دیا ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسیح صلیب پر مرا ہی نہیں بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے کشمیر میں آکر مرا۔ تو کوئی عقلمند ہمیں بتائے کہ اس سے صلیب کا باقی کیا رہتا ہے۔ اگر تعصب اور ضد نے بالکل ہی انسان کے دل کو تاریک اور اس کی عقل کو ناقابل فیصلہ نہ بنا دیا ہو تو ایک عیسائی کو بھی یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ اس مسئلہ سے عیسائی دین کا سارا تار و پود اُدھڑ جاتا ہے[1]

مسیح موعود کا ظہور غلبہ صلیب کے وقت مقدر تھا

غرض یہ بات بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ اس وقت بھیجے گا۔ جب صلیب کا غلبہ ہوگا۔ جس سے مراد یہ ہے کہ صلیبی دین کا فتنہ بڑھا ہوا ہوگا۔ اس کی اشاعت اور توسیع کے لئے ہر ایک قسم کے حیلوں کو کام میں لایا جائے گا اور دنیا میں وہ ظلم و زور جس کا دوسرے لفظوں میں شرک اور مُردہ پرستی نام ہو سکتا ہے، پھیلایا جاوے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھیجے گا اس کا کام یہی ہوگا کہ اس ظُلم و زُور سے دُنیا کو پاک کرے اور مُردہ پرستی اور صلیب پرستی کی لعنت سے دُنیا کو بچائے اس طرح پر وہ صلیب کو توڑے گا۔ بظاہر یہ تناقض معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاموں

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء

میں سے یضع الحرب بھی لکھا ہے کہ وہ لڑائیاں نہ کرے گا۔ اور صلیب کے توڑنے میں لڑائیوں کی ضرورت ہے۔ یہ تناقض سطحی خیال کے آدمیوں کو نظر آتا ہے۔ جنہوں نے مسیح موعود کی آمد اور بعثت کی غرض کو ہرگز نہیں سمجھا۔ حالانکہ یضع الحرب کا لفظ ہی کسرِ صلیب کی حقیقت کو بتاتا ہے کہ اس سے مُراد جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے، لکڑی یا دوسری چیزوں کی صلیبوں کو توڑنا نہیں بلکہ صلیبی ملّت کی شکست ہے اور ملّت کی شکست بیّنہ اور براہین سے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لیهلك من هلك عن بينةٍ[۱]

بہر حال ہمارے مخالف علماء جو مخالفت میں اس قدر غلو کرتے ہیں اگر ٹھنڈے دل سے اور خدا تعالےٰ کے حضور حاضر ہونے کا یقین رکھ کر ان باتوں کو سوچتے۔ تو یقیناً اُن کو اس کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ وہ میرے پیچھے ہو لیتے وہ دیکھتے کہ صدی کا سر آگیا۔ بلکہ اُس میں سے انیس[۱۹] سال گذرنے کو آگئے ہیں اور صدی پر مجدّد کا آنا ضروری ہے ورنہ اس سے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

نصارےٰ کا فتنہ اعظم الفتن ہے

اور جب وہ نصارٰی کے فتنہ پر نظر کرتے تو اُن کو نظر آتا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی آفت اور فتنہ اسلام کے لئے کبھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے ایسا خطرناک فتنہ کبھی نہیں اُٹھا۔ فلسفیانہ رنگ میں الگ، طبی رنگ میں الگ مذہب پر زد ہے۔ ہر شخص جو کسی فن میں کسی علم میں کوئی دسترس رکھتا ہے وہ اسی پہلو سے اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ مرد، عورتیں واعظ ہیں اور وہ مختلف تدابیر سے اسلام سے بیزاری پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ اور عیسائیت کی طرف لوگوں کو مائل کرتے ہیں۔ شفاخانوں میں جاؤ تو دیکھو گے کہ دوا کے ساتھ عیسوی دین کا وعظ ضرور کیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بعض عورتیں یا بچے شفاخانہ میں علاج کے لئے داخل ہوگئے ہیں اور پھر اُن کا پتہ اس وقت تک نہیں ملا۔ جب تک وہ عیسائی ظاہر نہیں کئے گئے۔ سادھوؤں کے رنگ میں وعظ کرتے ہیں۔ غرض کوئی

[۱] الانفال: ۴۳

طریقہ وسوسہ اندازی کا ایسا نہیں جو اس قوم نے اختیار نہ کیا ہو۔ اب اس فتنہ پر اُن کی نگاہ ہوتی۔ تو اُن کو ماننا پڑتا کہ اس فتنہ کی اصلاح و مدافعت کے لئے کوئی شخص خدا کی طرف سے ضرور آنا چاہیئے۔ قرآن شریف سے بے توجہی اور لاپرواہی پر نظر کرتے تو کہتے کہ اِنَّا لَہٗ لحافظون۔ کے وعدہ کے موافق ضرور کوئی محافظِ قرآن اس وقت آنا چاہیئے۔ اور پھر سلسلہ خلافتِ موسوی اور سلسلہ خلافتِ محمدی کی مشابہت پر نظر ہوتی تو ماننا پڑتا کہ اس وقت چودھویں صدی میں ایک خاتم الخلفاء ضرور آنا چاہیئے۔

اس طرح پر ایک نہیں بہت سی باتیں تھیں جو ان لوگوں کی ہدایت اور راہبری کا موجب بن سکتی تھیں مگر نفس پرستی کی وجہ سے تعصب اور ضد سے انہوں نے ان پر غور نہیں کیا۔ اور مخالفت اختیار کی۔ ان امور کا جو میں پیش کرتا ہوں وہی انکار کر سکتا ہے جو گھر سے باہر نہیں نکلتا اور حجروں ہی میں پرورش پاتا ہے۔ جو شخص کہتا ہے فتنہ نہیں ہوا تو میں اس کو متعصب ہی نہیں سمجھتا بلکہ وہ بے ادب اور گستاخ ہے جس کے دل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کا خیال نہیں ہے اور اس سے بے خبر محض ہے۔ مگر عقلمند اور دین سے واقف سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس فتنہ کو خفیف نہیں سمجھا اور حقیقت میں خفیف نہیں۔ میں بار بار اس امر پر اسی لئے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو اس امر پر اطلاع ملے۔ اُن کا ایک ایک پرچہ اگر دیکھا جاوے تو وہ ایک ایک لاکھ نکلتا ہے۔ وہ وسائل اشاعت اور تبلیغ کے جو اَب پیدا ہو گئے ہیں پہلے کہاں تھے؟ اس سے پہلے ردّ اسلام میں ایک رسالہ تو دکھاؤ۔ مگر اس صدی میں اگر ان رسالوں اور اخباروں اور کتابوں کو جو اسلام کے خلاف لکھے گئے ہیں، ایک جگہ جمع کرو تو ان کا اُونچا ڈھیر کئی میل تک چلا جاوے بلکہ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ یہ اُونچا ڈھیر دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی اُونچائی سے بھی بڑھ جاوے اور اگر ان کو برابر سطح پر رکھا جاوے تو کئی میل لمبی لائن ہو۔ اس وقت اسلام شہیدانِ کربلا کی طرح دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے اور اس پر بھی افسوس

ہے کہ مخالف کہتے ہیں کہ کسی شخص کی ضرورت نہیں۔ ہم مجادلہ کرنے والے سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ اور اس سے بحث کرنا بجز تضیع اوقات اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں جو طالب حق ہو وہ ہمارے پاس آئے اور یہاں رہے اور پھر ہر طرح اس کی تسلی اور اطمینان کو تیار ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ پائے نہیں جاتے بلکہ مخالف تو دو چار دس منٹ میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا مذہبی قمار بازی ہے۔ اس طرح پر حق کھُل نہیں سکتا۔ آپ خود سوچیں۔ کہ عیسائیت اسلام کو مغلوب کرنے کے واسطے کس قدر زور لگا رہی ہے کلکتہ کے بشپ نے لندن جا کر جو تقریر کی ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی آدمی گورنمنٹ انگلشیہ کا سچا خیر خواہ اور وفادار نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ عیسائی نہ ہو۔ ایسی تقریروں اور بحثوں سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عیسائی بنانے کے لئے کس قدر کوشش یہ لوگ کرنی چاہتے ہیں اور اُن کی نیت میں کیا ہے؟ وہ صاف چاہتے ہیں۔ کہ کوئی مسلمان نہ رہ جاوے۔ عیسائی مشنریوں نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ جس قدر اسلام اُن کی راہ میں روک ہے اور کوئی مذہب اُن کی راہ میں روک نہیں ہے۔ مگر یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے غیور ہے۔ اس نے سچ فرمایا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ[1]۔ اس نے اس وعدہ کے موافق اپنے ذکر کی محافظت فرمائی اور مجھے مبعوث کیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے موافق کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے۔ اس نے مجھے صدی چہاردہم کا مجدد کیا جس کا نام کاسر الصلیب بھی رکھا ہے۔ اگر ہم اس دعوے میں غلطی پر ہیں تو پھر سارا کاروبار نبوت کا ہی باطل ہو گا۔ اور سب وعدے جھوٹے ٹھہریں گے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہو گی کہ خدا تعالیٰ بھی جھوٹوں کی حمایت کرنے والا ثابت ہو گا۔ (معاذ اللہ) کیونکہ ہم اس سے تائیدیں پاتے ہیں اور اس کی نصرتیں ہمارے ساتھ ہیں۔

نزولِ مسیح اور دجّال سے متعلق عام خیالات

اب ایک شخص کو بطور وسوسہ کے یہ اعتراض گذرتا ہے کہ مسیح آسمان سے اُترے گا اور

[1] الحجر: ۱۰

اس کے ہاتھ میں ایک حربہ ہوگا اور وہ دجّال کو جس کے ہاتھ میں خدائی کی ساری قوتیں ہوں گی اور روٹیوں کا پہاڑ اس کے ساتھ ہوگا۔ وہ قتل کرے گا۔ اور آسمان سے تو یونہی اُتر آئے گا مگر دمشق کے منارہ پر آکر سیڑھی کے بغیر نہ اُترے گا۔ اور دجّال مُردوں کو زندہ کرے گا وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جو نزول المسیح کے متعلق ان لوگوں نے بنا رکھی ہیں اور دجّال کے لئے کہتے ہیں کہ وہ کانا ہوگا۔ مگر دجّال اس کے لئے یہ نہیں کہہ سکے گا کہ وہ اس لئے کانا ہے کہ وحدہٗ لاشریک ہے اور سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اب ان باتوں پر اگر دانشمند غور کرے تو خود اس کو ہنسی آئے گی کہ کیا کہتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ خیالی امور نہیں بلکہ یقینی باتیں ہیں جن کے ساتھ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ ہیں اور تائیدات الٰہیہ بھی ہیں۔ جو آج نہیں سمجھتا وہ آخر سمجھے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نُور کو کوئی بُجھا نہیں سکتا۔

قرآن وحدیث میں استعارات کا استعمال

یاد رکھو۔ الفاظ کے معنے کرنے میں بڑی غلطی کھاتے ہیں۔ بعض وقت الفاظ ظاہر پر آتے ہیں اور بعض اوقات استعارہ کے طور پر آتے ہیں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی بی بی فوت ہوں گی۔ اور آپؐ کے سامنے ساری بیبیوں نے باہم ہاتھ ناپنے بھی شروع کر دیئے اور آپؐ نے منع بھی نہ فرمایا۔ لیکن جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ تو اُس کے معنے کھُلے کہ لمبے ہاتھوں والی سے مُراد اس بی بی سے تھی جو سب سے زیادہ سخی تھی۔ ایسا ہی اللہ تعالےٰ کے کلام میں ایسی آیتیں موجود ہیں جن کے اگر ظاہر معنے کئے جائیں تو کچھ بھی مطلب نہیں نکل سکتا۔ جیسے فرمایا من کان فی ھٰذہ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی[1]۔ اب آپ وزیر آباد میں ہی حافظ عبدالمنان سے جو اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے، دریافت کریں کہ کیا اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اُٹھایا جائے گا؟

[1] بنی اسرائیل : ۷۳

یا ظاہر پر اس سے مُراد نہیں لی جاتی، کچھ اَور مطلب ہے۔ یقیناً اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ بیشک اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر اندھا اور نابینا قیامت کو بھی اندھا اور نابینا اُٹھے بلکہ اس سے مراد معرفت اور بصیرت کی نابینائی ہے۔

جب یہ ثابت ہے کہ الفاظ میں استعارات بھی ہوتے ہیں اور خصوصاً پیشگوئیوں میں۔ تو پھر مسیح کے نزول کے متعلق جو پیشگوئیوں میں الفاظ آئے ہیں، اُن کو بالکل ظاہر ہی پر حمل کر لینا کونسی دانشمندی ہے؟ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں ظاہر پرستی سے کام لیتے ہیں اور ظن سے کام لیتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ اِنّ الظن لا یغنی من الحق شیئًا[1] اور بعض الظّن اثمٌ[2]۔ پس اگر بدظنی سے کام لیتے ہیں اور ظاہر معنوں ہی پر حمل کرتے ہیں تو پھر نابینوں کو تو نجات سے جواب ہو گا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیوں ناحق ایک ایسی بات پر زور دیتے ہیں جس کے لئے اُن کے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا تعالےٰ کی کتابوں کی زبان سے محض ناواقف ہیں۔ اگر واقف ہوتے تو سمجھتے کہ پیشگوئیوں میں کس قدر استعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں تو اس سے مراد جھوٹے نبی تھے اور جب آپؐ کو گائیوں کا ذبح ہونا دکھایا گیا تو اس سے مراد صحابہؓ کی شہادت تھی۔ اور یہ کوئی خاص بات نہیں۔ عام طور پر قانونِ الٰہی رؤیا اور پیشگوئیوں کے متعلق اس قسم کا ہے۔ دیکھو حضرت یوسفؑ کی رؤیا جو قرآن شریف میں ہے کیا اس سے سورج اور چاند اور ستارے مراد تھے یا عزیزِ مصر کی رؤیا جس میں گائیاں دکھائی گئی تھیں اس سے فی الواقعہ گائیں مراد تھیں یا کچھ اور؟ اس قسم کی ایک دو نہیں ہزاروں ہزار شہادتیں ملتی ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ نزول المسیح کے معاملہ میں یہ لوگ ان کو بھول جاتے ہیں اور ظاہر الفاظ پر زور دینے لگتے ہیں۔ ان معاملات میں اختلاف کی جڑ دو ہی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ مجاز اور استعارہ کو چھوڑ کر اس کو ظاہر پر حمل کر لیا جائے اور جہاں ظاہر مراد ہے وہاں استعارہ قرار دیا جائے۔ اگر

[1] النجم: ۲۹ [2] الحجرات: ۱۳

پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ نہیں ہے تو پھر کسی نبی کی نبوت کا ثبوت بہت مشکل ہو جاوے گا۔

نزولِ ایلیاء کی مثال

یہودیوں کو یہی مشکل اور آفت تو پیش آئی کیونکہ حضرت مسیح کے لئے لکھا تھا کہ اُس کے آنے سے پہلے ایلیاء آئے گا۔ چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی بڑی صراحت سے درج ہے۔ یہودی اس پیشگوئی کے موافق منتظر تھے۔ کہ ایلیاء آسمان سے آوے لیکن جب مسیح آگیا اور ایلیاء آسمان سے نہ اُترا تو وہ گھبرائے۔ ※

اور یہ ابتلا اُن کو پیش آگیا کہ ایلیا کا آسمان سے آنا مسیح کے آنے سے پہلے ضروری ہے اب انصاف شرط ہے۔ اگر یہ فیصلہ کسی جج کے سامنے پیش ہو تو وہ بھی یہودیوں ہی کے حق میں ڈگری دے گا کیونکہ یہ صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ ایلیاء آئے گا اور اس سے پہلے کوئی نظیر اس قسم کے بروز کی اُن میں موجود نہ تھی جو مسیح نے یوحنا کو ایلیاء بنایا۔ اب اگرچہ ہم ان کتابوں کی بابت تو یہی کہتے ہیں کہ لا تصدقوا ولا تکذبوا۔ لیکن یہ بھی ساتھ ہی ضروری بات ہے کہ قرآن شریف میں یہ آیا ہے۔ فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون[1]۔

علاوہ بریں اس قصہ ایلیاء کی قرآن شریف نے کہیں تکذیب اور تردید نہیں کی اور یہودی اور عیسائی دونو قومیں بالاتفاق اس کو صحیح مانتی ہیں۔ اگر یہ قصہ صحیح نہ ہوتا۔ تو عیسائیوں کا حق تھا کہ وہ بول پڑتے اور اس کی تکذیب کرتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر اس قصہ کو غلط کہا جائے تو عیسائیوں کے لئے مشکلات سے نجات اور مخلصی ہے۔ جو اس کو صحیح مان کر ان کو پیش آتی ہیں لیکن جبکہ انہوں نے تکذیب نہیں کی اور اس کو صحیح تسلیم کر لیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ہم بلا وجہ تکذیب پر آمادہ ہوں حق یہی

※ الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء

[1] النحل: ۴۴

ہے کہ یہودیوں میں یہ خبر صحیح موجود تھی کہ مسیحؑ کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا۔ اور اسی لئے جب مسیحؑ آگیا تو وہ مشکلات میں پڑے اور انہوں نے مسیحؑ سے ایلیا کے متعلق سوال کیا اور مسیحؑ نے یُوحنا کی صورت میں اس کے آنے کو تسلیم کر لیا۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ ہوتی تو سب سے پہلے مسیحؑ کا یہ حق تھا۔ کہ وہ بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ آنے والا ایلیا ر یُوحنا ہی ہے، یُوں جواب دیتے۔ کہ کوئی ایلیا ر آنے والا نہیں ہے مسیحؑ نے اگر اس کو صحیح تسلیم نہ کیا ہوتا تو وہ یوحنا کی شکل میں ایلیا کو نہ اُتارتے۔ یہ چھوٹی اور معمولی سی بات نہیں۔ مسیحؑ کا یہودیوں کے اس اعتراض کو مان کر اس کا جواب دینا بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ بجائے خود اس امر کو صحیح اور یقینی سمجھتے تھے۔ یہودیوں کا یہ عذر بہر حال قابل پذیرائی تھا اور مسیحؑ نے اس کو قبول کر کے یہی جواب دیا کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔ اب اگر استعارات کچھ چیز نہیں اور خدا تعالےٰ کی پیشگوئیوں میں یہ جزو اعظم نہیں ہوتے تو پھر جیسے یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کی اس تاویل کو تسلیم نہیں کیا، یہ بھی انکار کریں کہ وہ فیصلہ صحیح نہیں تھا کیونکہ یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ایلیا والے قصہ کی مسلمان تکذیب تو کر نہیں سکتے کیونکہ قرآن شریف نے کہیں اس کی تکذیب نہیں کی اور تکذیب کے اوّل حقدار تو حضرت مسیحؑ اور اُن کے متبعین ہو سکتے ہیں۔ جبکہ یہ بات ہے کہ استعارات کوئی چیز نہیں اور ہر پیشگوئی لازماً اپنے ظاہری الفاظ ہی پر پُوری ہوتی ہے۔ تو پھر اُن کو گویا ماننا پڑے گا۔ یہودیوں کی طرح کہ مسیحؑ ابھی نہیں آئے - اور جب مسیحؑ کے آنے کا بھی انکار ہی ہوا تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی انکار کرنا پڑا اور اس طرح پر اسلام ہاتھ سے جاتا ہے۔ اسی لئے میں بار بار اس امر پر زور دیتا ہوں کہ میری تکذیب سے اسلام کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اس صورت میں عقلمند سوچ سکتا ہے کہ ایلیاء کے دوبارہ آنے کے قصہ کے

رنگ میں مسیح کی آمد ثانی ہے اور ان کا فیصلہ گویا چیف کورٹ کا فیصلہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ نامراد رہتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ نے خود آنا تھا تو صاف لکھ دیتے۔ کہ میں خود ہی آؤں گا۔ یہودی بھی تو اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ایلیا کا مثیل آنا تھا تو کیوں خدا نے یہ نہ کہا کہ ایلیا کا مثیل آئے گا۔ غرض جس قدر یہ مقدمہ ایلیا کا ہے۔ اس پر اگر ایک دانشمند صفائی اور تقویٰ سے غور کرے تو صاف سمجھ آجاتا ہے کہ کسی کے دوبارہ آنے سے کیا مراد ہوتی ہے اور وہ کس رنگ میں آیا کرتا ہے۔ دو شخص بحث کرتے ہیں ایک نظیر پیش کرتا ہے اور دوسرا کوئی نظیر پیش نہیں کرتا تو بتاؤ کس کا حق ہے کہ اس کی بات مان لی جاوے؟ یہی کہنا پڑے گا کہ ماننے کے قابل اسی کی بات ہے جو دلائل کے علاوہ اپنی بات کے ثبوت میں نظیر بھی پیش کرتا ہے۔ اب ہم تو ایلیا کا فیصلہ شدہ مقدمہ جو خود مسیحؑ نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔ یہ اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو دو چار ایسے شخصوں کا نام لے دیں جن کی آسمان سے اُترنے کی نظیریں موجود ہیں۔ سچ کے حق میں کوئی نہ کوئی نظیر ضرور ہوتی ہے۔ اس مقدمہ میں تنقیح طلب امر یہی ہے کہ جب کسی کے دوبارہ آنے کا وعدہ ہو تو کیا اس سے اس شخص کا پھر آنا مراد ہوتا ہے یا اس کا مفہوم کچھ اَور ہوتا ہے اور اس کی آمد ثانی سے یہ مُراد ہوتی ہے کہ کوئی اُس کا مثیل آئے گا۔ اگر اس تنقیح طلب امر میں اُن کا دعوےٰ سچا ہے کہ وہ شخص خود ہی آتا ہے تو پھر حضرت عیسیٰ پر جو الزام عائد ہوتا ہے اُسے دُور کر کے دکھائیں۔ اوّل یہ اُن کا فیصلہ فراستِ صحیحہ سے نہیں ہوا۔ اور دوسرے معاذاللہ وہ جھوٹے نبی ہیں۔ کیونکہ ایلیا تو آسمان سے آیا ہی نہیں وہ کہاں سے آگئے؟ اس صورت میں فیصلہ یہودیوں کے حق میں صادر ہوگا۔ اس کا جواب ہمارے مخالف مسلمان ہم کو ذرا دے کر تو دکھائیں۔ لیکن یہ ساری مصیبت اُن پر اس ایک امر سے آتی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم استعارہ نہیں مانتے اصل بات یہی ہے اور وُہی فیصلہ حق ہے جو مسیحؑ نے دیا ہے کہ ایلیا کے آنے سے

مراد یہ تھی کہ اُس کی خُو اور طبیعت پر اس کا مثیل آئے گا۔ اس کے خلاف ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ مشرق یا مغرب میں پھرو اور اس کی نظیر لاؤ کہ دوبارہ آنے والا خود ہی آیا کرتا ہے۔ اس اعتقاد کو دل میں جگہ دو گے تو نتیجہ وہی ہوگا۔ کہ اسلام ہاتھ سے جائے گا۔ مسیح کو یہودیوں نے اسی وجہ سے جھوٹا قرار دیا۔ کیا ہمارے مخالف مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ اس کو جھوٹا قرار دیں ؟ پھر ایک اور اعتراض اسی قصہ کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مسیح مُردوں کو زندہ کرتے تھے یا وہ قدرتیں اور طاقتیں اُن میں موجود تھیں جو اُن کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ انہوں نے ایلیا کو زندہ نہ کرلیا یا آسمان سے بہ اختیار خود نہ اُتار لیا۔

میرے مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے میرے مخالفوں کو ضرور ہے کہ وہ اس قضیہ کو صاف کریں جو مسیح کو پیش آیا اور جس کا فیصلہ انھوں نے میرے حق میں کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ بہت سی باتیں پیشگوئیوں کے طور پر نبیوں کی معرفت لوگوں کو پہنچتی ہیں۔ اور جب تک وہ اپنے وقت پر ظاہر نہ ہوں۔ ان کی بابت کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ لیکن جب ان کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقت کُھلتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پیشگوئی کا یہ مفہوم اور منشا تھا۔ اور جو شخص اس کا مصداق ہو یا جس کے حق میں ہو اس کو اس کا علم دیا جاتا ہے جیسے فقیہ اور فریسی برابر ایلیا کے دوبارہ آنے کا قصہ پڑھتے رہتے تھے اور وہ نہایت شوق کے ساتھ اس کا انتظار کرتے رہے لیکن اس کی حقیقت اور اصلیت کا علم اُن کو اس وقت عطا نہ ہوا جب تک کہ خود آنے والا مسیح جس کے آنے کا وہ نشان تھا، نہ آگیا۔ پس یہ علم مسیح کو ملا اور اُس نے آکر فیصلہ کیا کہ ایلیا کی آمد سے یہ مُراد ہے۔

اسی طرح پر حضرت یعقوب علیہ السّلام حضرت یُوسف علیہ السّلام کے فراق میں چالیس سال تک روتے رہے۔ آخر جاکر آپ کو خبر ملی تو کہا۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ[1] ورنہ اس سے پہلے آپ کا یہ حال ہوا کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ[2] تک نوبت پہنچی۔ اسی کے متعلق کیا اچھا کہا ہے ؎

[1] یوسف: ۹۵ [2] یوسف: ۸۵

گفتے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہِ کنعانش نہ دیدی؟ [1]

ابتلاء اور اس کی غرض

یہ بیہودہ باتیں نہیں ہیں بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔یہی قانون چلا آیا ہے۔قبل از وقت ابتلا ضرور آتے ہیں تا کچّوں اور پکّوں میں امتیاز ہو اور مومنوں اور منافقوں میں بیّن فرق نمودار ہو۔اسی لئے خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔[2] یہ لوگ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ صرف اتنا ہی کہنے پر نجات پا جائیں کہ ہم ایمان لائے اور اُن کا کوئی امتحان نہ ہو۔یہ کبھی نہیں ہوتا۔دنیا میں بھی امتحان اور آزمائش کا سلسلہ موجود ہے جب دنیاوی نظام میں یہ نظیر موجود ہے تو رُوحانی عالم میں یہ کیوں نہ ہو۔بغیر امتحان اور آزمائش کے حقیقت نہیں کھُلتی۔آزمائش کے لفظ سے یہ بھی دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کو جو عالم الغیب اور یعلم السّر والخفی ہے۔امتحان یا آزمائش کی ضرورت ہے اور بدوں امتحان اور آزمائش کے اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ایسا خیال کرنا نہ صرف غلطی بلکہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات کا انکار ہے۔امتحان یا آزمائش سے اصل غرض یہ ہوتی ہے۔کہ تا حقائق مخفیہ کا اظہار ہو جاوے اور شخص زیر امتحان پر اس کی حقیقت ایمان منکشف ہو کر اسے معلوم ہو جاوے کہ وہ کہانتک اللہ کے ساتھ صدق و اخلاص و وفا رکھتا ہے اور ایسا ہی دوسرے لوگوں کو اس کی خوبیوں پر اطلاع ملے۔پس یہ خیال باطل ہے۔اگر کوئی کرے کہ اللہ تعالےٰ جو امتحان کرتا ہے تو اس سے پایا جاتا ہے کہ اس کو علم نہیں۔اس کو تو

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۲ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء [2] العنکبوت: ۳

ذرہ ذرہ کا علم ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک آدمی کی ایمانی کیفیتوں کے اظہار کے لئے اس پر ابتلا آویں اور وہ امتحان کی چکّی میں پیسا جاوے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

ابتلاؤں اور امتحانوں کا آنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کشفِ حقائق نہیں ہوتا۔ یہودی قوم کے لئے یہ ابتلا جو مسیحؑ کی آمد تھا۔ بہت ہی بڑا تھا۔ اور جب کبھی خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے ضرور ہے کہ وہ ابتلاؤں کو لے کر آوے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی توریت میں مثیل موسیٰ والی موجود ہے۔ لیکن کیا کہنے والے نہیں کہتے۔ کہ کیوں اللہ تعالےٰ نے پورا نام لے کر نہ بتایا اور سارا پتہ نہ دے دیا۔ کہ وہ عبداللہ کے گھر میں آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوگا اور اسماعیلی سلسلہ میں ہوگا۔ تیرے بھائیوں کا لفظ کیوں کہدیا؟ اصل بات یہ ہے کہ اگر ایسی ہی صراحت سے بتا دیا جاتا تو پھر ایمان ایمان نہ رہتا دیکھو اگر ایک شخص پہلی رات کا چاند دیکھ کر بتا دے تو وہ تیز نظر کہلا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چودھویں کا چاند دیکھ کر کہدے کہ میں نے بھی چاند دیکھ لیا ہے۔ تو کیا لوگ اس پر ہنسیں گے نہیں؛ یہی حال خدا تعالےٰ کے نبیوں اور رسُولوں کی شناخت کے وقت ہوتا ہے۔ جو لوگ قرائن قویہ سے شناخت کر لیتے اور ایمان لے آتے ہیں۔ وہ اوّل المومنین ٹھہرتے ہیں۔ اُن کے مدارج اور مراتب بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جب اُن کا صدق آفتاب کی طرح کھل جاتا ہے اور اُن کی ترقی کا دریا بہہ نکلتا ہے تو پھر ماننے والے عوام الناس کہلاتے ہیں۔

جب خدا تعالےٰ کا ہمیشہ سے ایک قانون سلسلہ نبوت کے متعلق چلا آتا ہے۔ اور اس کے اپنے ماموروں کے ساتھ یہی سنّت ہے تو میں اس سے الگ کیونکر ہو سکتا ہوں پس اگر ان لوگوں کے دل میں بُخل اور ضد نہیں تو میری بات سُنیں اور میرے پیچھے ہو لیں پھر دیکھیں کہ کیا خدا تعالےٰ اُن کو تاریکی میں چھوڑتا ہے یا نُور کی طرف لے جاتا ہے؛ میں

یقین رکھتا ہوں کہ جو صبر اور صدق دل سے میرے پیچھے آتا ہے وہ ہلاک نہ کیا جاوے گا۔ بلکہ وہ اُسی زندگی سے حصّہ لے گا جس کو کبھی فنا نہیں۔ اس قدر لوگ جو میرے ساتھ ہیں۔ اور جو اَب اِس وقت موجود ہیں۔ کیا ان میں سے ایک بھی ہے جو یہ کہے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ ایک نہیں سینکڑوں نشان خدا تعالےٰ نے دکھائے ہیں۔ مگر نشانات پر ایمان کا حصہ کرنا یہ ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جایا کرتا ہے۔ جس کا دل صاف ہے اور خدا ترسی اُس میں ہے۔ اس کے سامنے دوبارہ آنے کے متعلق حضرت عیسیٰؑ ہی کا فیصلہ پیش کرتا ہوں۔ وُہ مجھے سمجھاوے کہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں (کہ مسیح سے پہلے ایلیار کا آنا ضروری ہے) جو کچھ مسیحؑ نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہودی تو اپنی کتاب پیش کرتے تھے کہ ملاکی نبی کے صحیفہ میں ایلیار کا آنا لکھا ہے، مثیلِ ایلیا کا ذکر نہیں۔ مسیحؑ یہ کہتے ہیں کہ آنے والا یہی یوحنا ہے چاہو تو قبول کرو۔ اب کسی مُنصف کے سامنے فیصلہ رکھو اور دیکھو کہ ڈگری کس کو دیتا ہے۔ وہ یقیناً یہودیوں کے حق میں فیصلہ دے گا۔ مگر ایک مومن جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا کے فرستادے کس طرح آتے ہیں وہ یقین کرے گا کہ مسیحؑ نے جو کچھ کہا اور کیا وہی صحیح اور درست ہے اب اس وقت وہی معاملہ ہے یا کچھ اَور؟ اگر خدا کا خوف ہو تو پھر بدن کانپ جاوے یہ کہنے کی جرأت کرتے ہوئے کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ افسوس اور حسرت کی جگہ ہے کہ ان لوگوں میں اتنا بھی ایمان نہیں جتنا کہ اُس شخص کا تھا جو فرعون کی قوم میں سے تھا۔ اور جس نے یہ کہا کہ اگر یہ کاذب ہے تو خود ہلاک ہو جائے گا۔ میری نسبت اگر تقویٰ سے کام لیا جاتا تو اتنا ہی کہہ دیتے اور دیکھتے کہ کیا خدا تعالےٰ میری تائیدیں اور نُصرتیں کر رہا ہے یا میرے سلسلہ کو مٹا رہا ہے۔

قرآن، سُنّت اور حدیث کا درجہ

میری مخالفت میں ان لوگوں نے قرآن شریف کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ میں قرآن شریف پیش کرتا ہوں اور یہ اس کے مقابلہ میں احادیث کو پیش کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ

احادیث اس درجہ پر نہیں ہیں جو قرآن شریف کا درجہ ہے اور نہ ہم احادیث کو کلام اللہ کا درجہ دے سکتے ہیں۔ احادیث تیسرے درجہ پر ہیں اور بالاتفاق مانی ہوئی بات یہ ہے کہ وہ ظن کے لئے مفید ہیں۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا۔ [1]

اصل میں تین چیزیں ہیں۔ قرآن۔ سنّت اور احادیث۔ قرآن خدا تعالےٰ کی پاک وحی ہے جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور سُنّت وہ اُسوہ حسنہ ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے موافق قائم کر کے دکھایا۔ قرآن اور سُنّت یہ دو تو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کام تھے۔ کہ ان کو پہنچا دیا جاوے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جبتک احادیث جمع نہیں ہوئی تھیں اس وقت تک بھی شعائرِ اسلام کی بجاآوری برابر ہوتی رہی ہے۔ اب دھوکا یہ لگا ہے کہ یہ لوگ احادیث کو اور سُنّت کو ایک کر دیتے ہیں حالانکہ یہ ایک چیز نہیں ہیں۔ پس احادیث کو جب تک قرآن اور سُنّت کے معیار پر پرکھ نہ لیں ہم کسی درجہ پر رکھ نہیں سکتے۔ لیکن یہ ہمارا مذہب ہے کہ ادنٰے سے ادنٰے حدیث بھی جو اصولِ حدیث کی رُو سے کیسی ہی کمزور اور ضعیف ہو لیکن قرآن یا سُنّت کے خلاف نہیں تو وہ واجب العمل ہے۔ مگر ہمارے مخالف یہ کہتے ہیں کہ نہیں محدّثین کے اصولِ تنقید کی رُو سے جو صحیح ثابت ہو۔ وُہ خود قرآن اور سُنّت کی کیسی ہی مخالف ہو اس کو مان لینا چاہیئے۔ اب عقلمند غور کریں۔ اور خدا کا خوف دل میں رکھ کر فکر کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے، اُن کے یا میرے۔ مَیں خدا کے کلام اور اس کے پاک رسُولؐ کے عمل کو مقدم کرتا ہوں اور یہ اُن لوگوں کی باتوں اور خیالی اصولوں کو مقدم کرتے ہیں جنہوں نے کوئی دعوےٰ نہیں کیا کہ یہ اصولِ تنقید احادیث کے ہم نے خدا کی وحی اور الہام سے قائم کئے ہیں۔

اگر یہی بات ہے کہ احادیث کے لئے قرآن اور سُنّت کے علاوہ کوئی اور معیار ہے جو محض اپنی دانش اور عقل سے قائم کیا گیا ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ سُنّیوں کی پیش کردہ احادیث یا شیعوں کی پیش کردہ احادیث صحیح نہ مانی جاویں۔ کیوں ایک فریق

[1] النجم: ۲۹

دوسرے کو رَدّ کرتا ہے۔ اس کا جواب ہمیں کوئی کچھ نہیں دیتا۔ ان ساری باتوں سے بڑھ کر اَور ایک بات ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعت السنّۃ میں یہ اقرار کیا ہے کہ اہلِ کشف جو لوگ ہوتے ہیں وہ احادیث کی صحت کے لئے محدثین کے اصُول تنقید احادیث کے پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ بعض اوقات ایک صحیح حدیث کو ضعیف ٹھہرا سکتے ہیں یا ضعیف کو صحیح کیونکہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اطلاع پاتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر مسیح موعود جو حَکَم ہو کر آئے گا۔ کیا اس کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ احادیث کی صحت اس طریق پر کر سکے، کیا وہ خدا تعالیٰ سے فیض نہ پا سکے گا؟ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے محروم ہوگا؟ اگر اس کو یہ مقدرت نہ ہوگی تو پھر بتاؤ کہ ایسا حَکَم کس کام اور مصرف کا ہوگا؟

اس لئے احادیث کو یہ لوگ جب متنلط کرنے لگیں تو اس امر کو کبھی بھُولنا نہ چاہیئے کہ قرآن اور سُنّت سے اس کو الگ کر لیا جاوے۔ ہمارے ضلع میں حافظ ہدایت علی صاحب ایک عہدہ دار تھے۔ مجھے اکثر اُن سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا ایک بار انہوں نے کہا کہ مَیں اُن کتابوں کو جن میں مسیح اور مہدی کے آنے کا ذکر ہے دیکھ رہا تھا۔ اُن میں ہزاروں نشانیاں قائم کر رکھی ہیں چونکہ یہ ساری نشانیاں تو پُوری ہونے سے رہیں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اُس وقت جھگڑا ہی پڑے گا۔ یہ لوگ اس وقت تک ماننے سے رہے۔ جب تک وہ سارے نشان پُورے نہ ہولیں اور وہ نشان یک دفعہ پُورے ہونے سے رہے۔ حقیقت میں اُن کی فراست صحیح نکلی۔ اس وقت وہی ہوا۔ انکار ہی کیا گیا۔

اصل بات یہی ہے جس کو میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ پیشگوئیوں کا بہت بڑا حصّہ مجازات اور استعارات کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ ظاہری رنگ میں بھی پُورا ہو جاتا ہے یہی ہمیشہ سے قانون چلا آیا ہے۔ اس سے ہم تو انکار نہیں کر سکتے خواہ کوئی مانے۔ یا نہ مانے۔ اگر ساری حدیثیں پُوری ہونی ہیں یعنی جو سنّیوں کی ہیں وہ بھی اور جو شیعوں کی ہیں وہ بھی، علیٰ ہذا القیاس تمام فرقوں کی تو یقیناً یاد رکھو کہ پھر نہ کبھی مسیح ہی آئے گا اور نہ مہدی۔

دیکھو میری ضرورت سے زیادہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی جب آپؐ تشریف لائے۔ اب بتاؤ کہ کیا اس وقت سب نے آپؐ کو تسلیم کر لیا؟ اور کیا وہ سارے نشانات جو توریت یا انجیل میں آپؐ کے لئے رکھے گئے تھے پُورے ہو گئے تھے؟ خدا کے واسطے سوچو، جواب دو۔ اگر وہ ساری روائتیں جو اُن میں چلی آتی تھیں۔ اور وہ ساری نشانیاں جو ان کی کتابوں میں پائی جاتی تھیں، پُوری ہو گئی تھیں۔ پھر یہودیوں کو کیا ہو گیا تھا جو انہوں نے انکار کر دیا۔ کبھی ساری نشانیاں پُوری نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ایسی بہت سی ہوتی ہیں جو خود تجویز کر لی جاتی ہیں اور بہت سی ایسی ہوتی ہیں جو کچھ اور مطلب اور مفہوم رکھتی ہیں۔ جب سب راستبازوں کے وقت اُن کا انکار کیا گیا اور یہی عذر پیش کیا گیا کہ نشانات پُورے نہیں ہوئے تو اس وقت اگر انکار کیا گیا تو اسی سنّت پر انہوں نے قدم مارا ہے۔ میں کسی کی زبان انکار تو بند نہیں کر سکتا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ وہ میرے عذرات کو سُن کر جواب دیں یُونہی باتیں بنانا تو طریق تقویٰ کے خلاف ہے۔

منہاج نبوت پر پرکھیں

منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو آزمائیں اور پھر دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ خیالی اصولوں اور تجویزوں سے کچھ نہیں بنتا اور نہ میں اپنی تصدیق خیالی باتوں سے کرتا ہوں۔ میں اپنے دعوےٰ کو منہاج نبوت کے معیار پر پیش کرتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسی اصول پر اس کی سچائی کی آزمائش نہ کی جاوے۔

جو دل کھول کر میری باتیں سُنیں گے میں یقین رکھتا ہوں کہ فائدہ اُٹھادیں گے اور مان لیں گے۔ لیکن جو دل میں بُخل اور کینہ رکھتے ہیں اُن کو میری باتیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گی۔ اُن کی تو احول جیسی مثال ہے جو ایک کے دو دیکھتا ہے۔ اس کو خواہ کسی قدر دلائل دیئے جائیں کہ دو نہیں ایک ہی ہے وہ تسلیم ہی نہیں کرے گا۔ کہتے ہیں۔

کہ ایک احول خدمت گار تھا۔ آقا نے کہا کہ اندر سے آئینہ لے آؤ۔ وہ گیا اور واپس آکر کہا کہ اندر تو دو آئینے پڑے ہیں۔ کونسا لے آؤں۔ آقا نے کہا کہ ایک ہی ہے دو نہیں۔ احول نے کہا تو کیا میں جھوٹا ہوں؟ آقا نے کہا اچھا ایک کو توڑ دے۔ جب توڑا گیا تو اسے معلوم ہوا۔ کہ درحقیقت میری غلطی تھی۔ مگر ان احولوں کا جو میرے مقابل ہیں کیا جواب دوں؟ [1]

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بار بار اگر کچھ پیش کرتے ہیں تو حدیث کا ذخیرہ جس کو خود یہ ظن کے درجہ سے آگے نہیں بڑھاتے۔ اُن کو معلوم نہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ اُن کے رطب و یابس امور پر لوگ ہنسی کریں گے۔

یہ ہر ایک طالب حق کا حق ہے کہ وہ ہم سے ہمارے دعویٰ کا ثبوت مانگے۔ اس کے لئے ہم وہی پیش کرتے ہیں جو نبیوں نے پیش کیا۔ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ، عقلی دلائل یعنی موجودہ ضرورتیں جو مصلح کے لئے مستدعی ہیں۔ پھر وہ نشانات جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے میں نے ایک نقشہ مرتب کر دیا ہے۔ اس میں ڈیڑھ سو کے قریب نشانات دیئے ہیں۔ جن کے گواہ ایک نوع سے کروڑوں انسان ہیں۔ بیہودہ باتیں پیش کرنا سعادتمند کا کام نہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا تھا کہ وہ حَکَم ہو کر آئے گا۔ اس کا فیصلہ منظور کرو۔ جن لوگوں کے دل میں شرارت ہوتی ہے۔ وہ چونکہ ماننا نہیں چاہتے ہیں۔ اس لئے بیہودہ حجتیں اور اعتراض پیش کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ آخر خدا تعالےٰ اپنے وعدہ کے موافق زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کرے گا۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میں افترا کرتا۔ تو وہ مجھے فی الفور ہلاک کر دیتا۔ مگر میرا سارا کاروبار اس کا اپنا کاروبار ہے۔ اور میں اُسی کی طرف سے آیا ہوں۔ میری تکذیب اس کی تکذیب ہے۔ اس لئے وہ خود میری سچائی ظاہر کر دے گا۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۲ تا ۳ مورخہ ۱۴؍ فروری ۱۹۰۳ء

پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ کو ظاہر پر حمل کرنے کا نتیجہ

جو لوگ پیشگوئیوں کی حقیقت کو نہ سمجھ کر مجاز اور استعارہ کو ظاہر پر حمل کرنا چاہتے ہیں۔ آخر اُن کو انکار کرنا پڑتا ہے۔ جیسے یہودیوں کو یہی مصیبت پیش آئی اور اب عیسائیوں کو پیش آرہی ہے اور اس کی آمد ثانی کے متعلق اکثر یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ کلیسیا ہی سے مُراد تھی۔ سارے نشانات عام لوگوں کے خیال کے موافق کبھی پورے نہیں ہوا کرتے ہیں تو پھر انبیاء کے وقت اختلاف اور انکار کیوں ہو۔ یہودیوں سے پوچھو کہ کیا وہ مانتے ہیں کہ مسیح کے آنے کے وقت سارے نشانات پُورے ہو چکے تھے؟ نہیں۔ یاد رکھو قانونِ قدرت اور سنّت اللہ اس معاملہ میں یہی ہے جو میں پیش کرتا ہوں۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔[1]

انسانی خیالات انسانی تاویلات اور قیاسات بالکل صحیح اور قطعی اور یقینی نہیں ہوسکتے اُن میں غلطی کا احتمال ہے۔ ایک امر کے واقع ہونے سے پہلے جو رائے قائم کی جائے۔ اس پر قطعیت کا حکم نہیں لگا سکتے۔ لیکن جب وقت آتا ہے تو سارے پردے کھُل جاتے ہیں مُراد یہی وجہ تھی کہ آنے والے کا نام حَکَم رکھا گیا۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اس وقت اختلاف عام ہوگا۔ تب ہی تو اس کا نام حَکَم رکھا گیا۔ پس سچی بات وہی ہوسکتی ہے جو حَکَم کے مُنہ سے نکلے۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ وہ قرآن کی طرف توجہ کرے گا۔ کیونکہ حدیث کو تو لوگوں کا ہاتھ لگا ہوا ہے مگر قرآن شریف خدا تعالےٰ کا لاتبدیل کلام ہے۔ جس پر کسی انسانی ہاتھ نے کوئی کام نہیں کیا۔ اب خدا تعالےٰ کا کلام جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور جو پہلا اور ابدی معجزہ تھا اس کو پیش کیا جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ کیا یہ تعجب اور افسوس کی بات نہیں؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ خدا کے فضل سے سمجھدار اور فہیم معلوم ہوتے ہیں۔ کیا حدیث کا وہ مرتبہ ہوسکتا ہے جو قرآن شریف کا ہے؟ اگر حدیث کا وہی مرتبہ ہے جو قرآن

[1] الفتح : ۲۴

شریف کا ہے تو پھر نعوذ باللہ ماننا پڑے گا کہ آپؐ نے اپنا فرض ادا نہ کیا۔ کیونکہ قرآن شریف کا اہتمام تو آپؐ نے کیا مگر حدیث کا کوئی اہتمام نہ ہوا۔ اور نہ آپؐ نے اپنے سامنے کبھی حدیث کو لکھوایا۔ کیا کوئی مسلمان یہ ماننے کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ جو کہے کہ ہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرضِ رسالت ادا نہ کیا۔ یہ مسلمان کا کام تو ہو نہیں سکتا بلکہ بڑے بیدین اور ملحد کا کام ہوگا۔ پھر سوچ کر دیکھو کہ کیا حدیث کو آپؐ نے اپنے سامنے مرتب کروایا۔ یا قرآن شریف کو؟ صاف ظاہر ہے کہ قرآن شریف ہی کو آپؐ نے اپنے بعد چھوڑا۔ کیونکہ تعلیم قرآن ہی تھا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آپؐ نے اپنی سُنّت کو بھی قرآن کے ساتھ رکھا۔ اور اصل یہی ہے کہ نبی دو ہی باتیں لے کر آتے ہیں۔ کتاب اور سُنّت۔ حدیث ان دونوں سے الگ شیٔے ہے اور یہ دونو حدیث کی محتاج نہیں ہیں۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ ادنےٰ درجہ کی حدیث پر بھی عمل کر لینا چاہیئے خواہ وہ محدثین کے نزدیک موضوع ہی ہو۔ اگر قرآن وسنّت کے خلاف نہ ہو۔

ہم تو یہانتک حدیث کی عزّت کرتے ہیں۔ لیکن اس کو قرآن پر قاضی اور حَکَم نہیں بنا سکتے۔ آپؐ نے نہیں فرمایا کہ میں تم میں حدیث چھوڑتا ہوں بلکہ فرمایا کتاب اللہ چھوڑتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا حسبنا کتاب اللہ۔ انہوں نے نہیں کہا کہ حدیث کافی ہے؟ اب کتاب اللہ کو کھول کر دیکھ لو وہ فیصلہ کرتی ہے۔ پہلی ہی سُورۃ کو پڑھو جو سورۂ فاتحہ ہے جس کے بغیر نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو اس میں کیا تعلیم دی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالّین[1]

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن میں پیشگوئی

اب صاف ظاہر ہے کہ اس دعا میں مغضوب اور ضالّین کی راہ سے بچنے کی دُعا ہے مغضوب سے بالاتفاق یہودی مراد ہیں اور ضالّین سے عیسائی۔ اگر اس اُمّت میں یہ فتنہ اور فساد پیدا نہ ہونے والا تھا۔ تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا غرض تھی؟ سب سے بڑا فتنہ تو الدّجّال کا تھا مگر یہ نہیں کہا وَلَا الدّجّال۔ کیا خدا تعالےٰ کو اس فتنہ کی خبر نہ تھی؟

[1] الفاتحہ: ۶-۷

اصل یہ ہے کہ یہ دُعا بڑی پیشگوئی اپنے اندر رکھتی ہے۔ ایک وقت امّت پر ایسا آنیوالا تھا کہ یہودیت کا رنگ اس میں آجاوے گا۔ اور یہودی وہ قوم تھی۔ جس نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا۔ پس یہاں جو فرمایا کہ یہودیوں سے بچنے کی دعا کرو اس کا یہی مطلب ہے کہ تم بھی یہودی نہ بن جانا یعنی مسیح موعود کا انکار نہ کر بیٹھنا۔ اور ضآلین یعنی نصاریٰ کی راہ سے بچنے کی دعا جو تعلیم کی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت صلیبی فتنہ خطرناک ہوگا۔ اور یہی سب فتنوں کی جڑ اور ماں ہوگا۔ دجّال کا فتنہ اس سے الگ نہ ہوگا۔ ورنہ اگر الگ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کا بھی نام لیا جاتا۔ اب سارے گرجوں میں جاکر دیکھو کہ کیا یہ فتنہ خطرناک ہے یا نہیں؟ اسی طرح قرآن شریف کو غور سے پڑھو اور سوچو کہ کیا اس نے یہ وعدہ نہیں کیا اِنّا نحن نزّلنا الذکر و انالہٗ لحافظون[1] اور پھر آیت استخلاف میں ایک خاتم الخلفاء کا وعدہ دیا گیا۔ ان سب امور کو یکجائی نظر سے اس طرح پر دیکھو:۔

اوّل۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف نے توریت کی پیشگوئی کے موافق مثیل موسیٰ تسلیم کیا ہے۔ اس مماثلت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جس طرح پر موسوی خلفاء کا سلسلہ قائم ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک سلسلہ خلافت قائم ہو۔ اگر اور کوئی بھی دلیل اس کے لئے نہ ہو۔ تب بھی یہ مماثلت بالطبع یہ چاہتی ہے کہ ایک سلسلہ خلفاء کا ہو۔

دوم۔ آیت استخلاف میں اللہ تعالے نے صاف طور پر ایک سلسلہ خلافت قائم کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس سلسلہ کو پہلے سلسلہ خلافت کے ہمرنگ قرار دیا۔ جیسا فرمایا کما استخلف الّذین من قبلھم[2]۔ اب اس وعدہ استخلاف کے موافق اور اس کی مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ جیسے موسوی سلسلہ خلافت کا خاتم الخلفاء مسیح تھا۔ ضرور ہے کہ سلسلہ محمدیہ کے خلفاء کا خاتم بھی ایک مسیح ہی ہو۔

سوم۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا۔ امامکم منکم۔ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔

[1] الحجر: ۱۰ [2] النور: ۵۶

چہارم۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد تجدید دین کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اب اس صدی کا مجدد ہونا ضروری تھا اور مجدد کا جو کام ہوتا ہے وہ اصلاح فسادات موجودہ ہوتا ہے۔ پس جو فساد اور فتنہ اس وقت سب سے بڑھ کر ہے۔ وہ عیسائی فتنہ ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس صدی کا جو مجدد ہو وہ کاسر الصلیب ہو۔ جس کا دوسرا نام مسیح موعود ہے۔

پنجم۔ موسوی خلافت کی مماثلت کے لحاظ سے بھی خاتم الخلفا سلسلہ محمدیہ کا چودھویں ہی صدی میں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں مسیح علیہ السلام آئے تھے۔

ششم۔ جو علامات مسیح موعود کی مقرر تھیں۔ اُن میں سے بہت سی پُوری ہو چکیں جیسے کسُوف خسُوف کا رمضان میں ہونا جو دو مرتبہ ہو چکا۔ حج کا بند ہونا۔ ذوالسنین ستارہ کا نکلنا۔ طاعون کا پھُوٹنا۔ ریلوں کا اجرا۔ اُونٹوں کا بیکار ہونا وغیرہ۔

ہفتم۔ سورہ فاتحہ کی دعا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنے والا اس امت میں سے ہوگا غرض ایک دو نہیں۔ صدہا دلائل اس امر پر ہیں کہ آنے والا اسی امت میں سے آنا چاہیئے اور اس کا یہی وقت ہے۔ اب خدا تعالےٰ کے الہام اور وحی سے مَیں کہتا ہوں۔ **وہ جو آنے والا تھا وہ مَیں ہوں**۔ قدیم سے خدا تعالےٰ نے منہاج نبوت پر جو طریق ثبوت کا رکھا ہوا ہے وہ مجھ سے جس کا جی چاہے لے لے۔

جو نشانات میری تائید میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ لو۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں ان مخالفوں کی حالت پر نظر کرتا ہوں کہ جن امور کو بطور نشان پیش کیا کرتے تھے۔ اب وہ جب پُورے ہو گئے تو اُن کی صحت پر اعتراض کرنے لگے۔ مثلاً کسُوف خسُوف والی پیشگوئی کو اب کہتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں۔ مگر کوئی ان سے پوچھے کہ جس کو خدا تعالےٰ نے صحیح ثابت کر دیا کیا اب وہ ان کے کہنے سے جھُوٹی ہو جائے گی؟

افسوس تو یہ ہے کہ اتنا کہتے ہوئے ان کو شرم نہیں آتی کہ اس سے ہم مسیح موعود کی تکذیب نہیں کرتے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں۔ میری تصدیق اور تائید کے لئے ایک کسُوف خسُوف ہی نہیں ہزارہا دلائل اور شواہد ہیں اور اگر ایک نہ بھی ہو تو کچھ بگڑتا نہیں۔ مگر اس سے یہ تو پایا جائے گا کہ یہ پیشگوئی غلط ہوئی۔ افسوس یہ لوگ میری مخالفت میں سید الصادقین کی پیشگوئی کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس پیشگوئی کو بڑے زور سے پیش کرتے ہیں یہ ہمارے آقا کی صداقت کا نشان ہے۔

پس حدیث جس کو تم ظن کی سیاہی سے لکھتے تھے واقعہ نے اس کی صداقت کو یقین تک پہنچا دیا۔ اب اس سے انکار کرنا بے ایمانی اور لعنت ہے۔ موضوع احادیث میں کیا محدث یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے چور پکڑ لیا ہے۔ نہیں بلکہ یہی کہیں گے کہ کسی کا حافظہ درست نہیں یا راست باز ہونے میں کلام ہے۔ مگر محدثین نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ ایک حدیث اگر ضعیف بھی ہو مگر اس کی پیشگوئی پوری ہو جاوے تو وہ صحیح ہوتی ہے۔ پھر اس معیار پر کیونکر کوئی یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

پس یاد رکھو کہ آنے والا یا تو نصوص صریحہ سے پرکھا جاتا ہے، وہ اس کی تائید کرتی ہیں اور پھر عقل چونکہ بدوں نظیر نہیں مان سکتی عقلی نظائر اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر خدا تعالےٰ کی تائیدیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اگر کسی کو کوئی شک وشبہ ہو تو وہ میرے سامنے آئے اور اُن طریقوں سے جو منہاج نبوت پر ہیں۔ میری سچائی کا ثبوت مجھ سے لے۔ میں اگر جھوٹا ہوں گا تو بھاگ جاؤں گا۔ مگر نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انیس ۱۹ برس پہلے مجھے کہا

ینصرك اللہ فی مواطن

پس جس طرح نبیوں یا رسُولوں کو پرکھا گیا، مجھے پرکھ لو۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ اس معیار پر مجھے صادق پاؤگے۔

یہ باتیں میں نے مختصر طور پر کہی ہیں۔ ان پر غور کرو اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو وہ قادر ہے کوئی راہ کھول دیگا۔ اس کی تائید اور نصرت صادق ہی کو ملتی ہے۔[۱] فقط

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ تا ۷)

نواب محمد علیخان صاحب کے ایک سوال کے جواب میں تقریر

جب حضرت صاحبزادہ بشیر احمد۔ شریف احمد اور مبارکہ بیگم کی آمین ہوئی اس وقت جیسا کہ حضرت حجۃ اللہ کا معمول ہے کہ خدا تعالیٰ کے انعام عطایا پر شکریہ کے طور پر صدقات دیتے ہیں۔ آپ نے شکریہ کے طور پر ایک دعوت دی۔ اس پر حضرت نواب[۲] صاحب قبلہ نے ایک سوال کیا کہ حضور۔ یہ آمین جو ہوئی ہے یہ کوئی رسم ہے یا کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا۔ وہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔[۳] (ایڈیٹر الحکم)

دلی شبہ کا ازالہ کروانا بھی صفائی قلب کا نشان ہے

فرمایا۔ جو امر یہاں پیدا ہوتا ہے اس پر اگر غور کیا جاوے اور نیک نیتی اور تقویٰ کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر سوچا جاوے تو اس سے ایک علم پیدا ہوتا ہے۔ میں اس کو آپ کی صفائی قلب اور نیک نیتی کا نشان سمجھتا ہوں کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھ لیتے ہیں۔ بہت

۱؎ ۔ الحکم جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۳ء

۲؎ حضرت نواب محمد علیخاں صاحب مراد ہیں (مرتب)

۳؎ یہ مبارک تقریب نومبر ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ تقریر ملفوظات کی جلد سوم کے ابتدا میں درج ہونی چاہیئے تھی۔ چونکہ وہاں درج ہونے سے رہ گئی۔ لہٰذا اب جلد چہارم کے شروع میں درج کی جاتی ہے۔ (مرتب)

لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کو نکالتے نہیں اور پوچھتے نہیں جس سے وہ اندر ہی اندر نشو ونما پاتا رہتا ہے اور پھر اپنے شکوک وشبہات کے انڈے بچے دے دیتا ہے اور رُوح کو تباہ کر دیتا ہے۔ایسی کمزوری نفاق تک پہنچا دیتی ہے کہ جب کوئی امر سمجھ میں نہ آوے تو اُسے پوچھا نہ جاوے اور خود ہی ایک رائے قائم کر لی جاوے۔میں اس کو داخلِ ادب نہیں کرتا کہ انسان اپنی روح کو ہلاک کرلے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر سوال کرنا بھی مناسب نہیں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ لاتسئلوا عن اشیاء[1]۔اور ایسا ہی اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ آدمی جاسوسی کر کے دوسروں کی برائیاں نکالتا رہے۔ یہ دونو طریق بُرے ہیں۔لیکن اگر کوئی امر اہم دل میں کھٹکے تو اُسے ضرور پیش کر کے پوچھ لینا چاہیئے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص خراب غذا کھالے اور وہ پیٹ میں جاکر خرابی پیدا کرے۔ اور اس سے جی متلانے لگے تو چاہیئے کہ فوراً قے کرکے اس کو نکال دیا جائے۔لیکن اگر وہ اس کو نکالتا نہیں تو پھر وہ آلات ہضم میں فتور پیدا کر کے صحت کو بگاڑ دے گی۔جیسے ایسی غذا کو فوراً نکالنا چاہیئے اسی طرح جو بات دل میں کھٹکے اسے جلد باہر نکال دو۔

غرض میں اس کو آپ کی سعادت کی نشانی سمجھتا ہوں کہ آپ جو بات سمجھ میں نہ آوے اسے پوچھ لیتے ہیں اور اس کو اعتراض بن جانے کا موقع نہیں دیتے۔

بخاری کی پہلی حدیث یہ ہے اِنّما الاعمالُ بالنّیات - اعمال نیّت ہی پر منحصر ہیں صحت نیّت کے ساتھ کوئی جرم بھی جرم نہیں رہتا۔ قانون کو دیکھو اس میں بھی نیت کو ضروری سمجھا ہے۔مثلاً ایک باپ اگر اپنے بچّے کو تنبیہ کرتا ہو کہ تو مدرسہ جاکر پڑھ اور اتفاق سے کسی ایسی جگہ چوٹ لگ جاوے کہ وہ بچّہ مرجاوے تو دیکھا جاوے گا کہ یہ قتل عمد مستلزم سزا نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس کی نیت بچّے کو قتل کرنے کی نہ تھی۔ تو ہر ایک کام میں نیّت پر بہت بڑا انحصار ہے۔اسلام میں یہ مسئلہ بہت سے امور کو حل کر دیتا ہے۔

پس اگر نیک نیتی کے ساتھ محض خدا کے لئے کوئی کام کیا جاوے اور دنیاداروں

[1] المائدۃ : ۱۰۲

کی نظر میں وہ کچھ ہی ہو تو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔

تحدیثِ نعمت کے طریق

یاد رکھو کہ انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں دعا کا طالب رہے اور دوسرے اما بنعمۃ ربک فحدث[1] پر عمل کرے۔ خدا تعالےٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی تحدیث کرنی چاہیئے اس سے خدا تعالےٰ کی محبت بڑھتی ہے اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کیلئے ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ تحدیث کے یہی معنے نہیں ہیں کہ انسان صرف زبان سے ذکر کرتا رہے بلکہ جسم پر بھی اس کا اثر ہونا چاہیئے۔ مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالےٰ نے توفیق دی ہے کہ وہ عمدہ کپڑے پہن سکتا ہے لیکن وہ ہمیشہ میلے کچیلے کپڑے پہنتا ہے اس خیال سے کہ وہ واجب الرحم سمجھا جاوے یا اس کی آسُودہ حالی کا حال کسی پر ظاہر نہ ہو ایسا شخص گناہ کرتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کے فضل اور کرم کو چھپانا چاہتا ہے اور نفاق سے کام لیتا ہے۔ دھوکہ دیتا ہے اور مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے یہ مومن کی شان سے بعید ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مذہب مشترک تھا۔ آپ کو جو ملتا تھا پہن لیتے تھے اعراض نہ کرتے تھے جو کپڑا پیش کیا جاوے اُسے قبول کر لیتے تھے۔ لیکن آپ کے بعد بعض لوگوں نے اسی میں تواضع دیکھی کہ رہبانیت کی جزو ملا دی۔ بعض درویشوں کو دیکھا گیا کہ گوشت میں خاک ڈال کر کھاتے تھے۔ ایک درویش کے پاس کوئی شخص گیا۔ اس نے کہا کہ اس کو کھانا کھلا دو اُس شخص نے اصرار کیا کہ میں تو آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔ آخر جب وہ اس درویش کے ساتھ کھانے بیٹھا تو اس کے لئے نیم کے گولے تیار کر کے آگے رکھے گئے۔ اس قسم کے امور بعض لوگ اختیار کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو اپنے باکمال ہونے کا یقین دلائیں۔ مگر اسلام ایسی باتوں کو کمال میں داخل نہیں کرتا۔ اسلام کا کمال تو تقویٰ ہے جس سے ولایت ملتی ہے۔ جس سے فرشتے کلام کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ بشارتیں دیتا ہے۔ ہم اس قسم کی تعلیم نہیں دیتے۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم کے منشا کے خلاف ہے۔ قرآن شریف تو کلوا من الطیّبات کی تعلیم

[1] الضحیٰ: ۱۲

دے اور یہ لوگ طیّب عمدہ چیز میں خاک ڈال کر غیر طیّب بنا دیں۔ اس قسم کے مذاہب اسلام کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اضافہ کرتے ہیں۔ اُن کو اسلام سے اور قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ خود اپنی شریعت الگ قائم کرتے ہیں۔ میں اس کو سخت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ہمارے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسوہ حسنہ ہیں۔ ہماری بھلائی اور خوبی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، آپ کے نقش قدم پر چلیں۔ اور اس کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔

اسی طرح عورتوں اور بچّوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بہک گئے ہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے عاشروھن بالمعروف[1] مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔

عورتوں سے سلوک کرنے والوں کی دو قسمیں

دو قسم کے لوگ اس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن کر دیا ہے۔ دین کا کوئی اثر ہی اُن پر نہیں ہوتا۔ اور وہ کھُلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی ہیں اور کوئی اُن سے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے ہیں کہ انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا۔ مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ اُن میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا اور کنیزکوں اور بہائم سے بھی بدتر اُن سے سلوک ہوتا ہے، مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں غرض بہت ہی بُری طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہانتک کہ پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جُوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک اُتار دی دوسری پہن لی۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں۔ آپؐ کی زندگی میں دیکھو کہ آپؐ عورتوں کے ساتھ کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بُزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے۔

[1] النساء: ۲۰

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کو مطالعہ کرو تاتمہیں معلوم ہو کہ آپ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپ بڑے بارُعب تھے لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپ کو کھڑا کرتی۔ تو آپ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک وہ اجازت نہ دے۔ آپ سودے خود خرید لایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے کچھ خریدا تھا۔ ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور مجھے دے دیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کی چیز ہو اُس کو ہی اُٹھانی چاہیئے۔ اس سے یہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ آپ لکڑیوں کا گٹھا بھی اُٹھا کر لایا کرتے تھے۔ غرض ان واقعات سے یہ ہے کہ آپ کی سادگی اور اعلیٰ درجہ کی بے تکلفی کا پتہ لگتا ہے۔ آپ پاپیادہ ہی چلا کرتے تھے۔ اس وقت یہ کوئی تمیز نہ ہوتی تھی کہ کوئی آگے ہے یا پیچھے۔ جیسا کہ آج کل وضعدار لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ کوئی آگے نہ ہونے پائے۔ یہانتک سادگی تھی کہ بعض اوقات لوگ تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ کہ ان میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی داڑھی سفید تھی۔ لوگوں نے یہی سمجھا۔ کہ آپ ہی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن جب حضرت ابوبکر نے اُٹھ کر کوئی خادمانہ کام کیا اور اس طرح پر سمجھا دیا۔ کہ آپ پیغمبر ہیں تب معلوم ہوا۔[1]

---

[1] (از ایڈیٹر۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادگی بعینہٖ اسی قسم کی ہے۔ آپ سیر کو نکلتے ہیں تو کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ کہ کوئی آگے نہ بڑھے بلکہ بسا اوقات جلیل القدر اصحاب کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ خاک اُڑتی ہے اور حضرت اقدس پیچھے ہیں مگر حضرت حجۃ اللہ نے کبھی اس قسم کا خیال بھی نہیں فرمایا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیچھے سے لوگ چلے آتے ہیں اور اعلیٰ حضرت کو ٹھوکر لگ گئی ہے۔ یا جوتی نکل گئی ہے یا چھڑی گر گئی ہے۔ مگر کبھی کسی نے نہیں دیکھا یا سُنا ہوگا کہ آپ نے کوئی ملال ظاہر کیا ہو۔ یا کسی خاص وضع کو پسند کیا ہو۔ مسجد میں بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صحابہ کے زمرہ میں بیٹھے ہیں۔ اور کوئی اجنبی آیا ہے تو اُس نے بڑھ کر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب یا حضرت حکیم الامت سے اول مصافحہ کیا۔ اور حضرت مسیح آپ کو سمجھا تو ان بزرگوں نے زبان سے بتایا کہ حضرت صاحب

بعض وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑے بھی ہیں۔ ایک مرتبہ آپؐ آگے نکل گئے اور دوسری مرتبہ خود نرم ہو گئے تاکہ عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل جائیں اور وہ آگے نکل گئیں۔ اسی طرح پر یہ بھی ثابت ہے کہ ایک بار کچھ حبشی آئے جو تماشہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اُن کا تماشہ دکھایا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب آئے تو وہ حبشی ان کو دیکھ کر بھاگ گئے۔

غرض جب انسان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو غور سے مطالعہ کرتا ہے۔ تو اُسے بہت کچھ پتہ ملتا ہے۔ لیکن بعض احمق کور باطن ایسے بھی ہیں جو آپؐ کی زندگی پر تدبّر تو کرتے نہیں۔ اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولتے ہیں یہ حال عیسائیوں اور آریوں کا ہے۔

سُنّت اور بدعت میں فرق

غرض اس وقت لوگوں نے سُنّت اور بدعت میں سخت غلطی کھائی ہوئی ہے اور اُن کو ایک خطرناک دھوکہ لگا ہوا ہے۔ وہ سنّت اور بدعت میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر خود اپنی مرضی کے موافق بہت سی راہیں خود ایجاد کر لی ہیں۔ اور اُن کو اپنی زندگی کے لئے کافی راہنما سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اُن کو گمراہ کرنیوالی چیزیں ہیں۔ جب آدمی سنّت اور بدعت میں تمیز کر لے۔ اور سنّت پر قدم مارے۔ تو وہ خطرات سے بچ سکتا ہے۔ لیکن جو فرق نہیں کرتا اور سنّت کو بدعت کے ساتھ ملاتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل واضح اور بیّن ہے۔ اور پھر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے کر کے دکھا دیا ہے۔ آپؐ کی زندگی کامل نمُونہ ہے لیکن باوجود اس کے ایک حصہ اجتہاد کا بھی ہے۔ جہاں انسان واضح طور پر

حاشیہ: یہ ہیں۔ غرض شان محمدی کا سارا نمونہ آپ میں نظر آتا ہے۔ جس کو شک ہو۔ وہ یہاں آکر اور رہ کر دیکھ لے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۲)

قرآن شریف یا سنّت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں اپنی کمزوری کی وجہ سے کوئی بات نہ پاسکے تو اس کو اجتہاد سے کام لینا چاہیئے۔ مثلاً شادیوں میں جو بھاجی دی جاتی ہے۔ اگر اس کی غرض صرف یہی ہے کہ تا دوسروں پر اپنی شیخی اور بڑائی کا اظہار کیا جاوے تو یہ ریاکاری اور تکبّر کے لئے ہوگی۔ اس لئے حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص محض اسی نیّت سے کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ[۱] کا عملی اظہار کرے اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[۲] پر عمل کرنے کے لئے دوسرے لوگوں سے سلوک کرنے کے لئے دے تو یہ حرام نہیں۔ پس جب کوئی شخص اس نیّت سے تقریب پیدا کرتا ہے اور اس میں معاوضہ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنا غرض ہوتی ہے تو پھر وہ ایک سو نہیں خواہ ایک لاکھ کو کھانا دے منع نہیں۔ اصل مدار نیّت پر ہے۔ نیّت اگر خراب اور فاسد ہو تو ایک جائز اور حلال فعل کو بھی حرام بنا دیتی ہے۔ ایک قصّہ مشہور ہے۔ ایک بزرگ نے دعوت کی اور اس نے چالیس چراغ روشن کئے۔ بعض آدمیوں نے کہا۔ اس قدر اسراف نہیں چاہیئے۔ اس نے کہا جو چراغ میں نے ریاکاری سے روشن کیا ہے۔ اُسے بُجھا دو۔ کوشش کی گئی ایک بھی نہ بُجھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی فعل ہوتا ہے اور دو آدمی اس کو کرتے ہیں۔ ایک اس فعل کو کرنے میں مرتکب معاصی کا ہوتا ہے اور دوسرا ثواب کا۔ اور یہ فرقِ نیّتوں کے اختلاف سے پیدا ہو جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک شخص مسلمانوں کی طرف سے نکلا جو اکڑ اکڑ کر چلتا تھا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس سے اللہ تعالےٰ نے منع کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو فرمایا کہ یہ وضع خداوند تعالےٰ کی نگاہ میں معیُوب ہے مگر اس وقت محبوب ہے کیونکہ اس وقت اسلام کی شان اور شوکت کا اظہار اور فریقِ مخالف پر ایک رُعب پیدا ہوتا ہے۔ پس ایسی بہت سی مثالیں اور نظیریں ملینگی جن سے آخر کار جا کر یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ بالکل صحیح ہے۔

اسی طرح پر میں ہمیشہ اسی فِکر میں رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں کہ کوئی راہ ایسی نکلے جس سے اللہ تعالےٰ کی عظمت اور جلال کا اظہار ہو اور لوگوں کو اس پر ایمان پیدا ہو۔

[۱] الضحیٰ: ۱۲ [۲] البقرۃ: ۴

ایسا ایمان جو گناہ سے بچاتا ہے اور نیکیوں کے قریب کرتا ہے۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے مجھ پر لاانتہا فضل اور انعام ہیں۔ اُن کی تحدیث مجھ پر فرض ہے۔ پس میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالےٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے۔ ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا ہے۔ یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالےٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک اُن میں سے خدا تعالےٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں۔ اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں کیونکہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود اللہ تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔ اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالےٰ کی کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا۔ اس تقریب پر چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم کا شکر یہ بھی ہو لکھ دوں۔ میں جیسا کہ ابھی کہا ہے اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں۔ میں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک سمجھا اور میں نے مناسب جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کر دُوں[1]۔

پس یہ میری نیّت اور غرض تھی۔ چنانچہ جب میں نے اس کو شروع کیا۔ اور یہ مصرعہ لکھا ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

تو دوسرا مصرعہ الہام ہوا ؎

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ بھی میرے اس فعل سے راضی ہوا ہے قرآن شریف تقوےٰ ہی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی اس کی علّت غائی ہے۔ اگر انسان تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس کی نمازیں بھی بے فائدہ اور دوزخ کی کلید ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے سعدی کہتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۱و۲ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گذاری دراز

ریاء الناس کے لئے خواہ کوئی کام بھی کیا جاوے اور اس میں کتنی ہی نیکی ہو وہ بالکل بے سود اور اُلٹا عذاب کا موجب ہو جاتا ہے۔ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے فقراء خدا تعالےٰ کے لئے عبادت کرنا ظاہر کرتے ہیں مگر دراصل وہ خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ مخلوق کے واسطے کرتے ہیں۔ انہوں نے عجیب عجیب حالات ان لوگوں کے لکھے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ سفید کپڑے پہنتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ عزت میں فرق آئے گا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر میلے رکھیں گے تو عزت میں فرق آنے گا۔ اس لئے امراء میں داخل ہونے کے واسطے یہ تجویز کرتے ہیں کہ اعلےٰ درجہ کے کپڑے پہنیں مگر اُن کو رنگ لیتے ہیں۔ ایسا ہی اپنی عبادتوں کو ظاہر کرنے کیلئے عجیب عجیب راہیں اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً روزہ کے ظاہر کرنے کے واسطے وہ کسی کے ہاں کھانے کے وقت پر پہنچتے ہیں۔ اور وہ کھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں۔ کہ آپ کھائیے مَیں نہیں کھاؤں گا مجھے کچھ عذر ہے۔ اس فقرہ کے یہ معنے ہوتے ہیں مجھے روزہ ہے اس طرح پر حالات اُن کے لکھے ہیں۔ پس دنیا کی خاطر اور اپنی عزت اور شہرت کے لئے کوئی کام کرنا خدا تعالےٰ کی رضامندی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں بھی دنیا کی ایسی ہی حالت ہو رہی ہے۔ ہر ایک چیز اپنے اعتدال سے گر گئی ہے۔ عبادات اور صدقات سب کچھ ریاکاری کے واسطے ہو رہے ہیں۔ اعمال صالحہ کی جگہ چند رسُوم نے لے لی ہے۔ اس لئے رسُوم کے توڑنے سے یہی غرض ہوتی ہے کہ کوئی فعل یا قول قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف اگر ہو تو اُسے توڑا جائے۔ جبکہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور ہمارے سب اقوال اور افعال اللہ تعالےٰ کے نیچے ہونے ضروری ہیں۔ پھر ہم دُنیا کی پروا کیوں کریں؟ جو فعل اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اس کو دُور کر دیا جاوے اور چھوڑا جاوے۔ جو

حدود الٰہی اور وصایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوں اُن پر عمل کیا جاوے کہ احیاء سُنّت اسی کا نام ہے اور جو امور وصایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف نہ ہوں یا اللہ تعالےٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں اور نہ اُن میں ریا کاری مدنظر ہو بلکہ بطور اظہار شکر اور تحدیث بالنعمة ہو تو اس کے لئے کوئی ہرج نہیں۔ ہمارے علماء سابقہ تو یہاں تک بعض اوقات مبالغہ کرتے ہیں کہ میں نے سُنا ایک مولوی نے ریل کی سواری کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور ڈاک خانہ میں خط ڈالنا بھی وُہ گناہ بتاتا تھا۔ اب یہاں تک جن لوگوں کے حالات پہنچ جاویں۔ ان کے پاگل یا نیم پاگل ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ یہ حماقت ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ میرا فلاں فعل اللہ تعالےٰ کے فرمودہ کے موافق ہے یا خلاف ہے اور جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ یہ کوئی بدعت تو نہیں اور اس سے شرک تو لازم نہیں آتا۔ اگر ان امور میں کوئی بات نہ ہو اور فسادِ ایمان پیدا نہ ہو تو پھر اس کے کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا لحاظ رکھ لے۔ میں نے بعض مولویوں کی نسبت ایسا بھی سُنا ہے کہ صرف و نحو وغیرہ علوم کے پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ علوم نہ تھے۔ پیچھے سے نکلے ہیں اور ایسا ہی بعض نے توپ یا بندوق کے ساتھ لڑنا بھی گُناہ قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے احمق ہونے میں شک کرنا بھی غلطی ہے۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ جیسی تیاری وہ کریں۔ تم بھی ویسی ہی تیاری کرو۔ یہ مسائل دراصل اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں نیّت کا بہت بڑا دخل ہے۔ غرض ہمارا یہ فعل اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ محض اس کی شکرگذاری کے اظہار کے لئے ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں کوئی کام ہوتا ہے اور جو لوگ حسن ظنی سے کام نہیں لیتے یا اسرار شریعت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بعض وقت اُن کو ابتلا آجاتا ہے اور وہ کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم گھر میں کہانیاں سُنا رہے ہیں۔ اس وقت اگر کوئی نادان اور نااہل آپ کو دیکھے اور آپ کے اغراض کو مدنظر نہ رکھے تو اُس نے ٹھوکر ہی کھانی ہے۔ یا ایک مرتبہ آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے گھر میں تھے اور دوسری بیوی نے آپؐ کے لئے شوربے کا پیالہ بھیجا تو حضرت عائشہؓ نے اس پیالہ کو گرا کر پھوڑ دیا۔ اب ایک ناواقف حضرت عائشہ کے اس فعل پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے افعال پر نظر نہیں کرتا۔ ایسے امور پیش آتے ہیں جو دوسرے علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اعتراض سے پہلے انسان کو چاہیئے کہ حُسنِ ظن سے کام لے اور چند روز تک صبر سے دیکھے۔ پھر خود بخود حقیقت کھُل جاتی ہے۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت مہمان آئی اور ان دنوں میں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ چند بی بیوں سے نماز ساقط ہو گئی تھی۔ اُس نے کہا کہ یہاں کیا آنا ہے کوئی نماز ہی نہیں پڑھتا۔ حالانکہ وہ معذور تھیں اور عنداللہ اُن پر کوئی مؤاخذہ نہ تھا۔ مگر اُس نے بغیر دریافت کئے اور سوچے ایسا کہہ دیا۔

تزکیہ دل میں ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کچھ نہیں بنتا۔ حالانکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز کا ہے کہ جب پہلا بشیر پیدا ہوا تھا۔ اس کی شکل مبارک سے بہت ملتی تھی۔ وہ بیمار ہوا اور شدت سے اس کو بخار چڑھا ہوا تھا یہانتک کہ اس کی حالت نازک ہو گئی۔ اس وقت نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نماز پڑھ لوں۔ ابھی نماز ہی پڑھتے تھے کہ بچّہ فوت ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ میں نے کہا۔ کہ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اسی وقت میرے دل میں ڈالا گیا کہ اللہ تعالےٰ ان کو نہیں اُٹھائے گا جبتک اس بچّہ کا بدلہ نہ دے لے۔ چنانچہ اس کے فوت ہونے کے قریباً چالیس دن بعد محمُود پیدا ہوا۔ اور اس کے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ بچّے پیدا ہوئے۔ غرض ظنونِ فاسدہ والا انسان ناقص الخلقت ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے پاس صرف رسمی امور ہوتے ہیں اس لئے نہ اس کا دین درست ہوتا ہے نہ دنیا۔ ایسے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں مگر نماز کے مطالب سے ناآشنا ہوتے ہیں اور ہرگز نہیں سمجھتے کہ کیا کر رہے ہیں۔ نماز میں تو

ٹھونگے مارتے ہیں لیکن نماز کے بعد دُعا میں گھنٹہ گھنٹہ گذار دیتے ہیں۔تعجب کی بات ہے کہ نماز جو اصل دُعا کے لئے ہے اور جس کا مغز ہی دُعا ہے اس میں وہ کوئی دُعا نہیں کرتے۔ نماز کے ارکان بجائے خود دُعا کے لئے محرک ہوتے ہیں۔حرکت میں برکت ہے۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے کوئی مضمون نہیں سوجھتا۔جب ذرا اُٹھ کر پھرنے لگتے ہیں تو مضمون سُوجھ گیا۔ اس طرح پر سب اعمال کا حال ہے۔اگر اُن کی اصلیت کا لحاظ اور مغز کا خیال نہ ہو تو وہ ایک رسم اور عادت رہ جاتی ہے۔ اسی طرح روزہ میں خدا کے واسطے نفس کو پاک رکھنا ضروری ہے۔لیکن اگر حقیقت نہ ہو۔ تو پھر یہ رسم ہی رہ جاتی ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ جو خدا تعالےٰ کے فضل پر خوش نہیں ہوتا اور اس کا عملی اظہار نہیں کرتا۔ وہ مخلص نہیں ہے۔میرے خیال میں اگر کوئی شخص خدا تعالےٰ کے فضل پر سال بھر تک گاتا رہے۔ تو وہ سال بھر ماتم کرنے والے سے اچھا ہے۔جو امور قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف ہوں یا اُن میں شرک یا ریا ہو اور ان میں اپنی شیخی دکھائی جاوے وہ امور اثم میں داخل ہیں۔ اور منع ہیں۔دَف کے ساتھ شادی کا اعلان کرنا بھی اسی لئے ضروری ہے کہ آئندہ اگر جھگڑا ہو تو ایسا اعلان بطور گواہ ہو جاتا ہے۔ایسا ہی اگر کوئی شخص نسبت اور ناطہ پر شکر وغیرہ اس لئے تقسیم کرتا ہے کہ وہ ناطہ پکا ہو جائے تو گناہ نہیں۔لیکن اگر یہ خیال نہ ہو بلکہ اس سے مقصد صرف اپنی شہرت اور شیخی ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہوتے۔اسی طرح میرے نزدیک باجے کی بھی حِلّت ہے۔اس میں کوئی امر خلاف شرع نہیں دیکھتے بشرطیکہ نیّت میں خلل نہ ہو۔نکاحوں میں بعض وقت جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور وراثت کے مقدمات ہو جاتے ہیں۔جب اعلان ہو گیا ہوا ہوتا ہے تو ایسے مقدمات کا انفصال سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔اگر نکاح گُم صُم ہو گیا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی تو پھر وہ تعلقات بعض اوقات قانوناً ناجائز سمجھے جا کر اولاد محروم الارث قرار دے دی جاتی ہے۔ ایسے امور صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہیں کیونکہ ان سے شرع کے قضایا فیصل ہوتے ہیں۔ یہ لڑکے جو پیدا ہوتے رہتے ہیں۔بعض وقت اُن کے عقیقہ پر ہم نے دو دو ہزار آدمی کو دعوت

دی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہماری غرض اس سے یہی تھی کہ تا اس پیشگوئی کا جوہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے کی گئی تھی بخوبی اعلان ہو جاوے۔

بدظنی سے حبطِ اعمال ہو جاتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا۔ کہ میں اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھوں گا۔ ایک بار وہ دریا پر گیا تو اُس نے دیکھا ایک جوان عورت ہے اور ایک مرد بھی اس کے ساتھ ہے اور دونو بڑی خوشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہاں اس نے دعا کی کہ الٰہی میں اس شخص سے تو بہتر ہوں کیونکہ اس نے حیا چھوڑ دیا ہے۔ اتنے میں کشتی آئی۔ سات آدمی تھے، وہ غرق ہو گئے۔ وہ شخص جس کو اس نے شرابی سمجھا تھا۔ دریا میں کُود پڑا اور چھ کو بچا لایا اور ایک باقی رہا تو اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے ایسا گمان کیا تھا۔ اب ایک باقی ہے، اُسے نکال لا۔ اس وقت اُس نے سمجھا کہ یہ تو مجھے ٹھوکر لگی۔ آخر اس سے اصل معاملہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں تیرے لئے خدا کا مامور ہوں۔ یہ عورت میری والدہ ہے اور جس کو تو شراب کہتا ہے یہ اس دریا کا پانی ہے اور یہاں میں خدا تعالیٰ کے بٹھائے سے بیٹھا ہوں۔

غرض حُسن ظن بڑی عمدہ چیز ہے۔ اس کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام پر اُس کا شکر کرنا کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ محض اس کی رضا ہی مطلوب ہو اور دنیا کی شیخی اور نمود غرض نہ ہو۔[۱]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ و ۱۴)

---

[۱] - الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۲ء[1] (صبح کی سیر میں)

فرمایا :-

" دل اللہ کے قابو میں ہیں جب تک وہ سمجھانے پر نہ آئے دل کب کُھلتا ہے اور کان کب سُنتے ہیں۔"

"منجملہ اسلام کی بہتری کے نشانوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑے آدمی دیندار ہو جائیں۔اور یہ وقت پر مقدر ہے۔"

ریل زمانہ مسیح موعود کی نشانی ہے

فرمایا :-

"حقیقت میں یہ ریلوے مسیح موعودؑ کا ایک نشان ہے۔ قرآن شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔"[2]

فرمایا :-

" دینداری تو تقویٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگر غور کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لیتر کن القلاص میں ریل کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ اگر اس سے ریل مراد نہیں تو پھر اُن کا فرض ہے کہ وہ حادثہ بتائیں جس سے اونٹ ترک کئے جاویں گے۔پہلی کتابوں میں بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آمد و رفت سہل ہو جائے گی۔

اصل تو یہ ہے کہ اس قدر نشانات پُورے ہو چکے ہیں کہ یہ لوگ تو اس میدان سے بھاگ ہی گئے ہیں۔جیسے کسوف خسوف رمضان میں کیا اس طریق پر نہیں ہوا جیسا کہ مہدی کی آیات کے لئے مقرر تھا؟ اسی طرح ابتدائے آفرینش سے ایسی سواری کبھی نہیں نکلی ہے۔"

فرمایا :-

"علامات دلالت کرتی ہیں کہ مسیح موعود پیدا ہوگیا ہے۔اگر یہ لوگ ہم کو نہیں مانتے۔ تو

---

[1] یہاں سے جلد سوم کے بعد کی ڈائری شروع ہوتی ہے۔ (مرتب)

[2] التکویر : ۵

پھر کسی اَور کی تلاش کریں اور بتائیں کہ کون ہے کیونکہ جو نشانات اُس کے مقرر کئے تھے وہ توسب کے سب پُورے ہو گئے۔

ظہور مہدی سے متعلق احادیث کا مرتبہ

محمد حسین اور صدیق حسن نے لکھا ہے کہ مہدی کی حدیثیں مجروح ہیں۔ مہدی اور مسیح گویا ایک شعر کے دو مصرعے ہیں۔ جب ایک مصرعہ ٹوٹ گیا تو پھر دوسرا وزن پُورا کرنے کے لئے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اُن کے لئے بڑی مشکلات ہیں۔

عادت اللہ اسی طور پر جاری ہے کہ جب کوئی بات اس کی طرف سے پیدا ہوتی ہے تو لوگ اس کو تعجب انگیز ہی سمجھتے ہیں۔ یہودی اپنے خیال میں انتظار ہی کرتے رہے اور آنے والا مسیح اور وہ نبی گذر بھی گئے۔ تعجب کی بات ہے کہ ہمارے مخالفوں کے ہاتھ میں مسیحؑ کی وفات[1] کے متعلق کیا ہے جس سے اُن کو تسلی ملتی ہے۔"

سہ سالہ پیشگوئی سے مُراد

ایک صاحب شاہجہان پور سے آنے والے نے پوچھا کہ سہ سالہ پیشگوئی سے کیا مراد ہے؟

فرمایا:-

"اِن تین سال کے اندر بہت سی پیشگوئیاں پُوری ہو چکی ہیں۔ وہ سب اسی کے ماتحت ہیں۔ اور پھر یہ طاعون والی عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کے ذریعہ قریباً دس ہزار لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اور ابھی اڑھائی مہینے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اَور کوئی خاص عظیم الشان نشان بھی دکھا دے جو ان سب سے بڑھ کر ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوتے رہے لیکن مخالف یہی کہتے رہے۔ فلیأتنا بأیۃٍ کما اُرسل الاوّلون۔

یہ کتاب جو اَب لکھی جارہی ہے۔ ہر قسم کے معجزات کا مجموعہ ہے۔ استجابتِ دُعا

[1] سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ "حیات" چاہیئے (مرتب)

کا نمونہ اس میں موجود ہے۔ خوارق اور پیشگوئیوں کا یہ مجموعہ ہے۔ کوئی غور کرکے دیکھے کہ کیا طاعون ہم نے خود بنا لیا اور پھر اعجاز المسیح چھوٹا نشان ہے؟ منعہٗ مانعٌ من السّماءِ بھی اسی کے ساتھ ہے۔"

نماز میں سُستی دُور کرنے کا علاج اور مرض طاعون

ایک علی گڑھ کے طالب علم نے اپنی حالت کا ذکر کیا کہ نماز میں سُستی ہو جاتی ہے اور میرے ہم مجلسوں نے اس پر اعتراض کیا اور اُن کے اعتراض نے مجھے بہت کچھ متأثر کیا۔ اس لئے حضور کوئی علاج اس سُستی کا بتائیں۔ فرمایا:-

"جب تک خوفِ الٰہی دل پر طاری نہ ہو گناہ دُور نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جہانتک موقعہ ملے ملاقات کرتے رہو۔ ہم تو اپنی جماعت کو قبر کے سر پر رکھنا چاہتے ہیں۔ کہ قبر ہر وقت مدنظر ہو لیکن جو اس وقت نہیں سمجھے گا وہ آخر خدا تعالےٰ کے قہری نشان سے سمجھے گا۔

اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آخری دنوں میں آسمان سے ایک وبا نازل کرے گا اور اس سے ہلاک کر دے گا۔ ان دنوں میں جب موت کا بازار گرم ہو اور خدا تعالےٰ کی گرفت کا سلسلہ شروع ہو جائے پھر توبہ کرے اور سمجھے کہ زندگی ناچیز ہے۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ توبہ اور خدا تعالےٰ سے خوف اُس وقت مفید ہوتا ہے جبکہ خدا کا عذاب نہ آگیا ہو۔ خدا تعالےٰ سے دُور تر وہ ہے جو آنکھ کا اندھا اور دل کا سخت ہو اگر طاعون نہ آتی تو بھی ایک دانشمند اور سعید الفطرت کے لئے یہ سبق کافی تھا کہ لوگوں کے باپ دادا اور بزرگ مر گئے اور مرتے جاتے ہیں اور یہاں کوئی ہمیشہ رہ نہیں سکتا۔ لیکن اب تو خدا تعالےٰ نے اپنے کلام کے ذریعہ مجھے اطلاع دی کہ اَلْاَمْرَاضُ تُشَاعُ وَالنُّفُوسُ تُضَاعُ۔ مرضیں پھیلیں گی اور جانیں جائیں گی اور ایسا ہی فرمایا۔ غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا۔ میں سخت غضب میں بھر گیا ہوں۔ یاد رکھو کہ یہ ساری باتیں ہونے والی ہیں اور اُن کے آثار تم دیکھتے ہو۔ پس لازم ہے کہ انسان ایسی حالت

بنائے رکھے کہ فرشتے بھی اس سے مصافحہ کریں۔ ہماری بیعت سے تو یہ رنگ آنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی ہیبت اور جلال دل پر طاری رہے۔ جس سے گناہ دُور ہوں۔ اگر ان پیشگوئیوں پر کسی کو ایمان نہ ہو تو کم از کم اتنا ہی سمجھ لے کہ اب تو ڈاکٹروں کی شہادت سے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ خطرناک بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جبکہ اب ایسا خوفناک نمونہ پیدا ہو گیا ہے تو وہ شخص کیسا ہی بدنصیب ہے جو اس وقت بھی غفلت سے زندگی بسر کرتا ہے۔

اس بات پر تمام کتابوں کا اتفاق ہے اور سب لوگ مانتے ہیں کہ آخری دنوں میں طاعُون آئے گی۔ سارے نبی اس کی خبر دیتے آئے ہیں۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ آخری دنوں میں توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس کے یہی معنے ہیں کہ جب موت نے آکر پکڑ لیا پھر کیا فائدہ توبہ سے ہوگا؟ پکڑا ہوا تو درندہ بھی عاجز ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ سے ڈرنا چاہیئے اور خدا کا خوف اور خشیت پابندیٔ نماز سے شناخت ہوتی ہے۔ دیکھو انسان گورنمنٹ کے احکام کی کس قدر پابندی کرتا ہے پھر آسمانی گورنمنٹ کے احکام کی جس کو زمینی گورنمنٹ سے کوئی نسبت ہی نہیں کیوں قدر نہیں کرتا؟ یہ بڑا ہی خطرناک وقت ہے۔ طاعُون ایک عذاب الٰہی ہے۔ اس سے ڈرو اور اچھا نمونہ دنیا کو دکھاؤ۔ اگر کوئی شخص سلسلہ میں ہو کر بُرا نمونہ دکھاتا ہے تو اس سے سلسلہ پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ کیونکہ سمندر میں تو ہر ایک چیز ہوتی ہے۔ لیکن وہ خود اپنی جان پر ظُلم کرتا ہے اور اُسے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اس واسطے بہت دعائیں کرنی چاہئیں تاکہ خدا تعالےٰ غفلت سے بیدار کرے۔ سُستیوں اور غفلتوں سے گُناہ آتے ہیں اور پھر خدا کے خوف کا نقشہ آنکھوں سے جاتا رہتا ہے۔ پس وہی سعید سعادت کے دامن کے اندر ہے جو اس خطرناک وقت میں ٹھٹھے کرنے والوں کی مجلس میں نہ بیٹھے اور خدا سے تنہائی میں دعائیں کرے اور اس سے ڈرے کہ ایسا نہ ہو رات کو یا دن کے کسی حصہ میں اُس کا عذاب آجائے۔

قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ایک مُصلح کی ضرورت

پھر اسی نوجوان نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ سوال بھی مجھ سے کیا کہ قرآن شریف تو محرّف

مبدّل نہیں ہوا۔ کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کہ:-

"کیا خدا کی طرف سے کسی کے آنے کی ضرورت کا ایک یہی باعث ہے کہ قرآن شریف محرّف مبدّل ہو۔ اور علاوہ بریں قرآن شریف کی معنوی تحریف تو کی جاتی ہے۔ جبکہ اُس میں لکھا ہے کہ مسیح مرگیا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور تحریف کیا ہوتی ہے؟ یہ لوگ تحریف تو کر رہے ہیں۔ اور پھر مسلمانوں کی عملی حالت بہت ہی خراب ہو رہی ہے۔ نیچریوں ہی کو دیکھو۔ اُنہوں نے کیا چھوڑا ہے۔ بہشت دوزخ کے وہ قائل نہیں۔ وحی اور اور دُعا اور معجزات کے وہ مُنکر ہیں۔ انہوں نے یہودیوں کے بھی کان کاٹے۔ یہاں تک کہ تثلیث میں بھی نجات مان لی۔ یہ حالت ہو چکی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ کسی آنے والے کی ضرورت نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ دُنیا تو گناہ سے بھر گئی ہے۔ مگر اُن کی حالت ایسی مسخ ہوئی ہے کہ وہ محسوس ہی نہیں کرتے کہ کسی مُصلح کی بھی ضرورت ہے۔ مگر عنقریب وقت آتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُن کو معلوم کرائے گا اور اس کے غضب کا ہاتھ اب نکلتا آتا ہے۔

زمانہ تو ایسا تھا کہ رو رو کر راتیں کاٹتے مگر اُن کی شوخی سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی بدبخت ہیں۔

گناہ سے بچنے کا ذریعہ

گناہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف دل پر ہو اور جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو اپنا خوف ڈال دیتا ہے۔ محبت بھی ایک ذریعہ گناہ سے بچنے کا ہے مگر یہ بہت اعلےٰ مقام ہے۔ مگر خوف ایک عام ذریعہ ہے۔ جس سے جوان بھی ڈر جاتا ہے، خصوصاً ان دنوں میں۔ بلکہ بعض طبیبوں کا قول ہے کہ جوانوں کو بوڑھوں کی نسبت طاعون کا زیادہ خطرہ ہے۔ کیونکہ خون میں زیادہ جوش ہوتا ہے۔ پس یہ دن جن کو خدا کے قہر کے دن کہا جاتا ہے دراصل خدا تعالےٰ کے رحم کے دن ہیں۔ کیونکہ انسان کو بیدار کرنے والے اور غفلت کی زندگی سے نکالنے والے ہیں۔ چونکہ لوگ غفلت اور گناہ سے باز نہ آتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ کی

چمکار دکھائی۔ یقیناً یاد رکھو کہ اب دن بُرے آتے جاتے ہیں جیسا کہ سب نبیوں نے خبر دی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنا پاک کلام مجھ پر یہی بھیجا کہ اب عقوبت کے دن آتے جاتے ہیں جو اس وقت دُعا کرے گا اور زور لگائے گا کہ نمازوں میں اس کو رونا آئے اور اس کا دل نرم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا جب کہ شدّتِ عذاب ہو اور اس وقت ڈرنے لگتا ہے تو پھر شریر اور حق شناس میں کیا فرق ہوا؟

غرض اس وقت کے تعلقات جو خدا تعالیٰ سے قائم کرو گے وہ کام آئیں گے۔ کیا اچھا کہا ہے حافظ نے ؎

چو کارے عمر ناپیداست بارے آں اولیٰ
کہ روزے واقعہ پیش نگارے خود باشیم

اور ایک یہ بھی علاج ہے گناہوں سے بچنے کا کہ کشتی نوحؑ میں جو نصائح لکھی ہیں اُن کو ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرو۔

دربارِ شام

حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب کی طبیعت کل ناساز تھی۔ آج الحمد للہ اچھی تھی۔

حضرت اقدسؑ نے حال دریافت فرمایا۔ اور پھر فرمایا کہ

"ہم نے جو تصرفات اللہ کے دیکھے ہیں۔ اس سے تو بعض وقت دواؤں کا بھی خیال نہیں آتا۔ بعض وقت ہم کو دوا سے شفا ہوئی اور بعض وقت محض دُعا سے۔ میں نے دعا کی کہ بدُون دوا کے شفا دے تو پھر اذن ہوا کہ ہم نے شفا دی اور شفا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ سُنتا اور جواب دیتا ہے

اُس خدا پر ایمان لانے سے کیا مزا جو قریب قریب بتوں کے ہو نہ سنتا ہو اور نہ جواب دے۔ اُس خدا پر ایمان لانے سے مزا آتا ہے جو قدرتوں والا خدا ہے جو ایسے خدا پر ایمان نہیں لاتا اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور تصرفات پر ایمان نہیں رکھتا اس کا خدا بُت ہے۔

اصل میں خدا تو ایک ہی ہے مگر تجلّیات الگ ہیں۔ جو اس بات کا پابند ہے۔ اس سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے اور جو متوکل ہے اُس سے وہی۔

اگر خدا تعالیٰ ایسا ہی کمزور ہوتا تو پھر نبیوں سے بڑھ کر کوئی ناکام نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اسباب پرست نہ تھے بلکہ خدا پرست اور متوکل تھے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

۱۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء (دربار شام)

ایک رؤیا

بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوۃ والسلام شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے تو آپؑ نے بیٹھتے ہی اپنی ایک رؤیا سُنائی کہ

میں نے اپنے والد صاحب کو خواب میں دیکھا (دراصل ملائکہ کا تمثل تھا مگر آپ کی صورت میں) آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھڑی ہے گویا مجھے مارنے کے لئے ہے میں نے کہا۔ کوئی اپنی اولاد کو بھی مارتا ہے۔ جب میں یہ کہتا ہوں تو اُن کی آنکھیں پُرآب ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ تو میں یہی کہتا ہوں۔ آخر دو تین بار جب اسی طرح ہوا۔ پھر میری آنکھ کھُل گئی۔

فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک الہام میں یوں بھی فرمایا ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ۔ اور یہ قرآن شریف کی ایک آیت کے موافق بھی ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ * ؎

* اس میں یہ اشارہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور حفاظت حضرت موعودؑ کے ساتھ دائمی اور مثل والد کے اولاد سے ہے۔ (یہ تشریحی نوٹ ایڈیٹر کا اپنا معلوم ہوتا ہے۔ مرتب)

؎ المائدۃ : ۱۹

ختم نبوت غیر امتی نبی کے آنے کو مانع ہے

ختم نبوت بھی ایک عجیب سلسلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ختم نبوت کو بھی قائم رکھتا ہے اور اسی کے استفادہ سے ایک سلسلہ جاری کرتا ہے۔ یہ تو ایک علمی بات ہے۔ مگر کجا یہ کہ اس سلسلہ کو اُلٹ پلٹ کر دوسرے نبی کو لایا جاوے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور ارادہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا نبی آوے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ شریعت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ خواہ شریعت نہ بھی رکھتا ہو تب بھی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دُوسرا نبی آپؐ کے سوا اور آپ کے استفادہ سے الگ ہو کر نہیں آسکتا۔ ساری براہین احمدیہ اس قسم کی باتوں سے بھری پڑی ہے اور بہت سے الہام اس کے ممد و معاون ہیں۔

علاوہ اس کے کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ[1] میں جو استخلاف کا وعدہ ہے یہ بھی اسی امر پر صاف دلیل ہے کہ کوئی پُرانا نبی اخیر تک نہ آوے ورنہ کَمَا باطل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کَمَا کے نیچے تو مثیل کو رکھا ہے۔ عَین کو نہیں رکھا۔ پھر یہ کس قدر غلطی اور جُرأت ہے کہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ایک بات اپنی طرف سے پیدا کر لی جاوے اور ایک نیا اعتقاد بنا لیا جاوے۔

اور پھر کَمَا میں مدّت کی بھی تعیین ہے کیونکہ مسیح موسےٰؑ کے بعد چودھویں صدی میں آیا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ آنے والا محمدی مسیح بھی چودھویں صدی میں آئے۔ غرض یہ آیت ان تمام امور کو حل کرتی ہے اگر کوئی سوچنے والا ہو۔

ابن مریم کے آنے سے مُراد

ابن مریم کا سوال بھی خدا تعالیٰ نے بڑی صفائی سے حل کیا ہوا ہے۔ سورہ التحریم میں اس راز کو کھول دیا ہے۔ کہ مومن مریم صفت ہوتا ہے اور پھر اُس میں نفخ رُوح ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسی ترتیب سے پہلے میرا نام مریم رکھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس میں نفخ رُوح ہو اب مریم کے حمل سے جیسے مسیح پیدا ہوا۔ جو اسی رُوح القدس کے نفخ کا نتیجہ تھا۔ اس لئے یہاں خود مسیح بنا دیا۔ براہین احمدیہ کو قرآن شریف کی اس آیت کے ساتھ جو سورہ تحریم میں بیان

[1] النور: ۵۶

ہوئی رکھ کر دیکھو اور پھر اس ترتیب پر غور کرو کہ جو براہین میں رکھی ہے کہ پہلے مریم نام رکھا۔ پھر نفخ رُوح کیا اور پھر یاعیسٰی کہہ کر پکارا۔ اس آیت کی تفسیر کے لئے بھی دراصل یہی زمانہ تھا۔ زمانہ بھی ایک قسم کی عقیم کی صورت پر ہوتا ہے۔

اور رُوح اللہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالےٰ کو حضرت مسیح کا تبریہ منظور تھا۔ کیونکہ بعض اولاد میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس واسطے رُوح اللہ کہہ کر اس الزام کو دُور کیا۔ غرض حضرت مریمؑ کے متعلق جس قدر واقعات قرآن شریف میں ہیں وہی الہام یہاں بھی موجود ہیں۔ یٰلیتنی مِتُّ قبل ھٰذا۔ دراصل جس قسم کی گھبراہٹ مریم کو تھی۔ اسی قسم کا جوش اب بھی یہودیوں میں پیدا ہوا۔ اور ایسا ہی انّٰی لکِ ھٰذا بھی براہین میں درج ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلوی کی وفات کی خبر آنے پر الہام

مولوی نذیر حسین دہلوی کے مرنے کی خبر آئی تو زبان پر اس کے لئے جاری ہوا۔

مَاتَ ضَالٌّ ھَائِمًا[1]

مسیح ناصری کے متعلق غیر احمدیوں کے عقائد

ایک شخص نبی بخش نام ساکن بٹالہ نے آپؑ کو لکھا کہ میں عیسائیوں سے بحث کرنے لگا ہوں۔ حضورؑ نے اُس کو لکھا کہ

تم عیسائیوں سے کیا مباحثہ کروگے؟ اُن کی ساری باتیں تو تم خود مانتے ہو۔ عیسٰی علیہ السلام کو زندہ آسمان پر سمجھتے ہو۔ غیب دان، مُردوں کو زندہ کرنے والا کہتے ہو۔ اور پھر تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ صرف وہی مسِ شیطان سے پاک ہے۔ غرض اس قسم کے جب تمہارے عقائد ہیں تو پھر اُن سے کیا بحث کرنی چاہتے ہو؟ اس سلسلہ کے بغیر اَور کوئی صورت عیسائیوں سے مباحثہ کی نہیں رہی۔ ہمارے مخالفوں نے تو اقبالی ڈگری کرالی ہوئی ہے اور اُن کے تمام عقائد باطلہ کی تائید کی ہوئی ہے۔

---

[1] چنانچہ اس الہام سے اس کی وفات کی تاریخ بھی نکلتی ہے۔ ماتَ ضالٌّ ھائمًا ۱۳۲۰ھ

قرآن مجید میں مسیح کو رُوْحٌ مِّنَ اللّٰہِ کہنے کی وجہ

مسیحؑ کو جو رُوح اللہ کہتے ہیں اور عیسائی اس پر ناز کرتے ہیں کہ یہ مسیحؑ کی خصوصیت ہے یہ اُن کی صریح غلطی ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ قرآن شریف میں مسیحؑ پر رُوح اللہ کیوں بولا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے مسیحؑ ابن مریم پر خصوصیت کے ساتھ بہت بڑا احسان کیا ہے جو اُن کا تبریہ کیا ہے۔ بعض ناپاک فطرت یہودی حضرت مسیحؑ کی ولادت پر بہت ہی ناپاک اور خطرناک الزام لگاتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ بعض ولد اس قسم کے ہوتے ہیں کہ شیطان اُن کی پیدائش میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے دامن کو ان اعتراضوں سے پاک کرنے کے لئے اور اس اعتراض سے بچانے کے لئے جو ولد شیطان کا ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں رُوْحُ اللّٰہِ کہا۔ اس سے خدائی ثابت کرنا حماقت ہے کیونکہ دوسری جگہ حضرت آدم کے لئے نفخت فیہ من روحی[1] بھی تو آیا ہے۔ یہ صرف تبریہ کیا ہے۔ لیکن جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں وہ اُن سے بحث خاک کریں گے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۶، ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

(بعد از نماز مغرب)

میاں احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ سے حسب الحکم حضرت اقدسؑ تشریف لائے اُن کے اتنی جلدی تشریف لانے پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ریل بھی ایک عجیب شئے ہے ایک خارق عادت طور پر انسان کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے۔

ایک شخص نے اپنی آنکھوں کے مرض سے شفا پانے کے لئے دُعا کی درخواست کی۔

[1] الحجر: ۳۰

حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ "اچھا کریں گے۔" پھر فرمایا کہ
آنکھ کان ناک وغیرہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ انعام کی بھی کیا عجیب راہ اختیار کی ہے۔ اگر ایک آنکھ جاتی رہے تو کس قدر بلا نازل ہوتی ہے۔

پنجاب میں طاعون کی ترقی

پھر حضرت اقدسؑ نے نواب محمد علی خاں صاحب سے طاعون کا حال مالیر کوٹلہ کیطرف دریافت فرمایا۔ نواب صاحب نے جواب دیا کہ کچھ شروع ہے مگر کم۔ اب کے دفعہ رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ ہفتہ کی نسبت سے اس ہفتہ کُل ہندوستان میں تو کم ہے مگر خاص پنجاب میں بہت ترقی پر ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ
"پنجاب ہی بگڑا ہوا ہے کوئی اس کا سِرّ تو دریافت کرے۔" فرمایا۔
"حکماء نے لکھا ہے کہ الطاعون ھوالموت۔ جس کے آثار ردّی ظاہر ہوں۔ رنگ سیاہ ہو جائے اور جلد جلد موت ہو تو وہ تو بَلائے آسمانی ہوتی ہے۔ ورنہ مشابہ بالطاعون گلٹیوں کا ہونا اور بخار کا ہونا طاعون نہیں۔ ایک دفعہ ہمارے سب بچوں کو گلٹیاں نکل آئیں صرف اینٹ گرم کرکے سینکتے رہے سب کو آرام ہو گیا۔
طاعون تو ایک سِرّ مخفی کی طرح ہے۔ ورنہ بعض اوقات اس کے عوارض ہو کر پھر انسان کو کچھ نہیں ہوتا۔"

احمد دین صاحب اپیل نویس نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ سرکار نے یہ قانون پاس کیا ہے کہ اگر ایک محلہ میں ایک مریض کو طاعون ہو اور اس محلہ کے پانچ کس یہ کہیں کہ اُسے نکالا جائے اور پانچ صدبہ کہیں کہ نہ نکالو تو اُن پانچ کی رائے پر عملدرآمد ہوگا۔ اور اگر مریض یا اس کے ورثاء اس کی خلاف ورزی کریں تو زیر دفعہ ۱۸۸ وہ مجرم گردانے جائیں گے۔
حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

ایک طرح سے گورنمنٹ نے اپنے سر سے بلا اُتار کر رعایا پر ڈال دی ہے محلہ میں اکثر عداوت وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ خواہ لوگ ایک مبتلائے بخار کو طاعون کہہ کر نکال دیں۔

حفاظت دار سے متعلق الہام

فرمایا:-

آج میری زبان پر پھر یہ الہام جاری تھا۔ انی احافظ کل من فی الدار الا الذین علوا من استکبار۔ ※

الا الذین علوا ہمیشہ ساتھ ہی ہوتا ہے۔ خدا معلوم اس کے کیا معنے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ متنبہ رہیں۔ تقویٰ پر قائم رہیں۔ ایک علو تو اس رنگ میں ہوتا ہے جیسے کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [1] اور ایک علو شیطان کا ہوتا ہے جیسے اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ [2] اور اس کے بارے میں ہے اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ [3] یہ اُس سے سوال ہے کہ تیرا علو تکبر کے رنگ میں ہے یا واقعی ہے۔ خدا تعالےٰ کے بندوں کے واسطے بھی اعلیٰ کا لفظ آیا اور ہمیشہ آتا ہے جیسے اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى [4] مگر یہ تو انکسار سے ہوتا ہے اور وہ تکبر سے ملا ہوا ہوتا ہے ☒

※ الحکم میں اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا باستکبار لکھا ہے (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

☒ علو کے ذکر میں الحکم میں مندرجہ ذیل مضمون بیان ہوا ہے:-

علو جو خدا تعالےٰ کے خاص بندوں کو دیا جاتا ہے وہ انکسار کے رنگ میں ہوتا ہے اور شیطان کا علو استکبار سے ملا ہوا تھا۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا تو آپ نے اسی طرح اپنا سر جھکایا اور سجدہ کیا جس طرح ان مصائب اور مشکلات کے دنوں میں جھکاتے اور سجدے کرتے تھے جب اسی مکہ میں آپ کی ہر طرح سے مخالفت کی جاتی اور دکھ دیا جاتا تھا جب آپ نے دیکھا کہ میں کس حالت میں یہاں سے گیا تھا۔ اور کس حالت میں اب آیا ہوں تو آپ کا دل خدا کے شکر سے بھر گیا اور آپ نے سجدہ کیا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[1] الضحیٰ: ۱۲ [2] البقرۃ: ۳۵ [3] صٓ: ۷۶ [4] طٰہٰ: ۶۹

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک شاگرد کا حُقّہ کے متعلق غلط فتویٰ

شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگردوں میں سے ایک کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ

ایک دفعہ وہ شاہ مدرسہ میں تھے تو ایک نے حُقّہ کا فتویٰ پُوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ (حالانکہ غلط تھا) کہ حُقّہ دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جو کہ تکیوں میں ہوتا ہے۔ دس دس دن تک پانی نہیں بدلتے۔ اُسے غسل نہیں دیتے۔ وہ تو حرام ہے۔ اور دُوسرا جس کا پانی بدلتا رہتا ہے۔ اور اُسے غسل دیتے رہتے ہیں وہ حلال ہے۔

عالمِ رُؤیا میں مُردوں کے قبروں سے نکلنے کی تعبیر

پھر اس کے بعد مفتی محمد صادق صاحب ایک انگریزی کتاب حضرت اقدسؑ کو سُناتے رہے جس میں ایک موقعہ پر یہ بھی تھا کہ جب مسیح کو صلیب دی گئی تو اس وقت مُردے قبروں میں سے نکلے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

عالمِ رُؤیا میں مُردہ کے قبر سے نکلنے کی یہ تعبیر ہوتی ہے کہ کوئی گرفتار آزاد ہو۔ ممکن ہے کہ کسی نے اُس وقت کشفی عالم میں یہ دیکھا ہو ورنہ یہ اپنے ظاہری معنوں میں ہرگز نہیں ہوا۔

طاعون کے ٹیکہ کے فوائد پر رائے پرتاپ سنگھ کی تقریر کا ذکر

احباب میں سے ایک نے ذکر سُنایا کہ آج قادیان میں ٹیکہ والے آئے تھے۔ باہر باغ میں انہوں نے سب کو بُلایا اور ایک لمبی تقریر کی جس میں ٹیکہ کے فوائد لوگوں کو بتلائے انجام یہ ہوا کہ سب نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ ہم ٹیکہ لگوائیں گے۔ تقریر کرنے والے صاحب رائے پرتاپ سنگھ تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے مرزا صاحب کو بھی تاکید کرنی تھی مگر چونکہ انہوں نے ماننا نہیں اور ڈھنگ بنایا ہُوا ہے اس لئے سردست

اُن کی خدمت میں کچھ نہیں کہتا۔ پھر کسی وقت موقعہ ہوا تو کہوں گا۔ میں یہاں پر نہ آتا مگر چونکہ متواتر طور پر رپورٹ پہنچی ہے کہ چوڑھوں میں طاعون ہے اس لئے آنا پڑا۔

اس پر حکیم نورالدین صاحب نے بیان کیا کہ ہمارے ہاں نہالی چوڑھی آتی ہے میں نے اُس سے طاعون کا حال دریافت کیا تھا کہنے لگی کہ طاعون تو ہے نہیں ایک لڑکی مری ہے وہ کئی دنوں سے بیمار تھی اب کہتے ہیں کہ طاعون سے مری۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

چُوڑھوں میں ہمیشہ کبھی نہ کبھی ایسی موتیں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دفعہ اسی موسم میں پچاس آدمی ہیضہ سے مَر گئے تھے حالانکہ طاعون وغیرہ نہ تھی اور چوڑھوں کا محلہ تو ہم سے ایسا ہی دُور ہے جیسے کہ ننگل۔ بھینی (دو گاؤں متصل قادیان) یہ لوگ زبردستی اُسے الحاق کرتے ہیں (آخرکار چوڑھوں کی موت کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ان لوگوں نے مُردہ مویشی اس وقت کھائے جبکہ وہ متعفن ہو گئے تھے)

پھر بیان کیا گیا کہ ٹیکہ والوں نے سردست کُل اکابرین دہ ہندو مسلمان کے دستخط کرائے ہیں شاید کَل یا پرسوں پھر آویں گے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

ہمارے دستخط کشتی نوح میں ہیں **جو خدا کے ساتھ سیدھا اور راست ہوگا۔ تو طاعُون کی کیا مجال ہے کہ اس کے پاس آوے۔**

پھر جماعت کو مخاطب کر کے حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

صحابہؓ میں طاعون ہوتا رہا ہے ہاں انبیاء کو ہرگز نہیں ہوا۔ اگر کوئی اس پر سوال کرے تو جواب یہی ہے کہ ہر ایک رنگ جُدا ہے **ثابت کرو کہ کوئی نبی طاعُون سے مرا ہو۔** ورنہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کس قدر فتنہ برپا ہوتا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ یہودیوں کو طاعُون ہوا تو موسیٰؑ کو بھی ساتھ ہوا ہو ورنہ سارے یہودی مُرتد ہو جاتے۔

٭ ٭ ٭ ٭

طاعون کا علاج

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ٹیکہ بھی علاج نہیں اور اللہ تعالےٰ کا وعدہ حفاظت کا ہے تو پھر مرہم عیسیٰ اور جدوار کا استعمال کیوں بتلایا ہے۔

حضرت صاحب نے فرمایا کہ

جو علاج اللہ تعالےٰ بتلا دے وہ تو اسی حفاظت میں داخل ہے کہ اس نے خود ایک طریق حفاظت بھی ساتھ بتلا دیا اور انشراح صدر سے ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں لیکن اگر ٹیکہ میں خیر ہوتی تو ہم کو اس کا حکم کیا جاتا اور پھر دیکھتے کہ سب سے اول ہم ہی کرواتے۔ اگر خدا تعالےٰ آج ہی بتلا دے کہ فلاں علاج ہے یا فلاں دوا مفید ہے تو کیا ہم اُسے استعمال نہ کریں گے؟ وہ تو نشان ہوگا۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم خود کس قدر متوکل تھے مگر ہمیشہ لوگوں کو دوائیں بتلاتے تھے۔ اگر ہم عوام الناس کی طرح ٹیکہ کروائیں تو خدا پر ایمان نہ ہوا۔ پہلے یہ تو فیصلہ کیا جائے کہ آیا ہم نے ۲۲ برس پہلے طاعون کی اطلاع دی کہ جس وقت طاعون کا نام و نشان نہ تھا۔ اور پھر ہر ۵ برس کے بعد اس کے متعلق ضرور کوئی نہ کوئی خبر دی جاتی رہی ہے۔ پھر پنجاب کے متعلق خبر دی حالانکہ اس وقت کوئی مقام اس میں مبتلا نہ تھا۔ پھر ایک دم پنجاب کے ۲۳ ضلعوں میں پھیل گئی۔ وہ تمام کتابیں جن میں یہ بیان ہیں خود گورنمنٹ کے پاس موجود ہیں۔ اگر ٹیکہ میں کوئی خیر ہوتی تو خدا خود ہمیں بتلاتا اور ہم اس وقت سب سے پہلے ٹیکہ لگوانے میں اول ہوتے۔ مگر جب گورنمنٹ نے اختیار دیا ہے تو یہ اختیار گویا خدا تعالےٰ ہی نے ہمیں دیا ہے کہ جبر اُٹھوا دیا۔

طاعون کے سلسلہ میں جماعت کو نصیحت

ہماری جماعت کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہو کہ وہ اس دعویٰ بیعت پر نازاں رہیں۔ بلکہ اُن کو اپنے اندر تبدیلی کرنی چاہیئے۔ دیکھو طاعون کئی بار موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر پڑی۔ اب دشمن تو خوش ہوتے ہوں گے۔ مگر موسےٰ علیہ السلام کو کس قدر شرمساری ہوئی ہوگی۔ لکھا ہے کہ بلعم کی بد دعا کی وجہ سے اسی ہزار وبا سے مرگئے تھے[1]۔ اگرچہ اور لوگ بھی گنہگار تھے

[1] حاشیہ: الحکم میں ہے، یہ سب ابتلاء اُن کی اپنی بدکاریوں کا نتیجہ تھا اور اُنہوں نے اس طرح پر اپنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مگر موسٰے علیہ السلام کی قوم اس وقت دوہری ذمہ دار تھی۔ بہت کم لوگ ہیں جو کہ دلوں کو صاف کرتے ہیں۔ اگر ایک پاخانہ میں سے پاخانہ تو اُٹھا لیا جاوے مگر اس کے چند ایک ریزے باقی رہیں تو کسی کا دل گوارا کرتا ہے کہ اس میں روٹی کھاوے۔ اسی طرح اگر پاخانہ کے ریزے دل میں ہوں تو رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے[1]۔

اِلّا الّذین علوا کا لفظ ہمیشہ دل میں خطرہ ڈالتا ہے کہ قضا و قدر مقدر ہے۔ بار ہا قرآن شریف کو پڑھو[2] اور اپنی اصلاح کرو۔ اگر ہماری جماعت میں سے کسی کو طاعون ہوا تو مخالف

عمل سے گویا موسٰی علیہ السلام کو بدنام کیا۔ پس تم اپنے آپ کو درست کرو تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی سلسلہ کو بدنام کرنے والا ٹھہرے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] اسی ذکر میں الحکم میں مزید لکھا ہے:۔

میرے واسطے یہ ایک نشان ہے اور میں اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا انّی احافظ کل من فی الدار اور احافظک خاصۃ مگر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہ نرے دعویٰ پر ہی نہ رہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو درست کرے اور اپنی اصلاح کرے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا۔ اور تقویٰ اور طہارت اختیار نہیں کرتا۔ وہ گویا اس سلسلہ کا دشمن ہے جو اس کو بدنام کرنا چاہتا ہے اور یہ سلسلہ خود خدا تعالےٰ نے قائم کیا ہے اس لئے اپنے عمل سے وہ گویا خدا تعالےٰ کی مخالفت کرتا ہے پھر اللہ تعالےٰ اس کی کیا پروا کرے گا۔ اُسے تو اپنے سلسلہ کی عظمت منظور ہے۔ وہ ایسے لوگوں سے جو اس کے لئے دشمنی کا کام کریں سلسلہ کو صاف کر دے گا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] الحکم میں لکھا ہے:۔

الہام میں جو یہ آیا ہے اِلّا الّذین علوا باستکبار یہ بڑا منذر اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی شور ڈالیں گے کہ دیکھو ٹیکہ نہ کرایا تو ہلاک ہوئے اور اگر وہ بچے رہے تو ہنسیں گے۔ خدا کے کام اور حفاظت سے حصہ لینے والا وہ شخص ہے جو اپنے دل میں سمجھ لے کہ میں نے تبدیلی پیدا کر لی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہو جائے۔ جس طرح انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے تھے۔[1]

عذاب شدید آنے والا ہے۔ فرق سے فرق ہوتا ہے۔ اگر بیعت کے وقت وعدہ اور

ڈرانے والا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بار بار کشتی نوح کو پڑھو اور قرآن شریف کو پڑھو اور اس کے موافق عمل کرو۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ تم نے اپنی قوم کی طرف سے جو لعنت ملامت لینی تھی لے چکے۔ لیکن اگر اس لعنت کو لے کر خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی تمہارا معاملہ صاف نہ ہوا اور اس کی رحمت اور فضل کے نیچے نہ آؤ تو پھر کس قدر مصیبت اور مشکل ہے۔ اخباروں والے کس قدر شور مچاتے ہیں۔ اور ہماری مخالفت میں ہر پہلو سے زور لگاتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ کے کام بابرکت ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس برکت سے حصہ لینے کے لئے ہم اپنی اصلاح اور تبدیلی کریں۔ اس لئے تم اپنے ایمانوں اور اعمال کا محاسبہ کرو۔ کہ کیا ایسی تبدیلی اور صفائی کر لی ہے کہ تمہارا دل خدا تعالیٰ کا عرش ہو جائے۔ اور تم اُس کی حفاظت کے سایہ میں آجاؤ۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] اسی ذکر میں الحکم میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :-

میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ایسے پاک صاف ہو جاؤ۔ جیسے صحابہؓ نے اپنی تبدیلی کی۔ انہوں نے دُنیا کو بالکل چھوڑ دیا گویا ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے۔ اسی طرح تم اپنی تبدیلی کرو۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

ہے۔ اور پھر عمل اَور ہے تو دیکھو کتنا فرق ہے۔ اگر تم خدا سے فرق رکھو گے تو وہ تم سے فرق رکھے گا۔ اگر ہماری جماعت سے سَو آدمی مر جائیں تو ہم یہی کہیں گے کہ اُن کے دلوں میں فرق تھا[1] کیونکہ ہمیں کسی کے اندرونہ کا کیا حال معلوم ہے۔ عیسٰیؑ اور موسٰےؑ کے وقت کیا ہوا۔

ہم دواؤں کی تاثیرات سے منکر نہیں ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ ادھر تم نے ٹیکہ نہ کرایا۔ اور اگر چند ایک لوگ مبتلائے طاعون ہوئے تو وہ لوگ کس قدر بہتر ہونگے جنہوں نے ٹیکہ کرایا ہوگا۔ مگر بڑا بیوقوف ہے جو کہ اُس دوا کو بھی نہ پیوے اور پھر اس دوا سے بھی محروم رہے کہ اُس کا معاملہ خدا کے ساتھ ٹھیک نہ ہو تو وہ گویا دونو طرف سے محروم رہا[2]۔ پھر اگر ہماری جماعت

[1] الحکم میں ہے:۔

رُو بدُنیا نہ رہو بلکہ خدا ہی کی طرف متوجہ ہو جاؤ

"خدا تعالیٰ کا شدید عذاب آنے والا ہے اور وہ خبیث اور طیب میں ایک امتیاز کرنیوالا ہے وہ تمہیں فرقان عطا کرے گا جب دیکھے گا کہ تمہارے دلوں میں کسی قسم کا فرق باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی بیعت میں تو اقرار کرتا ہے کہ دین کو دُنیا پر مقدم کروں گا مگر عمل سے وہ اس کی سچائی اور وفاء عہد ظاہر نہیں کرتا تو خدا کو اس کی کیا پرواہ ہے۔ اگر اس طرح پر ایک نہیں سَو بھی مر جائیں تو ہم یہی کہیں گے کہ اُس نے اپنے اندر تبدیلی نہیں کی اور وہ سچائی اور معرفت کے نور سے جو تاریکی کو دُور کرتا اور دل میں یقین اور لذت بخشتا ہے، دُور رہا اور اس لئے ہلاک ہوا۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] الحکم میں ہے:۔

"دیکھو ٹیکہ والے اپنی جگہ اسباب پر پنجہ مارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بچ جاویں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ اس سے فائدہ بھی اُٹھا دیں۔ لیکن وہ جو ہمارے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس دوا کو جو ہم پیش کرتے ہیں استعمال نہیں کرتے ہیں اور اس ٹیکہ کو جو خدا نے اُن کے لئے طیار کیا ہے استعمال نہیں کرتے تو افسوس ہے کہ وہ اس ٹیکہ سے بھی جو گورنمنٹ نے تیار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے کسی کو طاعون ہوگا تو اس کا اثر اس کے ایمان پر بھی پڑے گا۔ وہ خیال کرے گا کہ میں تو بیعت میں تھا مجھے کیوں طاعون ہوئی خدا کسی کی ظاہری صورت کو نہیں دیکھتا۔ وہ اس منشار کو دیکھتا ہے جو انسان نے اپنے دل میں بنایا ہوا ہے۔ خدا کے ساتھ صفائی ایک مشکل کام ہے طاعون اگرچہ مومن کے واسطے ایک خوشی ہے مگر چونکہ مخالف کہتے ہیں کہ یہ تمہاری شامت سے آئی ہے اس لئے اگر یہ جماعت اسی طرح تباہ ہو جس طرح دوسرے تباہ ہوتے ہیں۔ تو پھر تو اُن کو خوب ثبوت مل جائے گا کہ واقعی ہماری شامت سے آئی ہے اور اگر ٹیکہ لگوانے والے بھی ہلاک ہوں اور تم بھی ہلاک ہو پھر بھی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ اس لئے تبدیلیاں پیدا کرنی چاہئیں کشتی نوح میں مَیں نے بہت کچھ کہنا تھا مگر انشاء اللہ پھر کسی دوسرے موقعہ پر لکھا جائے گا۔ اتنا لکھا بھی کافی ہے۔

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۷۴

کیا ہے محروم رہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ ٹیکہ ہی کرا لیتے کیونکہ اگر وہ پورا ایمان اور اس کے موافق عمل نہیں رکھتے تو خدا تو اُن کی پروا نہ کرے گا اور پھر اُن کی موت حسرت کی موت ہوگی اور اس سے اُن کے ایمان کو اور بھی صدمہ پہنچے گا۔ خدا تعالےٰ صورت کو نہیں دیکھتا وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ آیا اُس نے میرے منشار کے موافق اپنے آپ کو بنایا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی طاعون سے مَرے اور اُسے کہا جائے کہ وہ جماعت میں تھا تو یہ ایک دھوکا اور مغالطہ ہوگا وہ حقیقت میں اس سے الگ تھا ورنہ ایک موت تو دوسری موت کا کفارہ ہوتی ہے اگر اس کے اپنے جذبات اور نفسانی خواہشوں پر موت آچکی تھی اور وہ دنیا کے فریبوں اور مکاریوں سے الگ ہو چکا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہلاک کیا جاتا ہے اس کا ہلاک کیا جانا ہی اس امر کی دلیل ٹھہر گئی کہ وہ اس سے الگ تھا۔

طاعون سے مرنا بے شک شہید ہوتا ہے مگر اس وقت خدا تعالےٰ نے اس کو ایک نشان ٹھہرایا ہے۔ اس لئے اگر طاعون سے جماعت تباہ ہو جاوے تو پھر یہ نتیجہ نکلے گا کہ یہ ہماری شامت سے آئی ہے جیسا کہ بعض ظالم طبع لوگوں نے مجھے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مجھے یہ فکر ہے کہ وہ مثل نہ ہو کہ نقصانِ مایہ و دیگر شماتتِ ہمسایہ۔ ایک تو مریں۔ اور پھر جھوٹے کہلا کر مریں۔ اگر ایک طرف مخالفوں کی ہزار موت ہو تو وہ نام نہ لیں گے اور ہمارا ایک بھی مرے تو ڈھول بجائیں گے۔ خدا نے صورت تو نہیں دیکھنی۔ اس نے دل دیکھنا ہے مگر لوگ تو ظاہر دیکھتے ہیں اور جس شخص کا نام رجسٹر بیعت میں ہے۔ اُسے جماعت میں خیال کرتے ہیں وہ تو رجسٹر میں صرف نام دیکھیں گے۔ لیکن اگر خدا کے رجسٹر میں نام نہیں ہے تو ہم کیا کر سکیں گے خدا نے ترقی کا موقعہ خوب دیا ہے نفس کو لگام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کونسا وقت ہو سکتا ہے۔ اس وقت سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ اور محنت کرنی چاہیئے۔

سالک اور مجذوب کی تعریف اور حقیقی اطاعت

وہ انسان جو آپ محنت کرتا ہے اُسے سالک کہتے ہیں اور جسے خود خدا دلوے۔ وہ مجذوب ہوتا ہے اور جو سویا رہے تو اسے کوئی کیا کرے ✻ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم[1] بات سُن کر صرف کان تک رکھنے سے فائدہ نہیں ہوتا جبتک دل کو خبر نہ ہو۔ انسان ایک دو کاموں سے سمجھ لیتا ہے کہ میں نے خدا کو راضی کر لیا۔ حالانکہ یہ بات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲: اس قسم کے خطوط لکھے مگر انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کی شامت سے اور کن کے لئے آئی ہے مگر جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

✻ الحکم میں ہے:۔

تفسیر: ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتی یغیّروا ما بانفسھم۔ خدا نے میرے الہام میں جو طاعون کے متعلق ہے یہ آیت رکھی ہے۔ جو اس امر کی طرف راہبری کرتی ہے کہ تبدیلی کی بڑی ضرورت ہے یہ بڑی ہی خوفناک بات ہے کہ انسان سُنکر کانوں تک ہی رہنے دے اور دل تک نہ پہنچے۔ بڑا ہی ظالم وہ شخص ہے جو ظاہری حالت پر خوش ہو جاتا ہے اور سچی اطاعت کی حالت نہیں دکھاتا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[1] الرعد: ۱۲

نہیں ہوتی۔ اطاعت ایک بڑا مشکل امر ہے۔ صحابہ کرامؓ کی اطاعت، اطاعت تھی۔ کہ جب ایک دفعہ مال کی ضرورت پڑی۔ تو حضرت عمرؓ اپنے مال کا نصف لے آئے اور ابوبکرؓ اپنے گھر کا مال و متاع فروخت کرکے جس قدر رقم ہو سکی وہ لے آئے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا کہ تم گھر میں کیا چھوڑ آئے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ نصف۔ پھر ابوبکرؓ سے دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسُول گھر چھوڑ آیا ہوں۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قدر تمہارے مالوں میں فرق ہے۔ اسی قدر تمہارے اعمال میں فرق ہے۔

کیا اطاعت ایک سہل امر ہے[1]۔ جو شخص پورے طور پر اطاعت نہیں کرتا وہ اس سلسلہ کو بدنام کرتا ہے۔ حکم ایک نہیں ہوتا بلکہ حکم تو بہت ہیں۔ جس طرح بہشت کے کئی دروازے ہیں۔ کہ کوئی کسی سے داخل ہوتا ہے اور کوئی کسی سے داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح دوزخ کے کئی دروازے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم ایک دروازہ تو دوزخ کا بند کرو اور دوسرا کھلا رکھو۔ ہمارے لئے تو دوہرا وقت ہے۔ گورنمنٹ بھی ایک طرح سے مخالف ہے۔ کیونکہ اگر گورنمنٹ کو ہم پر ایمان[2] ہوتا تو وہ ہم سے کہتی کہ دُعا کرو۔ ادھر اخباروں نے شور مچایا ہے کہ ہم گورنمنٹ کی

---

[1] الحکم میں ہے:۔

"اطاعت کوئی چھوٹی سی بات نہیں اور سہل امر نہیں یہ بھی ایک موت ہوتی ہے جیسے ایک زندہ آدمی کی کھال اتاری جائے ویسی ہی اطاعت ہے۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] الحکم میں ہے:۔

"یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور ہماری جماعت خصوصیت کے ساتھ بڑی ذمہ داری کے نیچے ہے گورنمنٹ کو بھی ٹیکہ سے جواب دیا اور خود اصلاح بھی نہ کرے تو اس کیلئے سخت خطرہ ہے۔ گورنمنٹ تو ہم پر ایمان نہیں رکھتی جو ہمارے آسمانی ٹیکہ سے فائدہ اٹھائے مگر تم جو اس سلسلہ کو خدا کی طرف سے مانتے ہو اگر عمل نہ کروگے تو خسر الدنیا والآخرۃ ٹھہروگے۔"
(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

مخالفت کی لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں پس خوب یاد رکھو جس طرح دنیا میں ایک عام قانون قدرت خدا کا ہے کہ تُرمبد اگر ہندو کھائے تو اُسے بھی دست آئیں گے اور اگر مسلمان کھائے تو اسے بھی دست آئیں گے۔اسی طرح آفتاب مہتاب کی روشنی سے ہر ایک قوم مشترکہ فائدہ اُٹھاتی ہے اور ایک خاص قانون ہے جو مومنین کے ساتھ برتا جاتا ہے وہ بہت لذیذ اور شیریں ہے اور بہت سے پھلوں سے بھرا ہوا ہے اور ان پھلوں کے درمیان شیرہ بھرا ہوا ہے نہ کہ نشتر۔[1]

ہر ایک کو واجب ہے کہ خوب سمجھے اور اپنے بھائی کو سمجھاوے اور گھر میں عورتوں کو سمجھاوے۔حاضر غائب کو بتلادے۔ دھوکا کھانے والے بہت ہوں گے کیونکہ ابتدائی حالت ہے۔ اسم نویسی کروا کر کوئی خیال نہ کرے کہ صرف اتنے ہی فعل سے وہ خدا کی حفاظت میں آگیا۔

(البدر جلد اول نمبر ۱ صفحہ ۴، ۵ مورخہ ۳۱ ؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] الحکم میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان ہوا ہے:۔
خدا تعالیٰ نے ایک خاص قانون اپنے برگزیدوں اور راست بازوں کے لئے رکھا ہوا ہے وہ ایسا ٹیکہ ہے کہ اس میں نہ نشتر کی ضرورت ہے نہ اس میں تپ آتا ہے جب کوئی اس کی شرائط کو پورا کرنے والا ہو۔ تو وہ خدا کے سایہ میں آجاتا ہے۔ تم اسے اختیار کرو تا تم ضائع نہ ہو۔ ہر شخص جو اس کو سمجھے وہ دوسرے کو سمجھا دے۔ اور حاضر غائب کو پہنچا دے تاکہ کوئی دھوکا نہ کھائے۔ یاد رکھو محض اسم نویسی سے کوئی جماعت میں داخل نہیں جب تک وہ حقیقت کو اپنے اندر پیدا نہ کرے۔ آپس میں محبت کرو، اتلاف حقوق نہ کرو اور خدا کی راہ میں دیوانہ کی طرح ہو جاؤ تاکہ خدا تم پر فضل کرے۔ اُس سے کچھ باہر نہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ ؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

۱۸؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ (بوقت سیر)

حفاظت دار سے متعلق الہام

فرمایا کہ

آج کوئی پہر رات باقی ہوگی کہ الہام ہوا۔

اِنّی احافظ کل من فی الدار و لنجعلہٗ اٰیۃً لِّلنَّاس و رحمۃً منّا و کَانَ امرًا مقضیًّا۔ عندی معالجات۔

اور یہ بھی الہام ہوا مگر اصل لفظ یاد نہیں کہ

ایمان کے ساتھ نجات ہے

یعنی انّی احافظ کو ایک آیت بناویں گے اور کہ علاج ہمارے ہی پاس ہے۔ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کچھ کھلا کھلا دکھلانا چاہتا ہے۔ اب گویا بڑا معاملہ ہے۔ ایک قوم تمنّا سے ٹیکہ کراتی ہے۔ دوسری طرف ہم ہیں جو بالکل خدا پر چھوڑتے ہیں جس وقت مجھے یہ الہام ہوا۔ اس وقت میں نے گھر میں پوچھا کہ تم کو بھی کوئی خواب آیا ہے کیونکہ دیکھا ہے کہ میرے الہام کے ساتھ اُن کو بھی کوئی مصدق خواب آجایا کرتا ہے۔

انہوں نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا بکس ادویہ کا چراغ لایا ہے[1]۔ اور شیخ رحمت اللہ صاحب نے روانہ کیا ہے۔ جب کھولا گیا تو دیکھا کہ ہزارہا شیشیاں اس میں دوا کی ہیں کوئی بڑی کوئی چھوٹی۔ تب گھر میں تعجب کیا کہ کبھی کدائیں[2] دس بارہ شیشیاں منگوائی جاتی تھیں مگر یہ ہزارہا شیشیاں کیوں منگوائی گئیں۔

یہ خواب بھی عندی معالجات کی تصدیق کرتا ہے۔ مجھے بتلایا گیا۔ اُن

---

[1] حاشیہ۔ اخبار الحکم نے مزید یہ لکھا ہے:۔ "حکیم فضل الدین اور نہرو دائی پاس کھڑی ہیں۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] حاشیہ۔ کدائیں پنجابی لفظ ہے جو کبھی کبھار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے (مرتب)

کو دکھلایا گیا۔[1]

علاج حرام تو نہیں۔ اب دیکھو انگریزوں نے ریل بنائی ہے ہم اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تار ایجاد کی ہے۔ اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تیلیاں آگ جلانے کی ولایت سے آتی ہیں۔ اسی طرح اگر اُن کی دوا ہو اور ہم استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں جو خدا بتلا دیوے وہ خارج نشان نہیں ہے۔ اگر ٹیکہ کروا کر کہیں کہ نشان ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم کو علیحدہ رکھا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کوئی مخفی امر ہے جو بعد ازاں معلوم ہوگا ورنہ ہم اُن کی چیزیں اور ادویہ استعمال کرتے ہی ہیں [2]

عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ جب تک طاعونی کیڑے کا طبیعت میں تعلق نہ ہو تب تک طاعون نہیں ہوتی اور دوسری طرف آپ وہ کیڑے داخل کرتے ہیں اور چیچک کے ساتھ اس کا قیاس مع الفارق ہے چیچک کا مادہ تو شیر مادر کے ساتھ آتا ہے مگر اس میں ظن کیا گیا ہے کہ بہت سی طبائع میں مادہ موجود ہی نہیں ہوتا صرف اس ظن پر ٹیکہ لگایا جاتا ہے کہ کسی طرح وہ مادہ نہ آجائے۔

---

[1] الحکم میں مزید یہ لکھا ہے :-

"خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کیسا عجیب توارد ہے۔ اِدھر الہام میں رحمۃً مِنّا ہے اُدھر رؤیا میں دکھایا گیا ہے کہ رحمت اللہ نے بھیجا ہے اور پھر حکیم فضل الدین کی بیوی مریم کا پاس ہونا۔ چراغ کا لانا سب مبشرات ہیں۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] الحکم میں ہے :-

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ | قرآن شریف میں صاف ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اس لئے ضروری ہے کہ صفائی کا التزام رکھا جاوے۔ خدا کی شان ہے کہ یورپ کی ہم صدہا چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ تار، پریس ریل اور بہت سی اشیاء حتی کہ دیا سلائی سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں مگر خدا کی کوئی عظیم الشان حکمت ہے کہ ہم کو ٹیکہ کی طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ فرمایا عندی معالجات اور عندی کو مقدم کرکے اور بھی تاکید کا رنگ پیدا کیا کہ معالجات میرے ہی پاس ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

مولوی محمد احسن صاحب نے ذکر کیا کہ حضور تخرج الصدور الی القبور کا آغاز تو ہو گیا۔
کیونکہ ادھر مولوی نذیر حسین دہلوی فوت ہوئے ادھر فتح علی شاہ فوت ہوا۔
حضرت اقدسؑ نے فرمایا:-

ہاں۔ آپ نے خوب سمجھا۔

بعض رؤسار لاہور کے ٹیکہ لگوانے پر جو راضی ہوئے ہیں یہ امر اُن کی شجاعت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ تہور ہے کہ سرکار راضی ہو۔ ہاتھ بٹایا جاوے۔ ابھی تک ہماری جماعت کو تو گورنمنٹ کا مخالف ہی خیال کیا جائے گا۔ بڑی ضرورت خدا شناسی کی ہے۔ سب امور خدا کے بعد ہیں۔ جیسے ہم نے ابھی بتلایا کہ نجات ایمان کے ساتھ ہے۔ ؎۱

پھر ساکنان قادیان کے ٹیکہ لگوانے پر فرمایا کہ
یہ ہمارے لئے مفید ہے کیونکہ فاسق فاجر لوگ بھی ہیں اور ظاہری اسباب میں سے ٹیکہ

؎۱ (الحکم سے) جیسا کہ آج کی رویار سے معلوم ہوتا ہے۔ درحقیقت نجات ایمان سے ہے اور خدا شناسی کی اس وقت بڑی ضرورت ہے کیونکہ خدا شناسی کے بغیر گناہ کی ناپاک زندگی پر موت وارد نہیں ہوتی اور خدا شناسی کا پہلا زینہ یقین ہے۔ خدا تعالیٰ اور اس کی عجیب در عجیب قدرتوں اور طاقتوں پر سچا ایمان اور یقین معرفت کا نور عطا کرتا ہے اور دل میں اس سے ایک قوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر انسان اس قوت کے ساتھ گناہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دیکھو یہ لوگ ظنوں (یعنی ٹیکہ وغیرہ) پر ایک قسم کا یقین رکھتے ہیں تو کیا ہم اپنے یقین پر بھی یقین نہ رکھیں؟ جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بالکل سچ ہے اور وہ ہو کر رہے گا۔ کوئی طاقت اور قوت اس کو روک نہیں سکتی۔ یہ عجیب زمانہ ہے۔ واقعات خطرناک پیش آ رہے ہیں اور اس وقت کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ مگر خدا تعالیٰ نے بتادیا ہے کہ وہ اپنے سلسلہ کی حمایت کرے گا اور مَن فی الدّار کی حفاظت کا نشان دکھائے گا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

بھی ہے۔

جب یہ لوگ اپنے ظنّوں (یعنی ٹیکہ) پر یقین رکھتے ہیں تو کیا وجہ کہ ہم اپنے یقین پر یقین نہ رکھیں۔

پھر مفتی محمد صادق صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

ان سابقہ نوشتوں میں یہ تو لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں طاعون ہوگی مگر یہ بھی لکھا ہے کہ نہیں کہ جس طرح کے الہامات جیسے انّی احافظ کلّ من فی الدّار اور دوسرے ہمیں ہوئے ہیں۔ ان کا بھی کوئی ذکر ہے کہ نہیں؟

مفتی صاحب نے کہا کہ حضور دیکھ کر عرض کروں گا۔

پھر فرمایا کہ

اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ میں قریہ کا لفظ ہے۔ قادیان کا نام نہیں ہے اور قریہ قیر سے نکلا ہے جس کے معنے جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں۔ وہ لوگ جو آپس میں مواکلت رکھتے ہوں۔ اس میں ہندو اور چوڑھے بھی داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہمارے ساتھ مل کر کھاتے ہی نہیں۔ قریہ سے مراد وہ حصہ ہو گا جس میں ہمارا گروہ رہتا ہے۔

پھر ذکر ہوا کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو کوہ طُور پر لے جائے گا۔

مسیح موعود کے اپنی جماعت کو طُور پر لیجانے کا مطلب

حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

اس کے یہ معنے ہیں۔ تجلّی گاہ حق میں لے جانا[1] یعنی قُرب اور ہیبت کے مقام پر لے

---

[1] (الحکم سے)۔ یہ جو لکھا ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنی قوم کو طہارت اور تقویٰ کی بلند چٹان پر کھڑا کرے گا کیونکہ طور تجلّی گاہِ حق ہے اس لئے مسیح اپنی جماعت کو قُرب اور ہیبت کے مقام پر لے جائے گا۔ کوہ طور پر جیسا میں نے ابھی کہا ہے۔ تجلّی اور ہیبت حق کی جگہ ہے۔ جہاں تبدیلی ہوتی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جائے گا۔ کہ جس سے جماعت کی تبدیلی ہوتی ہے کہ ایک طرف تو طاعون کو دیکھ کر اور دوسری طرف ہماری تعلیم کو دیکھ کر وہ خدا تعالےٰ کی تجلیات کو نظر میں رکھیں گے۔ عظیم الشان معاملہ آپڑا ہے۔ گورنمنٹ نے ہر ایک فرقہ کو لپیٹ لیا ہے۔

مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ حضور یہ لوگ پہلے یہ اعتراض کرتے تھے کہ ہم گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں مگر اب کیا کہیں گے کیا یہ کارروائی ٹیکہ کی خوشامد سے ہے کہ جس سے ہم نے اتفاق نہیں کیا۔

نواب محمد علی خانصاحب نے کہا کہ ٹیکہ بھی کہاں تک لگیگا۔

اس پر حضرت اقدسؑ نے ہنس کر فرمایا کہ

وہی مثال ہے جس کا ذکر مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی ماں بدکار تھی۔ اُس نے اُسے مار ڈالا۔ لوگوں نے کہا کہ ماں کو کیوں مار ڈالا؟ اس کے دوستوں کو مارنا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک کو مارتا دو کو مارتا آخر کتنوں کو مارتا۔ اس لئے اُسے ہی مارنا مناسب تھا۔ یہی حال ٹیکہ کا ہے۔ میرے نزدیک طاعون کے جتنے عدد ہیں اتنے ہی سال تک اس کا دورہ ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں لوگ خدا سے لڑائی کریں گے۔ تو اب یہ خدا سے لڑائی ہی ہے۔ لوگ خود کہیں گے کہ خدا سے لڑ رہے ہیں۔

ہے اور انسان گناہ سے بچ جاتا ہے پس یہ ایک تقریب پیش آگئی ہے کہ انسان اپنی تبدیلی کرے اور خدا کا قرب اس کی ہیبت سے تلاش کرے۔ خدا کا خوف اور ہیبت گناہوں سے بچائے گی اور اس سے تقویٰ اور طہارت میں ترقی ہوگی جو قرب حق کا ذریعہ ٹھہرے گی۔ ہیبت حق کے لئے خود اللہ تعالےٰ نے طاعون کو ایک ذریعہ اور سامان ٹھہرا دیا ہے۔ بڑا ہی بدقسمت ہے وہ انسان جو اس بلا اور طوفان میں بھی خدا سے نہیں ڈرتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

ہمارا الہام بھی ہے۔ اجھز جیشی یعنی میں اپنا لشکر تیار کر رہا ہوں۔ ہمیں یہ تو خوشی ہے کہ سمجھ دار لوگ خوب خبردار ہو جاویں گے۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہی وقت آگیا۔ اور وہی موسم ہے جس کا ذکر تھا اور اس پر خدا تعالیٰ نے گواہی بھی دے دی۔ اب یہ نہ مانیں تو اصل میں خدا کا انکار ہے۔ یہ لوگ ہمارے آگے حدیثیں پیش کرتے ہیں حالانکہ اس نے حَکَم ہو کر آنا ہے پھر اِن کو حُکم تو یہ ہے کہ تم کو بولنا نہ چاہیئے جو حَکَم کہے وہ مان لو۔ تقویٰ ہوتا تو یہ لوگ کبھی نہ لڑتے اگر فی الواقعہ ہی اُن کے ہاتھ میں کوئی حدیث ہوتی تو پھر اُسے غایت مرتبہ ظن کا ہوتا۔ مگر اصل میں ان لوگوں کو یقین ہی نہیں۔

مگر کیا قساوت قلبی ہے کہ جس قدر گندی اور فحش باتیں ہیں اور تحقیر اور توہین ممکن تھی اور جہاں تک اُن کا ہاتھ پڑتا تھا وہ تمام افترا بنائے۔ صرف چند ایک باتیں گورنمنٹ کے قانون کے ڈر سے باقی رہ گئی ہیں۔ اکالئے جو ہوئے۔

پھر میاں احمد دین صاحب عرائض نویس درجہ اول ساکن گوجرانوالہ سے حضرت اقدس بعض قانونی وجوہات پر گفتگو فرماتے رہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ

قانون بھی ایک موم کی ناک ہوتا ہے اس لئے کچی بات ہرگز نہ پیش کرنی چاہیئے اور ایسی کچی بات کے پیش کرنے سے تو اس کا پیش نہ کرنا ہی اچھا ہے۔

ایک نومُسلم پشاوری کا ذکر

نماز مغرب کے بعد حکیم نورالدین صاحب نے ایک نومُسلم پشاوری کا حال سُنایا جو گذشتہ ماہ میں پشاوری جماعت کے ساتھ پشاور سے آیا تھا اور حضرت سے بیعت کی تھی۔ ان نومُسلم صاحب کو اہل اسلام پشاور نے امدادی چندہ کر کے ایک دکان کھول دی تھی حکیم صاحب نے بیان کیا کہ آج اُس کا خط آیا ہے کہ مسلمانوں نے جو امدادی طور پر چندہ سے مجھے دکان کھول دی تھی وہ اب اس لحاظ سے ضبط کر لی ہے کہ میں قادیان گیا اور بیعت کی۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ابتلا ہے۔ صبر کرنا چاہیئے۔

پھر آج صبح جو گفتگو حفاظتِ الٰہی کے وعدوں کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام نے سیر میں کی تھی اس کا اعادہ حکیم نورالدین صاحب سے کیا اور اپنے الہام اور گھر کا خواب سُنایا۔اس گفتگو میں حضرت اقدسؑ نے یہ بھی فرمایا:۔

سعید فرقہ جو کہ عذاب سے نجات پانے والا ہے وہ انعمت علیھم ہے۔ اور جو عذاب میں مبتلا ہونے والا ہے وہ مغضوب علیھم ہے۔ مغضوب علیھم اور ضالین میں وہی فرق ہے۔ جو ایک مریض محرقہ اور مدقوق میں ہوتا ہے کہ ایک جلدی ہلاک ہوتا ہے اور ایک آہستہ آہستہ ہلاکت تک پہنچتا ہے۔ مگر انجام کار دونو ہلاک ہوتے ہیں۔ کوئی آگے کوئی پیچھے۔

حفاظت الٰہی کا وعدہ کتب سابقہ میں

پھر مفتی محمد صادق صاحب نے حسب الحکم حضرت اقدسؑ وہ تمام حوالجات کتب سابقہ کے سُنائے جن کا ارشاد حضرت اقدس نے صبح کی سیر میں کیا تھا۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے۔

زبُور ۹۱:۔

"وہ جو حق تعالیٰ کے پردہ تلے سکونت کرتا ہے۔ سو قادر مطلق کے سایہ تلے رہے گا۔ میرا خدا جس پر میرا توکل ہے یقیناً وہ تجھ کو صیاد کے پھندے سے اور مہلک وبا سے رہائی دے گا۔ وہ تجھے اپنے پروں تلے چھپائے گا . . . . اور کہ اس وبا سے جو اندھیرے میں چلتی ہے اور نہ اُس مَری سے جو دوپہر کو ویران کرتی ہے۔ تیرے آس پاس ایک ہزار گر جاویں گے اور دس ہزار تیرے دہنے ہاتھ پر

لیکن وہ تیرے نزدیک نہ آوے گی۔ تو نے حق تعالیٰ کو اپنا مسکن تیار کیا۔ اس لئے تجھ پر کوئی آفت نہ آئے گی اور کوئی وبا تیرے خیمے کے پاس نہ پہنچے گی۔"

دشمن کا حُسنِ ظن

پھر حضرت اقدسؑ نے ذکر سُنایا کہ

شرمپت آریہ میرے پاس مشورہ لینے آیا تھا کہ مجھے بخار سا معلوم ہوتا ہے۔ جسم گرم ہے، ٹیکہ کراؤں یا نہ۔ میں نے کہہ دیا کہ نہ کراؤ کیونکہ اس سے تو حرارت اَور زیادہ ہوگی۔

فرمایا:-

اِن لوگوں کا دستور ہے کہ مجھ سے ہمیشہ مشورہ دریافت کرتے ہیں بلکہ لیکھرام کے قتل کے دنوں میں ایک دفعہ یہ دوا پوچھنے آیا تو میں نے کہا کہ اس وقت تو تم ہمیں دشمن جانتے ہو۔ کہ اس کے قاتل ہم ہیں۔ ہماری دوا تم کو لینی مناسب نہیں ہے۔ مگر اس نے کہا کہ ہم کو یقین ہے آپ دوا دے دیں۔

فرمایا:-

رات کو مجھے ایک اَور فقرہ الہام ہوا تھا۔ بھُول گیا تھا۔ اب یاد آیا ہے۔ وہ یہ ہے:-

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ؁

اس کے بعد میاں احمد دین صاحب عرائض نویس گوجرانوالہ نے مقدمہ کے متعلق کچھ گفتگو حضرت اقدس علیہ السلام اور آپ کے موجودہ احباب سے کی۔ حضرت اقدسؑ نے ایک مقام پر فرمایا کہ

ہماری مراد سزا سے نہیں ہے کہ اُسے سزا ضرور ہو۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جیسے یُوسفؑ کی حقیقت عزیزِ مصر کے سامنے کھُل گئی تھی۔ ویسے ہی ہماری بھی حقیقت کھُل جائے۔ یُوسفؑ نے جیلخانہ سے باہر نہیں قدم نکالا جبتک اپنا باعصمت ہونا ثابت نہ کرا دیا۔

(البدر جلد اول نمبر ا صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

۱۹ ؍اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ (بوقت سیر)

دابۃ الارض کی حقیقت

حسبِ معمول حضرت اقدس سیر کے لئے باہر تشریف لائے اور نواب محمد علی خاں صاحب کے مکان کے آگے آکر تھوڑی دیر نواب صاحب کا انتظار فرماتے رہے جب نواب صاحب تشریف لائے تو روانہ ہوئے اور فرمایا کہ

نئی تحقیقات نے دابۃ الارض کی بہت تائید کی ہے اور اس کے معنے کھول دیئے ہیں۔ کہ وہ ایک کیڑا ہی ہے اور پھر یہ بھی کہ بہت باریک ہے جیسے کہ سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ تاکل منسأتہٗ (پ ۲۲ ع ۸) باریک ہی تھا تو اندر اندر کھاتا رہا اور پتہ نہ لگا اور تکلمہم سے مراد بھی یہی ہے کہ طاعون ہو کیونکہ ایک اور مقام پر قرآن شریف میں ہے کہ ہم ہر ایک قریہ کو قیامت سے پہلے ہلاک کریں گے یا عذاب میں مبتلا کریں گے۔

مغضوب علیہ اور ضال کی مثال لیکھرام اور آتھم میں

مغضوب علیہم کا آخر جیسے موت ہے۔ اسی طرح والضالین کا بھی آخر موت ہے مگر آہستہ آہستہ۔ کیونکہ ضلالت کے معنے ہیں راستے سے بہک جانا۔ بھٹکتے پھرنا۔ آخر آسمان کو جب کوئی راہ نہ ملا تو مر ہی جائے گا۔ ریگستانوں وغیرہ میں لوگ راستہ بھول کر مر ہی جاتے ہیں۔ لیکھرام مغضوب علیہ تھا اور آتھم ضال۔ کہ ایک جلدی مرگیا اور ایک آہستہ آہستہ سسکتا ہوا مرا۔ اور آریہ بھی یہود میں داخل ہیں۔ اُن کا ہَوَن وغیرہ تمام رسوم یہود سے ملتی ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ برہمن، مصری اسی لئے کہلاتے ہیں کہ یہ لوگ مصر سے آئے تھے۔

جوشیلے کی درستی بہ نسبت منافق کے آسان ہے

ایک شخص کی حالت پر حضور نے فرمایا کہ

جوش والا آدمی درست ہونے کے لائق بہت ہوتا ہے۔ مگر منافق نہیں ہوتا۔

سرسید احمد اور کتب مسیح موعودؑ

ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ سرسید احمد صاحب سے جب ایک دفعہ میری کتابوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ اُن میں ذرہ خیر نہیں ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلوی کا ذکر

مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی متوفی کے ذکر پر بعض احباب نے یہ کہا کہ قوم اور برادری کی محبت ہی نے دراصل اسے اخفاءِ حق کے لئے مجبور کیا ہوا تھا حضرت اقدسؑ نے فرمایا:-

محبت دین کی ہی محبت ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی برادری، قوم اور رشتہ داریاں تھیں۔ مگر صحابہؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ دین کے دشمن ہیں۔ تو اپنے ہاتھوں سے اُن کو ہلاک کیا۔ اگر اُن میں (نذیر حسین میں) تقویٰ ہوتی تو ایسے سخت دلی کے لکھے ہوئے خط نہ پہنچتے۔ یہ کہدیتے کہ تقوےٰ اجازت نہیں دیتا۔ یہ تمام امور کس قدر تقویٰ کے خلاف ہیں کہ قرآن شریف بیّن دلائل سے وفات مسیحؑ ثابت کرتا ہے جیسے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ۔ پھر خود پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کا معراج میں اُن کو مُردوں میں دیکھنا اور پھر تمام فرقے اسلام کے اور صوفی موت کو مانتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ سب سے پہلا اتفاق اسی امر پر ہوا۔ کہ کُل انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔ صرف قوم اور برادری کو مدنظر رکھ کر (نذیر حسین) نے انکار کیا۔

سُنا تھا کہ نذیر حسین کہتا تھا کہ مجھے ایک ایسی بات یاد ہے کہ اگر بتلاؤں تو ہزاروں آدمی مرزا صاحب کے مرید ہو جاویں۔ وہ تو ہزاروں داخل کراتا ہی رہ گیا۔ اور یہاں لاکھوں داخل ہو گئے۔

حجرہ نشین لوگوں کو نہ تو آسمانی منطق نصیب ہوتی ہے اور نہ زمینی۔

مولوی اسمٰعیل شہید صاحب آئے تو سنگھڑ بھی گئے اور شیخ سلیمان سے ملے۔ شاید جہاد کیلئے کہا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ فقیر نے اپنے ہاتھ سے چڑیا بھی نہیں ماری۔ تلوار کیسے اُٹھاوے گا۔ انہوں نے کہا رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ۶۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے تھے۔

پھر فرمایا کہ

اب تو میں یقین کرتا ہوں کہ وہ (نذیر حسین) ہماری جماعت میں داخل ہوا۔ کئی مرتبہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی زندگی میں تو قائل نہ ہوا۔ مگر جب فوت ہو گیا تو ہماری جماعت میں داخل ہوا۔

محمد حسین بٹالوی کا عقیدہ دربارہ مہدی و مسیح

محمد حسین بٹالوی کے ذکر پر فرمایا کہ

اس عمارت کے دو کونے ہیں۔ ایک مہدی اور ایک مسیح۔ مہدی کی نسبت وہ کہہ چکا تھا کہ کوئی حدیث بھی جرح سے خالی نہیں ہے۔ جب ایک کونہ گر گیا تو دوسرا کس کام کا۔ اسی لئے ہمارا انکار کر دیا۔ یہ مسئلہ ایک مرکب شئے ہے جیسے ایک پیالہ۔ اگر اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ جائے تو باقی کس کام کا۔ اور ایک پہلو سے محمد حسین ہمارے مفید مطلب ہوا کہ مہدی کی تردید کر چکا۔

(بوقت نماز ظہر)

حکیم فضل دین صاحب کے مقدمہ پر حضرت اقدس غور فرماتے رہے اور بہت سی باتیں سُننے کے بعد حضور نے فرمایا کہ

مقدمہ وہ بہت منحوس ہوتا ہے جس کا انجام بخیر نظر نہ آوے اور صاف وہ مقدمہ ہوتا ہے جس کے آثار فتح و نصرت کے جلد نظر آجاویں۔ مقدمہ بازی اچھی نہیں ہوتی۔ بار بار حکام کے پاس جانا، اُن کے منتھے لگنا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ مردار بصد بگزار صلح کر لو۔

بہ تعمیل حکم قرآن مجید شہادت دینے میں کوئی تکلیف نہیں

ایک صاحب نے کہا کہ حضور کو بھی شہادت کے لئے جانے کی تکلیف ہوگی۔ اُس نے اسی لئے آپ کی شہادت لکھائی ہے کہ یہ لوگ تکالیف کو دیکھ کر صلح کر لیں۔ حضرت اقدسؑ

نے فرمایا کہ

ہمیں کوئی تکلیف نہیں۔ قرآن کا حکم ہے کہ جب گواہی کے لئے بُلایا جاوے تو جاؤ۔ میں کوئی بے دست وپا تو ہُوں نہیں۔ ہمیشہ پیدل بٹالہ آیا جایا کرتا تھا۔ یہ تو کوئی بات نہیں چلنے پھرنے کی عادت ہے مگر یہ ایک منحوس بے حیثیت سا مقدمہ نظر آتا ہے۔ مومن کو اپنی عزت کا پاس بھی چاہیئے گندے آدمیوں سے یہ جگہ پُر تھی معلوم نہیں کہ خدا کو کیوں یہ جگہ پسند آئی۔

(نماز عصر سے پیشتر)

نماز عصر سے پیشتر مولوی عبدالکریم صاحب نے اخویم عبدالعزیز صاحب کا خط سُنایا۔ جو کہ سہارنپور سے آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ یہاں کے لوگوں میں ایک عجیب ولولہ اور شوق قادیان پہنچنے کا پیدا ہو رہا ہے۔

(نماز مغرب سے پہلے)

عصمتِ انبیاء سے متعلق

کسی پادری نے عصمت انبیاء کے متعلق چند ایک اعتراضات مولوی محمد علی صاحب کے پاس روانہ کئے ہوئے تھے اور نوحؑ کا گنہگار ہونا بھی لکھا تھا کہ اُس نے خلاف منشاء ایزدی اپنے بیٹے کے لئے دعا کی۔ یہ اعتراض مولوی صاحب نے نماز مغرب سے پہلے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا

کیا وجہ ہے کہ اس نے مسیح کا ذکر نہ کیا کہ ایک انجیر کے درخت کی طرف گیا اور جانتا تھا کہ اس میں پھل نہیں ہے۔ پھر وہ جانتا تھا کہ صلیب ملنی ہے اور دعائیں کرتا رہا کہ مجھے نجات ملے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم تو اپنے ثبوت میں فقد لبثت فیکم عمرًا کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا ایک فقرہ بھی انجیل میں نہیں ہے۔ اور پیغمبر خداؐ کی تمام عمر کا یہ حوالہ

ہے کہ قد لبثتُ فیکم عمرًا۔

استغفار کے اصل معنے تو یہ ہیں کہ یہ خواہش کرنا کہ مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو یعنی میں معصوم رہوں اور دوسرے معنے جو اس سے نیچے درجے پر ہیں کہ میرے گناہ کے بدنتائج جو مجھے ملنے ہیں میں اُن سے محفوظ رہوں۔[1]

مسیح تو خود کنجریوں سے تیل ملوا تا رہا۔ اگر استغفار کرتے تو یہ حالت نہ ہوتی۔

(بعد از نماز مغرب)

پھر اس کے بعد اذان ہو کر نماز مغرب ہوئی اور حضرت اقدس حسب معمول شہ نشیں پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا کہ

مفتی محمد صادق صاحب جو کتاب سُنایا کرتے ہیں جس میں مشیعہ عورت کا اور مشیع یہودی عاشق سلومی کا ذکر ہے کہ وہ عورت سلومی مشیع کو چھوڑ کر یسوع کے شاگردوں میں جا ملی۔ اس لئے اُس مشیع نے یہ سارا منصوبہ صلیب کا بنایا گویا ایک عورت کے واقعہ نے اُن کی صلیب تک نوبت پہنچائی۔

جس طرح بدظنیاں ان لوگوں نے نکالی ہیں ویسے ہی ہمارا بھی حق ہے۔ اُن کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا گناہ ہے مگر ایک بازاری عورت عطر ملتی ہے تیل بالوں کو لگاتی ہے۔ بالوں میں کنگھی کرتی ہے اور یہ ہنت کی طرح بیٹھے ہوئے مزے سے سب کرواتے جاتے ہیں۔ یہ بھی پوچھو کہ گناہ ہے یا نہیں۔ ان کو لازم تھا کہ اعتراض نہ کرتے۔ جو واقعات اُن کے ہاتھوں کے لکھے ہیں۔ وہی پیش کرنے پڑتے ہیں۔ اور کیا جواب دیویں۔ یہ کوئی چھوٹا اعتراض نہیں ہے کہ اُن کو کنجریوں سے کیا تعلق تھا۔ اور اگر کہو کہ اس کنجری نے توبہ کی تھی تو کنجری کی توبہ کا اعتبار کیا۔ ایک طرف توبہ کرتی ہیں۔ ایک طرف پھر مُوڑھے پر بازار میں جا بیٹھتی ہیں۔

شراب کا نشہ اور یسوع مسیح

پھر شراب کو دیکھو کہ تمام گناہوں کی جڑھ ہے۔ اس کی تخم ریزی مسیح نے کی۔ شراب کے جائز

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ مورخہ ۱۹ راکتوبر ۱۹۰۲ء

رکھنے سے کروڑہا لوگوں کی گردن پر چھُری پھر گئی۔ جب انسان نشہ کا عادی ہو جاتا ہے۔ تو پھر چھوڑنا مشکل ہے۔ یہ نشہ بھی کیا شیئے ہے کہ ایک طرف زندگی کو کھا جاتا ہے۔ دوسری طرف زندگی کا شہتیر بھی ہے نشہ والوں کو نشہ نہ ملے تو موت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

ایک نشہ کا سائل ایک دفعہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے تین دن سے نشہ نہیں ملا۔ اس کی حالت بہت ردی تھی اور نشہ کے لئے مجھ سے پیسہ طلب کرتی تھی۔ میں نے تعجب کیا کہ یہ نہ روٹی کا سوال کرتی ہے نہ کپڑے کا اور نشہ کے لئے بیقرار ہے اسے عادت ہوگی اور اب اس کی زندگی کا گویا جزو ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کو اپنے بیان میں سچا جان کر میں نے ایک پیسہ اُسے دے دیا۔

اس موقعہ پر حضرت اقدس نے حکیم نورالدین صاحب سے سوال کیا کہ کتنے عرصہ کے بعد انسان کسی نشہ کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ پھر اُسے چھوڑ نہیں سکتا۔ اور مجبور ہو جاتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ کسی جگہ شاید نظر سے تو نہیں گذرا۔ مگر چالیس دن میں ایسا ہو سکتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہر ایک شئے کے لئے چالیس دن ہی ہیں۔ بات یہ ہے کہ شراب اور اُس کے بہن بھرا (بھنگ۔ افیون وغیرہ) ایسی خراب شئے ہیں کہ ان سے مٹی پلید ہوتی ہے۔ مگر پھر وہ مذہب کیسے اچھا ہو سکتا ہے جس میں ایسی تعلیم ہو۔ ہاں ایک صورت ہے یہ نشہ چھوٹ سکے۔ کہ جیلخانہ میں بند ہوں۔ داروغہ بھی ایسا ہو کہ کسی سے سازش نہ کرے۔ پھر شاید یہ عادت چھُوٹ جاوے۔

فرمایا کہ

یحیٰی جو نشہ نہیں پیتے تھے تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی منع تھا۔ مسیح نے مُرشد کی تقلید کیوں نہ کی۔

شائد کوئی یہ اعتراض کرے کہ اوائل اسلام میں تو حرمت تھی نہیں ۱۴ برس کے بعد حرمت

ہوئی۔ توجواب یہ ہے کہ اسلام تو آہستہ آہستہ صفائی کرتا جاتا تھا اور قوم بن رہی تھی۔ جب قوم بن گئی تو حکم آ گیا۔ ابتداء میں تو صحابہؓ کو یہ مصیبت تھی کہ پانی بھی بھولا ہوا ہوگا شراب کا کیا ذکر ہے۔

علی حائری شیعی کا ذکر

ایک علی حائری نامی شیعہ کے رسالہ کا ذکر ہوا جس میں مصنف نے ہمارے مقابلہ میں اہلِ سنّت کو خطاب کیا ہے کہ تم اور ہم ایک ہیں حضرت نے اس پر فرمایا کہ

سُنّیوں کو تو ایک کر لیا۔ اب ان کو چاہیئے کہ خارجیوں کو بھی ایک کریں۔ ان کا بھی حق ہے۔ پھر کبھی مل کر علیؓ اور عثمانؓ کو گالیاں دے لیا کریں اور کبھی وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو دے لیا کریں۔ ہمیں خدا نے اس لئے مامور کیا ہے کہ جو حد سے زیادہ شانیں خدا کی مخلوق کی بنائی ہوئی ہیں ان کو دُور کریں۔ اس کے حصہ دار سُنّی بھی ہیں۔ اُن میں بھی شرک بہت پھیلا ہوا ہے۔

الہام

پھر حضرت نے آج کے الہام سُنائے کہ

آج یہ الہام ہوئے۔

یریدون ان یطفؤا نورك ۔ یریدون ان یتخطفو عرضك

اِنّی معك و مع اھلك ۔

فرمایا کہ

خدا تعالےٰ ہمیں اکیلا کمزور ضعیف پا کر ہماری حمایت پر آسمان سے تار بھیج دیتا ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۰ مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

۲۰؍اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ (بوقت سیر)

حسبِ معمول حضرت اقدس سیر کے لئے نکلے اور طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

اس موسم میں آجکل عموماً گلٹیاں بغل وغیرہ میں نکلا کرتی ہیں مگر جبتک اُن کے ساتھ کوئی زہریلا مادہ نہ ہو تب تک طاعون نہیں کہلاتی۔

عیسائیوں کے چار سوالوں کا جواب

ایک شخص کے چار سوال دہلی سے آئے تھے جو کہ عیسائیوں کی طرف سے اس پر ہوئے تھے۔ وہ شیخ یعقوب علی صاحب نے پڑھ کر سُنائے۔ اوّل سوال اس مضمون پر تھا کہ انجیل میں لکھا ہے کہ اوّل کلام تھا اور کلام سے خدا ہوا اور خدا کی رُوح سے مسیح پیدا ہوا۔ اور قرآن نے بھی اُسے کلمہ فرمایا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

کلمہ تو میرے الہام میں میرا نام بھی رکھا گیا ہے تم اس کے معنے بتلاؤ۔ پھر ہم اس کے بتلائیں گے۔ اگر کہو کہ یہ الہام سچا نہیں تو آؤ اوّل اس کا فیصلہ کرلیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ۔ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ۔ تو معلوم ہوا کہ قضاء و قدر کا نام بھی کلمہ ہے۔ رُوح کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ روح الشیطان۔ اور رُوح اللہ۔ پہلا لفظ ولدالزنا اور دوسرا اصیل پر بولا جاتا ہے۔

دُوسرا سوال اس مضمون کا تھا کہ قرآن جو انجیلوں کا مصدق ہے تو کیا اناجیل صحیح ہیں؟

فرمایا کہ

مصدق کے معنے قرآنی طور پر یہ ہیں کہ جو کچھ صحیح تھا اس کی تو نقل کر دی اور جو نہیں لیا وہ غلط تھا۔ پھر انجیلوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ اگر قرآن نے تصدیق کی ہے تو بتلاؤ کونسی انجیل کی کی ہے۔ قرآن نے یوحنا متی وغیرہ کی انجیل کی کہیں تصدیق نہیں کی۔ ہاں پطرس کی دعا کی تصدیق کی ہے۔ اسی طرح کونسی توریت کہیں جس کی تصدیق قرآن نے کی۔ پہلے توریت تو ایک

بتاؤ۔ قرآن تو تمہاری توریت کو محرف بتلاتا ہے اور تم میں خود اختلاف ہے کہ توریت مختلف ہیں۔

تیسرا سوال۔ قرآن نے خود رسول اللہؐ کو کہا۔اِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ۔ فرمایا:۔

اوّل یہ بتلاؤ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا کہ ماں باپ کی عزت کرو۔ اُن کے والدین کہاں تھے۔ ہاں یہ شک کا لفظ اوّل مسیح پر وارد ہو سکتا ہے کیونکہ اگر وہ قربان اور فدیہ ہونے کے واسطے ہی آیا تھا اور یہ قطعی فیصلہ تھا تو اس نے کیوں کہا کہ اے خدا۔ یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ معلوم ہوا کہ اُسے ضرور شک تھا۔ قرآن میں جہاں شک کا لفظ ہے ہر ایک مخاطب کی طرف ہے نہ کہ خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ خدا نے ہمیں قاعدہ بتلایا ہے کہ جو بات قرآن کے مطابق ہو۔ اس پر عمل کرو۔ اور جو مخالف ہو اُسے رد کرو۔

کلمہ والی بات تو ہم تھوڑے دنوں تک خود شائع کرنے والے ہیں۔ یہ تو کلمہ کلمہ لئے پھرتے ہیں اور یہاں خود میرا الہام ہے۔ انت منّی بمنزلة اولادی۔

جو مامور ہو کر آتا ہے اس کی ذاتیات سے الہام وابستہ نہیں ہوتے۔ وہ تو شریعت کا شارح ہوتا ہے جس طرح حضرت مسیحؑ کے وقت شریعت شارح کی محتاج تھی۔ اسی طرح اس وقت بھی شریعت شارح کی محتاج ہو رہی تھی۔ کیونکہ جس طرح اس وقت یہود کے ۷۲ فرقے تھے اسی طرح اسلام کے ۷۲ فرقے ہو گئے۔ اب خدا ان سب کو ملا کر ایک بنانا چاہتا ہے۔

الہامات

رات کے تین بجے کے قریب مجھے الہام ہوا:۔

واِمّا نرینّک بعض الّذی نعدھم السلسلة السماویة اَوْ نتوفینّک جفّ القلم بما ھو کائن۔ قل انّما انا بشرٌ مثلکم یوحٰی الیّ انّما الٰھکم اللہ واحدٌ۔ والخیر کلّہ فی

القراٰن۔ فاتقوا النّار الّتی وقودھا النّاس والحجارۃ اُعِدّت للکافرین۔

دو قسم کے انسان

معلوم ہوتا ہے کہ آدمی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جانتے تو نہیں مگر اُن میں ابھی انسانیت ہے۔ دوسرے وہ جن کے آنکھ کان فہم وغیرہ سب جاتے رہتے ہیں۔ اور حجارہ میں داخل ہیں وہ بھی جہنم میں داخل ہوں گے جو کہ سمجھے ہوئے تو ہیں مگر بعض تعلقات دُنیاوی کی وجہ سے وہ قبول نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی تجویز ہے اور اس کو ابھی مخفی رکھا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترقی ہونے والی ہے اور اللہ کریم کچھ چشم نمائی کرنے والے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ ہمارے ارادہ میں ہے وہ ہو چکا۔ اب ٹل نہیں سکتا۔ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ[1] یہ براہین کا میرا الہام ہے مجھے خدا نے اس لئے بھیجا ہے کہ اُن اہل کتاب کو بیّنہ دکھلا کر دم بخود کیا جاوے عنقریب سمجھ لیویں گے کہ اُن کو کوئی مفر نہیں۔ مسلمانوں نے تو اقبالی ڈگری اپنے اُوپر عیسائیوں کو دیدی۔ اَور وہ فیصلہ ہمارے ساتھ بھی کرا جو انبیاء کے ساتھ ہونا چاہیئے تاکہ آسمان سے اس کا فیصلہ ہو۔ تم کہتے ہو مسیح کلمۃ اللہ ہے ہم کہتے ہیں ہمیں خدا نے اس سے بھی زیادہ درجہ دیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ مسلمان تم کو کافر کہتے ہیں تو دیکھو تم کو رومن کیتھولک کافر کہتے ہیں اور تم اُن کو کافر کہتے ہو اور ڈوئی سب کو کافر کہتا ہے میرے پاس تو خدا کی گواہی ہے اور اس کے نشانات ہیں نہ کسوف وخسوف تھا۔ نہ جماعت تھی، نہ اس کی ترقی تھی نہ طاعون تھی یہ سب باتیں مجھے قبل از وقت بتلائی گئیں۔

اس ملک پر اتفاقاً افلاس کا سخت صدمہ آیا اور اس وجہ سے بہت سے بھوکے اور خبیث طبع لوگ جو نرے روٹی کے طالب تھے۔ اس عیسائی فرقہ میں چند روپیوں کے لالچ سے شامل ہو گئے۔

اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دانیال اور حزقیل نبی کی کتابوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ یہ ایک آخری جنگ ہے جو کہ شیطان کی لڑائی کہلاتی ہے اور خود شیطان نے تو لڑائی کرنی نہیں بلکہ انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہو رہی ہے۔ پس ایسی لڑائیوں سے یہ ہمارے مخالفین کو خنثیٰ بنا دیویں گے

[1] البیّنۃ: ۲

اور آخر بات ہم پہ ہی آکر پڑے گی۔ ان ہمارے مخالفوں کا یہ مذہب ہے کہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ خالق اور مسِ شیطان سے بری اور آسمان سے دوبارہ دُنیا میں واپس آنے والا یہ سب صفات حضرت مسیح ہی میں ہیں۔ کمبخت خدا جانے کہاں کے کہاں چلے جاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں

ے آنچہ خُوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پھر یہ مصرعہ تو حضرت مسیحؑ کے بارہ میں لکھنا چاہیئے نہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر۔ اور ان لوگوں کے خیال کے موافق آنحضرتؐ تو قتلِ دجّال سے دست بردار ہو گئے کیونکہ مسیحؑ نے آکر قتل جو کرنا ہوا۔ اوّل حصہ بھی مسیحؑ کا ہوا اور آخر حصہ بھی مسیحؑ کا۔

ابتدا میں کلمہ تھا اور کلمہ خدا کا کلام تھا وغیرہ وغیرہ، یہ سب الحاقی عبارتیں ہیں۔ اُن کے پاس الحاقی عبارتیں ہوئیں اور ہمارے پاس اصل۔ آخر پہ اُن کا یہی جواب ہوتا ہے کہ مرزائیوں سے بات نہ کرو۔ ایک درخت کی چھوٹی اور کمزور شاخ تو ایک چڑیا کو بھی ناز سے اپنے اُوپر بٹھالیتی ہے۔ لیکن اگر اس کے اُوپر مور بیٹھنا چاہے تو ایک سیکنڈ کیلئے برداشت نہیں کر سکتی۔

زمانہ اور قرآن کے لحاظ سے دیکھو کہ جو باتیں تم مسیحؑ پہ چسپاں کرتے ہو۔ وہ پُورے طور پہ ہم پہ چسپاں ہوتی ہیں۔ قیمتی پیشگوئیاں آمدِ ثانی پر تھیں وہ سارے کا سارا تھیلا ہم نے چھین لیا۔ آمدِ اوّل میں تو ساری ذلت اور مار کھانے والی پیشگوئیاں ہیں۔ اور جلال اور عظمت والی تو آمدِ ثانی پر تھیں جو کہ ہم کو ملیں۔

ساعۃ سے مُراد

عندہٗ علم الساعۃ پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

یہ بات واقعی ہے اور قرآن پاک سے بھی ثابت ہے کہ ساعۃ سے اس جگہ مراد یہودیوں[1] کی تباہی کا زمانہ ہے۔ یہ وہی زمانہ تھا اور جس ساعت کے یہ لوگ منتظر ہیں۔ اس کا تو ابھی کہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ ایک پہلو سے اوّل مسیحؑ کے وقت یہودیوں نے بدبختی لے لی اور دوسرے وقت میں نصاریٰ نے بدبختی کا حصہ لے لیا۔ مسلمانوں نے بھی پُوری مشابہت

[1] الزخرف: ۸۶

یہود سے کر لی۔ اگر ان کی سلطنت یا اختیار ہوتا تو ہمارے ساتھ بھی مسیحؑ والا معاملہ کرتے۔

نشانوں کے ظہور کا وقت

جس طرح کھانگڑ بھینس کا دودھ نکالنا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح سے خدا کے نشان بھی سخت تکلیف کی حالت میں اُترا کرتے ہیں۔ جیسے حضرت موسٰیؑ کو بنی اسرائیل نے کہا تھا "اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ"[1] وہ ایسا سخت مشکل کا وقت تھا کہ آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی اُن کو موت ہی موت نظر آتی تھی۔ سامنے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ اس وقت موسٰیؑ نے جواب دیا۔ "کَلَّآ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔"[2]

پس ایسی ضرورتوں اور ابتلا کے اوقات میں نشان ظاہر ہوا کرتے ہیں جبکہ ایک قسم کی جان کندنی پیش آجاتی ہے۔ چونکہ خدا کا نام غیب ہے اس لئے جب نہایت ہی اشد ضرورت آبنتی ہے تو امورِ غیبیہ ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ لیکھرام کے قتل کی طرز اور وضع اور وقت اور تاریخ وغیرہ سب کچھ کس صفائی سے بتلایا گیا۔ مگر بے ایمانوں کے واسطے تھوڑا سا شبہ اور ایمان والوں کے واسطے تھوڑی سی بات ایمان کے لئے باقی رکھ لی تھی۔ بے ایمانی کی بات ہی ہوئی جو کہا کہ شاید ان کی جماعت میں سے کسی نے اُس کو قتل کر دیا ہو۔

(بعد از نماز مغرب)

طاعون کا ذکر

بعد ادائے نماز مغرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول اجلاس فرما ہوئے

تو قادیان میں جو چوڑھوں میں چند آدمی مرگئے ہیں۔ بہ ایں وجہ کہ ان ایام میں انہوں نے کئی ہلاک شدہ بھینسیں کھائی تھیں۔ اُن کا ذکر کرتے ہوئے آخر طاعون کا تذکرہ ہو پڑا۔ فرمایا:۔

[1] الشعراء: ۶۲ [2] الشعراء: ۶۳

ایک بار مجھے یہ الہام ہوا تھا کہ خدا قادیان میں نازل ہوگا اپنے وعدہ کے موافق۔ اور پھر یہ بھی تھا۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

فرمایا:-

طاعون کے خوفناک نتائج یہ بھی ہیں کہ آخر کو جنگل بنا دیتی ہے۔

اس پر حکیم نورالدین صاحب نے کہا کہ حضور میں نے پڑھا ہے یہ جو نئی آبادی بار میں ہوئی ہے۔ اس میں پرانی آبادیوں کے نشانات ملے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ یہ قطعات آباد تھے اور طاعون سے ہلاک ہوئے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خواہ موذی طبع لوگ ہزاروں ہی مر جاویں مگر میرا جی یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا جلال ظاہر ہو اور دُنیا کو خدا کا پتہ لگے اور ثبوت ملے کہ کوئی قادر خدا ابھی موجود ہے۔ اس وقت دہریت اور الحاد بہت پھیلا ہوا ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے بے پرواہی ظاہر کی جاتی ہے اور جن لوگوں نے بظاہر خدا تعالےٰ کا اقرار بھی کیا ہے۔ انہوں نے یا تو خطرناک شرک کیا ہے جیسے عیسائی اور دوسرے بُت پرست مُشرک اور پھر جنہوں نے بظاہر توحید کا اقرار بھی کیا ہے جیسے مسلمان انہوں نے بھی دراصل شرک اختیار کر رکھا ہے اور مسیح کو خدا کی صفات سے متصف ٹھہرا رکھا ہے۔ علاوہ بریں خدا تعالےٰ کی حکومت کے نشان اُن کے اعمال سے ثابت نہیں ہوتے۔ اعمال میں سُستی اور بیباکی اور گناہوں پر دلیری پائی جاتی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف دلوں پر نہیں رہا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس بے باکی کے دُور کرنے میں بیشک ہزاروں ظالم طبع لوگ ہلاک ہوں تاکہ وہ دُوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اور وہ خدا تعالےٰ کی قدرتوں اور طاقتوں پر ایمان لانے والے ہوں۔ دیہات کے لوگ تو جنگل کے وحشیوں کی طرح ہیں۔ مگر شہروں میں جو تعلیم یافتہ ہیں۔ اُن کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور اپنے اعمال کی اصلاح اور تبدیلی کا جوش نہیں ہے۔ باپ دادا سے لَآ اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰہُ سُن لیا۔اسی کو کافی سمجھا۔اعمال کی پروا نہیں۔

یہ جو الہام ہو چکا ہے اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ ۔اگر منتشر کرنے کا قانون منسوخ نہ ہوتا۔ تو اس مفہوم کو اس الہام میں داخل سمجھا جا سکتا۔مگر اب جبکہ سب جگہ قانون منسوخ ہو گیا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے جیسا کہ دوسرے الہام لولا الاکرام لھلک المقام سے پایا جاتا ہے۔اس میں ایک شوکت بھی ہے اور چشم نمائی ہے جیسے ایک مجرم کو جج ۴ سال کی سزا دے اور ساتھ ہی کہدے کہ اصل میں ۱۴ سال قید کی سزا کے لائق تھا۔ مگر عدالت رحم کر کے ۴ سال سزا دیتی ہے۔اسی طرح پر یہ الہام ظاہر کرتا ہے کہ دراصل یہ جگہ بھی ایسی ہی تھی کہ ہلاک کی جاتی مگر خدا تعالیٰ اپنے سلسلہ کا اکرام ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اسی اکرام کی وجہ سے اُسے ہلاکت سے بچا لیا اور اس طرح پر یہ نشان ٹھہرا۔

جماعت کو نصیحت

میری نصیحت اس وقت جماعت کو یہ ہے کہ یہ دن بڑے سخت اور ہولناک ہیں اس لئے جہانتک ہو سکے اپنے دلوں کو اور آنکھوں کو بُرے جذبات سے روکیں اور اپنے اعمال اور چال چلن میں خاص تبدیلی کریں۔یہ وقت خاص تبدیلی کا ہے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا ہے۔پس اس وقت خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرو۔میں نے سُنا ہے کہ ایک شخص عین شادی کے دن طاعون سے مر گیا۔دنیا کی بے ثباتی کی یہ کیسی عبرت بخش مثال ہے۔اگر دانشمند غور کرے تو ایک طرح سے یہ دن بڑے عجیب ہیں۔ان پر نظر کرنے سے موت یاد آتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا ہوتا ہے۔ اور یقین ہی ایک ایسی شئے ہے جو اعلیٰ درجے کی لذت اور سُرور صادق الیقین کو بخشتا ہے جو کسی اور کو میسّر نہیں آسکتے خدا شناسی کے مسئلہ پر اس وقت ہزاروں قسم کے حجاب اور گرد و غبار پڑے ہیں۔ اور وہ یقین جو لذت بخش نتائج اپنے ساتھ رکھتا ہے وہ نہیں رہا۔اور وہ سرور جو دُنیا کے تعلقات میں پیدا ہونے والے رنج و غم کو دُور کرتا ہے اس وقت نہیں بلکہ یہ حالت ہو رہی ہے کہ اکسیر بل

جاوے تو مِل جاوے لیکن ایسے آدمی اس زمانہ میں ملنے مشکل ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایسا یقین رکھتے ہوں جس نے اُن کی ساری قوتوں اور جذبات پر ایسا اثر کیا ہو اور ایسی معرفت عطا کی ہو جس سے اُن کے گناہ کی زندگی پر موت وارد ہو چکی ہو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ایسے دلوں کا ملنا بہت مشکل ہے جو ایمان اور اس کے لذّت بخش نتائج کی معرفت سے بھرے ہوئے ہوں۔

ضرورتیں تو اس وقت بہت سی ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ہاتھ دکھلائے اور اپنی چمکار سے دُنیا کو روشن کرے مگر سب سے بڑی ضرورت ایسی معرفت اور یقین کا پیدا کرنا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ طاعون اسی کو پُورا کر رہی ہے۔ ٹیکہ کا علاج اس وقت تک آخری علاج سمجھا گیا۔ لیکن اگر یہ علاج ٹھیک نہ ہوا تو پھر مشکل ہو گی۔ ابھی تک اس کا پُورا تجربہ بھی نہیں ہوا۔ جب تک ایک عدد کثیر نہ ہو کیا کہہ سکتے ہیں مثلاً لاہور میں ۵۰ یا ۶۰ ہزار آدمی ٹیکہ لگوائے اور پھر ایک دو جاڑے اُن پر امن سے گذر جاویں تو کچھ پتہ ملے لیکن اگر چھ ماہ کے بعد اس کا اثر زائل ہو جاوے اور ہر ششماہی کے بعد یہ نسخہ گلے پڑا تو پھر تو کچھ نہیں احادیث میں جو آیا ہے کہ آخر خدا سے لڑائی کریں گے۔ یہ اُس قسم کی جنگ ہو گی جو خدا تعالیٰ کی قضا و قدر کے مقابلہ کے لئے ہر قسم کی تیاری کی جاوے گی میرے الہام میں جو اِنّی اجھز الجیش آیا ہے۔ اس سے مراد طاعون ہی ہے اور ایسا ہی حضرت مسیحؑ نے اپنی آمد کا زمانہ نوحؑ کے زمانہ کی طرح قرار دیا ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے میرا نام بھی نُوح رکھا ہے اور واصنع الفلك کا الہام ہوا۔ اور لا تخاطبنی فی الذین ظلموا اِنّھم مُغرقُون بھی فرمایا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ عظیم الشان طُوفان آنے والا ہے اور پھر اس طُوفان میں میری بنائی ہوئی کشتی ہی نجات کا ذریعہ ہو گی۔ اب طاعون وہی طوفان ہے اور خدا کا زور آور حملہ اور اُس کی چمکار ہے۔ یہی وہ سیف الہلاک ہے جس کا براہین میں ذکر ہوا ہے۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں کو اقرار کرنا پڑا ہے۔ کہ اس

کا کوئی نظام مقرر نہیں ہے کہ گرمی میں کم ہوتی ہے یا سردی میں۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہوں میں گرمیوں میں بھی اس کی کثرت میں فرق نہیں آیا۔ غرض اس کا علاج بجز استغفار اور دعا اور اعمال میں پاکیزگی اور طہارت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۰ تا ۱۲ مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۰۲ء)

نیز (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱ - ۲ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ (بوقت سیر)

کوئی ۷ بجے کے قریب حضرت اقدسؑ سیر کے لئے تشریف لائے۔ کپور تھلہ سے چند ایک احباب آئے ہوئے تھے۔ حضرت اقدسؑ نے اُن سے ملاقات کی۔ اور طاعون کا حال اس طرف کا دریافت کیا۔ اس سے پیشتر حضرت اقدسؑ قادیان کے شمال کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر آج آپؑ نے حکم صادر کیا کہ اس طرف (یعنی مشرقی طرف) چلئے۔ گویا آج اس مشرقی زمین کے بخت بیدار ہوئے۔ جس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدم پڑتے تھے۔

عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات

آج بھی وہی مضمون زیر بحث رہا۔ جس پر گذشتہ ایام میں بحث تھی کہ عیسائی جو دوسرے نبیوں کو گنہگار ٹھہراتے ہیں۔ مسیح کے گناہوں کو کیوں چھپاتے ہیں۔ فرمایا کہ

ان کو (عیسائیوں کو) بحث میں ذلّت اور ندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں۔ دوسرے پر حملہ کرنے سے پیشتر اوّل اپنے گھر کی صفائی تو کر لیں۔ اگر موسیٰؑ کے قتل پر اعتراض ہے تو وہ توریت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے مگر مسیح کو کیا ہوا کہ انجیل نازل ہو رہی ہے اور کنجری سے تیل ملوا رہا ہے۔ پھر موسیٰؑ کا فعل ارادتاً نہ تھا۔ نہ اس کو مارنے کا ارادہ تھا۔ اس لئے قتل کا الزام غلط ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ایک بیل کو

ڈنڈا مارا اور وہ مر گیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا۔ چونکہ یہ ایک اتفاقیہ امر تھا۔ آخر عدالت نے اُسے چھوڑ دیا۔

بَلَغَ اَشُدَّہٗ[1] سے مُراد وہ نبوت لیتے ہیں۔ اس سے مُراد نبوت نہیں ہے بلکہ یہ مُراد ہے کہ جب ہوش میں آیا۔ اَشُدَّ بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وحی کی اَشُدَّ اور دُوسری جسمانی اَشُدَّ۔ موسیٰ نے مُکا مارا۔ اتفاقیہ ایسی جگہ لگ گیا۔ کہ موت واقع ہو گئی۔

مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ الہام کا سلسلہ بعد بپتسمہ لینے کے شروع ہوا۔ اور رُوح القدس بھی پیچھے ہی اُترا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

پھر یُوں کہو کہ مسیح کے برکات کا سرچشمہ یحییٰ ہی تھا۔ سچی پاکیزگی بلا رُوح القدس نہیں مل سکتی۔ یحییٰ بھی اس پر ایمان نہیں لایا۔ وہ کہتا تھا کہ میں آنے والے سے اوّل آیا ہوں مگر اُس نے اُن کو مسیح نہیں مانا اور اسی لئے جب اُس سے پُوچھا گیا کہ تو ایلیا ہے۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ نیک نیتی کے ساتھ اسے (یحییٰ) کو کچھ امور پیش آ گئے۔ اُس نے خیال کیا ہوگا کہ جب اُس نے خود میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو یہ مسیح کیسے ہوگا۔ اِن (عیسائیوں) پر سخت مشکلات ہیں۔ بیوقوف ہیں۔ جو اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔

پھر حضرت اقدس نے مفتی محمد صادق صاحب کو حکم دیا۔ کہ

ملک صدق کا حال دیکھنا جس نے حضرت ابراہیمؑ کو تحفہ اور سوغات دیئے تھے۔ کیونکہ یہ تین آدمیوں کو مسیح کے علاوہ بیگناہ کہا کرتے ہیں۔ ایک ملک صدق۔ دوسری مریم تیسرے یحییٰ۔ اُن کے نزدیک تو مسیح اور مریم ہی مسّ شیطان سے پاک ہیں۔ مگر قرآن نے مساوی رکھا ہے کہ ہر ایک راستباز مسّ شیطان سے پاک ہے۔ کچھ تہمتیں چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام پر آ گئی تھیں کہ یہودی لوگ اُن کو مسِ شیطان سے منسوب کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے اور الزام لگاتے تھے۔ اس لئے اُن کا ذَبّ ضروری تھا۔ اُن پر سخت الزامات تھے اور اب تک وہی چلے آتے ہیں۔ سو خدا نے وہی (الزام) اُتارے۔

[1] القصص: ۱۵

دوسروں (ذہبیوں) پر اس قدر الزام نہ تھے اس لئے اُن کے ایسے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کا خاصہ ہے کہ جیسے جیسے یہ بہت پیچھے پڑے ہیں اُس طرف سے بہت باتیں نکلتی آتی ہیں۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ "فقیراں دی بددعا لگ جاندی اے"۔ اسی طرح عیسیٰ کی بددُعا ان کو لگ گئی جو وہ دیا کرتے تھے کہ تم بے ایمان ہو۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب بات انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو بے ایمانوں سے جواب تو بن نہیں آتا۔ اس لئے آخر خاموش ہو کر پیچھا چھوڑاتے ہیں۔

اندرُونی مخالفوں کا ذکر

پھر اندرُونی مخالفوں کی حالت پر فرمایا کہ

اگر یہ کوئی تحریر نہیں کرتے تو دس بارہ آدمی مل کر آویں کہ ہمیں حق کی طلب ہے اور آدمیت کی بحث کریں۔ جس میں چند ایک منصف مزاج بھی موجود ہوں اور تمام باتوں پر سنجیدگی سے غور کریں کہ حقیقت کھُل جاوے۔ مگر یہ لوگ ایسی بات کبھی نہیں چاہتے۔ در اصل یہ لوگ اب سرد ہو گئے ہیں۔ اپنی حفاظتوں کو مقدم رکھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ان (مرزائیوں) سے نہ ملے۔ ان کو جانے دو۔

پھر مولوی غلام قادر صاحب بھیروی کے ذکر اذکار دیگر احباب کرتے رہے کہ وہ وہابیوں کے سخت دشمن ہیں۔ بلکہ ایک دفعہ میاں نجم الدین نے جب آپ کی بیعت کی۔ تو اس نے طعنہ مارا کہ دیکھو تم نے وہی بات مانی جو ہم منواتے تھے اور اس نے حضور کی مخالفت میں کبھی نہ قلم اُٹھایا نہ زبان کھولی۔ بلکہ وہ اس سلسلہ کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ وہابیوں کی خوب خبر لی۔

بیشہ وروں کی ناز سنائی پر فرمایا کہ

یہ لوگ ناز سنائی بغیر رہ نہیں سکتے۔ ضرور کرتے ہیں۔

(قبل و بعد از نماز مغرب)

مغرب کی اذان سے پیشتر ہی حضرت اقدس بالائی مسجد میں تشریف لے آئے۔ اور اور جس مکان کی خرید کے متعلق حضور نے کشتی نوح میں اشتہار دیا ہے اُس کا ذکر کرتے رہے کہ

توسیع مکان کی بہت ضرورت ہے۔ جہاں تک ہو سکے جلدی فیصلہ کرنا چاہیئے۔

ایک خط اور اُس کا جواب

پھر اذان ہوئی اور نماز ادا کر کے حضرت اقدس حسبِ معمول شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے۔ ایک خط اخبار عام کے کارپردازوں کی طرف سے حضرت اقدس کی خدمت میں آیا تھا جس کا راقم ایک شخص رحمت مسیح نامی بٹالہ سے تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ قادیان میں سخت طاعون پھوٹی ہے۔ دھڑا دھڑ لوگ مر رہے ہیں۔ مرزا صاحب کی جماعت بھی بہت طاعون سے تباہ ہو چکی ہے۔ خود مرزا صاحب بھی مبتلائے طاعون ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اخبار عام نے اس خط کو بجنسہٖ حضرت اقدس کے پاس تصدیق کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس نے کیا۔ راقم خط کے متعلق کہا کہ

بعض لوگ شدید فتنہ پردازی سے ایسا کرتے ہیں کہ ایک خط لکھ کر دوسرے مخالف کا نام اس پر لکھ دیا کرتے ہیں۔ اس لئے کیا معلوم کہ کس کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے اخبار عام کو لکھ دیا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ صرف چند ایک اموات چوڑھوں میں ہوئی ہیں۔ سو اُن کا باعث بھی مشکوک ہے کچھ ڈنگر مرے تھے۔ وہ چوڑھوں نے کھائے۔ پھر جن لوگوں نے اُن کو کھایا وہی مرے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ طاعون سے مرے۔

کٹک کے ایک احمدی مرد اور عورت کا اخلاص

پھر تین صاحبوں نے حضرت اقدس سے بیعت کی جس میں ایک صاحب سیّد اختر الدین احمد ساکن کٹک بنگال بھی تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے احمد حسین صاحب آمدہ از کٹک کی طرف سے ایک کرنسی نوٹ اور کچھ زیورات حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ زیورات اُن صاحب کی اہلیہ مرحومہ کی طرف سے تھے جن کی وصیت تھی کہ یہ خاص حضرت اقدس کی خدمت میں دینی خدمت کے لئے دیئے جائیں۔ حضرت اقدس نے ان کے اخلاق کی تعریف کی اور فرمایا کہ

خدا اُن کو اٰخرین منھم[1] میں ملا دے ※

※ الحکم میں ۲۱ر اکتوبر۔ دربار شام کے زیر عنوان اس کی تفصیل یُوں درج ہے:۔

کٹک سے دو بھائی آئے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے ایک نے نہایت اخلاص سے اپنی مرحومہ بیوی کا زیور حضور کی خدمت میں پیش کیا کیونکہ مرحومہ اس کی وصیت کر گئی تھی۔ مولوی نورالدین صاحب حکیم الامت نے اس پر عرض کیا کہ بڑے ہی اخلاص اور شہادت کا نشان ہے فرمایا:۔

اٰخرین منھم[1] کہہ کر جو خدا تعالیٰ اس جماعت کو صحابہؓ سے ملاتا ہے تو صحابہؓ کا سا اخلاص اور وفاداری اور ارادت اُن میں بھی ہونی چاہیئے۔ صحابہؓ نے کیا کیا۔ جس طرح پر انہوں نے خدا تعالیٰ کے جلال کے اظہار کو دیکھا۔ اسی طریق کو انہوں نے اختیار کر لیا یہانتک کہ اس کی راہ میں جانیں دے دیں۔ وہ جانتے تھے کہ بیویاں بیوہ ہونگی۔ بچے یتیم رہجائینگے لوگ ہنسی کریں گے مگر انہوں نے اس امر کی ذرہ پروا نہ کی۔ انہوں نے سب کچھ گوارا کیا مگر اس ایمان کے اظہار سے نہ رُکے جو وہ اللہ اور اس کے رسُولؐ پر لائے تھے حقیقت میں اُن کا ایمان بڑا قوی تھا۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اب دیکھ لو ایک تو وہ گروہ تھا۔ جس نے اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں کچھ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

[1] الجمعۃ:۴

صحابہؓ کا ذکرِ خیر

صحابہ کرامؓ کے ذکر پر فرمایا کہ

شیعہ سب وشتم تو کرتے ہیں مگر اُن کا (صحابہؓ کا) کام دیکھو کہ جیسے خدا کی مرضی تھی ویسے ہی اسلام کو پھیلا کر دکھا دیا۔ خوب جانتے تھے کہ بیویاں مریں گی، بچے ذبح ہوں گے اور ہر ایک قسم کی تکلیف شدید ہوگی مگر پھر بھی خدا کے کام سے منہ نہ موڑا۔ یہی فقرہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک جماعت وہ ہے کہ اپنا نحب (ذمہ) ادا کر چکے ہیں جیسے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ[1] (پ ۲۱ ع ۱۹) کیسا سرٹیفکیٹ ہے کہ بعض نے میری راہ میں جان دے دی۔ ایک جان وہ جس پر عیسائی پھڑک رہے ہیں اور پیچھے سے معلوم ہوا کہ وہ بھی نہیں دی گئی۔ ہم نے تحقیق کر لی ہے کہ استغفار کے یہ معنے ہیں۔ کہ انسانی قویٰ جو کرتوت کر رہے ہیں ان کا افراط و تفریط یعنی بے محل استعمال نافرمانی ہوتا ہے تو خدا کا لطف و کرم مانگنا کہ تو رحم کر اور اُن کے استعمال کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھ یعنی اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے۔ مسیح بھی خدا تعالیٰ کی مدد کے محتاج تھے۔ اگر کوئی اس طرح نہیں سمجھتا تو وہ مسلمان نہیں۔

بڑا فنافی اللہ وہ ہے جو کہ ہر آن میں خدا کی امداد چاہتا ہے جیسے ایاك نعبد وایاك نستعین۔[2]

آنحضرتؐ کے استغفار پر سوال و جواب

پھر مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اپی فینی ایک انگریزی عیسائی پرچہ میں سے حضرت اقدس کو ایک مضمون سُنایا جو کہ ایک مسلمان کے قلم سے استغفار کے متعلق

چیز نہ سمجھا اور ایک عیسائی ہیں جو مسیح کے کفارہ پر ناز کرتے ہیں اور ایک جان دینے پر گھمنڈ کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی غلط نکلی ہے مقابلہ کر کے دیکھو کہ صحابہؓ کی وفاداری اور استقلال جانوں کے دینے میں کیا تھا اور خود مسیح کا کیسا؟ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] الاحزاب: ۲۴ [2] الفاتحہ: ۵

نکلا ہوا تھا جس میں اس نے اپنی نادانی سے ایک عیسائی کو یہ جواب دیا تھا۔ کہ استغفار کا حکم آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس سے اُمت مقصود ہے کہ آپؐ کی اُمت استغفار کرے۔

اس عیسائی پرچہ کے ایڈیٹر نے اس پر اعتراض کیا ہوا تھا کہ اگر یہ حکم رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس لئے ہوا کہ امت کو تعلیم دیں تو امت کے روبرو پڑھ کر سُنا دینا کافی تھا۔ مگر ایک دن میں ستر ستر اور سَو سَو بار استغفار کرنے اور پھر تنہائی میں کرنے سے کیا فائدہ تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لوگ نادانی سے نہیں سمجھتے۔ اس مسلمان شخص نے تو خود عیسائیوں کو اعتراض کا موقعہ دے دیا ہے اور یہ اس کی کم فہمی ہے۔ کہ اُس نے خود استغفار کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس سے مراد تو ترقی مراتب ہے۔

پھر ایک اَور مسلمان کا مضمون اسی پرچہ میں سے سُنایا جس نے لفظ ذنب کے متعلق لکھا ہوا تھا اور حضرت اقدسؑ کے مضمون مندرجہ انگریزی میگزین میں سے اس کا جواب اقتباس شدہ تھا۔ اس شخص نے اپنے جواب میں انگریزی میگزین کا حوالہ بھی دے دیا تھا۔ اس سے حضرت اقدس بہت خوش ہوئے کیونکہ اس ترتیب سے علاوہ جواب معقول ہونے کے اس سلسلہ کی یہ تائید ہوئی کہ تیرہ چودہ ہزار آدمیوں میں میگزین کا اشتہار ہوگیا۔ جن کے پاس یہ عیسائی پرچہ جاتا ہے۔

بپتسمہ کے وقت پانی کا استعمال

پھر عیسائیوں کے بپتسمہ دینے کے وقت جو پانی وغیرہ چھڑکا جاتا ہے اور بعض اُن کے فرقے اس وقت نئے دیندار کو ایک چھوٹے سے حوض میں دھکا دیدیتے ہیں۔

اس کے ذکر پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

پانی کا لحاظ تو ہر ایک نے رکھا ہے۔ ان لوگوں نے تالاب وغیرہ رکھا ہے۔ اور قرآن

نے گریہ و بکا کا پانی رکھا ہے وہ ظاہر پر گئے ہیں اور قرآن شریف حقیقت پر گیا ہے۔
جیسے تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ[1]۔

شریعت اور عیسائیت

عیسائی پرچہ اپی فینی میں قرآن کریم پر شریعت کے متعلق حملہ کیا ہوا تھا اور اس کے مقابل پر انجیل کو مبارک بتلایا ہوا تھا جس نے شریعت کو لعنت کہا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

جب ان میں شریعت کوئی نہیں ہے تو اگر ان کو کہا جائے کہ نجاست کھاؤ۔ تو کھا سکتے ہیں اور ماں کے ساتھ زنا کریں تو کر سکتے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ کپڑا کیوں پہنتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو مذہب (شریعت) سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ برائے نام گناہ گناہ کرتے ہیں اور اصل میں چاہتے ہیں کہ ہر ایک گناہ کو چالاکی سے ہضم کر لیں۔ جب ہر ایک قسم کی بدکاری کرنے پر وہ تیار ہیں تو پھر گناہ کیا شئے ہے۔ اگر باکرہ ہمشیرہ یا لڑکی کو نکاح میں لا دیں تو وہ حرام نہیں ہے اگر کہیں کہ سابقہ کتب میں حرام ہے تو وہ ان کے نزدیک منسوخ ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جنگوں پر فرمایا کہ

وہ تو جائز طور پر جنگو مارنا تھا مار چکے مگر ان لوگوں (عیسائیوں) نے لاکھوں خون ناجائز طور پر کئے (عیسائی مذہبی جنگوں سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر خون ناحق ہوئے ہیں۔)*

---

* الحکم میں یہ ڈائری یوں درج ہے:۔

"اسلامی جنگیں بالکل دفاعی لڑائیاں تھیں جب کفار کی تکالیف اور شرارتیں حد سے گذر گئیں تو خدا تعالیٰ نے اُن کو سزا دینے کے لئے یہ حکم دیا مگر عیسائیوں نے جو مختلف اوقات میں مذہب کے نام سے لڑائیاں کی ہیں۔ اُن کے پاس خدا تعالیٰ کی کونسی دستاویز اور حکم تھا جس کی رُو سے وہ لڑتے تھے ان کو تو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کا حکم تھا" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

[1] المائدۃ : ۸۴

اعلیٰ اخلاق اور اُن کے اظہار کا وقت

انسان کا خُلق اس کی فتح اور کامیابی کے متعلق ہوتا ہے کہ جو کچھ صبر وغیرہ اخلاق فاضلہ مصیبت اور بَلا کے وقت دکھلاتا ہے وہی فتح اور اقبال کے وقت دکھلاوے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کے وقتوں پر اخلاق دکھلانے کا موقع ملا جو خُلق عظیم تنگی اور بَلا کے وقت آپ نے مکہ میں دکھلائے تھے وہی آپ نے بادشاہ ہو کر دکھلا[ئے]

حضرت مسیح کا کوئی شعبہ خُلق کا دکھلاؤ وہ تو اس سے بالکل فارغ ہیں۔ بلا ثبوت تو جوگی بھی مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے نفس کو مارا ہوا ہے۔ ستر بی از بے چادری۔ مسیح نے تو امام حسین علیہ السلام جتنا حوصلہ بھی نہ دکھلایا کیونکہ اُن کو مفر کی گنجائش تھی۔ اگر چاہتے تو جا سکتے تھے مگر جگہ سے نہ ہلے اور سینہ سپر ہو کر جان دی اور مسیح کو تو مفر ہی کوئی نہ تھا۔ یہودیوں کی قید میں تھے۔ حوصلہ کیا دکھلاتے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۲ تا ۱۴ مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ (بوقت سیر)

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور مشرقی جانب آپ نے چلنے کا حکم دیا۔ فرمایا کہ

اس طرف جنگل ہے۔ ادھر ہی چلئے۔ جلد جنگل میں نکل جاتے ہیں۔

نزول المسیح کے متعلق مفتی محمد صادق صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

پیشگوئی کا جس قدر تکرار ہوگا وہ ایک نیا نشان ہوگا۔ خدا کا عمیق علم اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن باتوں کا وجود بھی نہیں ہوتا۔ ان کی قبل از وقت خبر دے دیتا ہے۔ اس کا علم غیبوبیت سے پتہ لگتا ہے۔ جو کہ طاقتوں اور قدرتوں کے ساتھ بھرا ہوا ہوتا ہے اس علم میں غیب بھی ہوتا ہے اور طاقت بھی۔ نجومی جھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ طاقت

نہیں ہوتی۔ مگر انبیاء کی خبروں میں طاقت بھی ہوتی ہے۔ جیسے دشمن کا ادبار اور اپنا اقبال دشمن کو شکست اور اپنی فتح۔ جو اُسے نجومی کے ساتھ ملاتے ہیں وہ دھوکا کھاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں صراحت ہوتی ہے کہ وُہ (نبی) ایسا وجود ہے کہ دشمن کو پامال کرنا چاہتا ہے یہ چھیڑ چھاڑ جو عیسائیوں (کے اعتراضوں) کی ہوتی ہے آخر کسی حد تک بڑھتی جاویگی۔ مگر آخر کار فیصلہ ہوگا۔ خدا تو ایک دم میں فیصلہ کرسکتا ہے مگر وہ تماشہ دیکھنا چاہتا ہے۔ زمین میں کشمکش رہتی ہے۔ مگر آخرکار فرشتہ آکر ہاتھ مارتا ہے تو فیصلہ ہوجاتا ہے۔[1]

ڈوئی اور پگٹ کا ذکر

پھر ڈوئی کا ذکر ہوا کہ اُسے اس ماہ کے آخر میں ہمارا رسالہ مل جاوے گا۔ فرمایا۔

معلوم نہیں اخبار میں ذکر کرے یا چُپ رہے۔ اس کے چُپ رہنے سے معلوم ہوگا کہ وہ جسے خدا بنا رہا ہے۔ اسے کچھ جُرأت بھی ہے کہ نہیں۔ اگر ذکر نہ کیا تو معلوم ہوگا۔ اس عقیدہ میں اُسے خود کھٹکا ہے۔ جس جگہ اُس نے ہاتھ ڈالا ہے۔ اس کا اُسے خود علم نہیں جو توحید پر نہیں ہوتا۔ اُسے اس کا قلب خود جھوٹا ثابت کرتا ہے۔ ان لوگوں نے ہزاروں بحثیں کیں اور جلسے بھی کئے مگر اب تک کوئی ایسی بات نہ ثابت کرسکے کہ حضرت مسیح کو انسان سے برتر کچھ خصوصیت ہے۔

ٹھاکرداس نے یہ بھی مان لیا ہے کہ انجیل کتب سابقہ کا خلاصہ ہے۔ کوئی نئی نہیں ہے۔ مسیح صرف مصلوب ہونے کو آیا تھا۔

---

[1] الحکم میں یوں مذکور ہے۔ فرمایا۔

عیسائیوں کی چھیڑ چھاڑ مذہبی رنگ میں بہت بڑھ گئی ہے۔ اور قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ بہت بڑھے گا۔ آخر خدا تعالیٰ مقابلہ کرے گا اور دکھا دے گا۔ کہ آخری فتح توحید ہی کی ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

ڈوئی کے نزدیک انسان حُقہ، شراب اور سُؤر کھانے سے تو کافر ہو جاتا ہے۔ مگر انسان کو خدا بنانے سے نہیں ہوتا۔ دوسرے مشرک تو مثل چُوہوں کے ہیں۔ اُن سے تو وہ نفرت کرتا ہے اور جو بڑا بھاری مشرک ہاتھی کی مثل ہے اسے قبول کیا ہوا ہے۔ قوم کو چونکہ اس شرک میں بہت ہی گرفتار دیکھا اس لئے دلیری نہ کر سکا کہ اُن کی مخالفت کرے (مسیح کو خدا ماننے میں)

پگٹ کے ذکر پر فرمایا کہ

یہ لوگ بہت ہی گھبرائے ہوئے ہیں کہ آخر گھبرا گھبرا کر مسیح کو منگوا رہے ہیں۔

ڈوئی و پگٹ کے دعاوی کی اشاعت پر فرمایا کہ

اُن کی شہرت کا باعث اخبار ہوتے ہیں اُن کے مقابلہ میں پنجاب کے اخبار تو گویا برائے نام ہیں۔ وہاں تو ایک دن میں لاکھوں کو خبر ہو جاتی ہے۔

ڈوئی کی نسبت اگر ہمارے مقابلہ پر پگٹ آئے تو بہت اثر ہوگا۔ دجّال ایک گروہ کا نام ہے اور مسیح سیاحت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے نبوت کا دعوےٰ کیا کہ خدا کی کتابوں کو توڑ مروڑ کر اپنے منشا کے مطابق بنا لیا اور پھر فلسفہ کے رنگ میں خدائی کا دعویٰ کیا۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاگرد اُستاد سے پڑھ رہا تھا۔ سبق میں مثال آئی ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا۔ شاگرد نے اُستاد سے پوچھا کہ زید نے عمرو کو کیوں مارا۔ اُستاد نے کہا۔ صرف ایک مثال ہے۔ شاگرد نے کہا۔ نہیں یہ تو اصل واقعہ ہے۔ سبب بتلائیے کہ مار کی نوبت کیوں پہنچی۔ آخر اُستاد نے دیکھا کہ یہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اُس نے کہا اب مجھے مار کا سبب یاد آ گیا ہے کہ عمر نے و کا حرف چُرا لیا ہے اور اپنے نام کے ساتھ لگا لیا ہے۔ تب شاگرد نے کہا کہ اب ٹھیک ہے۔ باعث تو معلوم ہو گیا۔ فرمایا:۔

پگٹ کو ضرور چٹھی لکھنی چاہئیے۔ اگر مقابلہ کرے تو خوب اثر ہوگا اور لوگ بھی

توجہ کریں گے۔

مفتی صاحب نے کہا کہ چٹھی لکھ دی ہوئی ہے۔حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ نسبت امریکہ کے ولائت والوں کو ہم سے بہت واسطہ ہے۔اس کا اگر مقابلہ ہو اور وہ مقابلہ لکھا جاوے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نشان ظاہر کر دے۔ڈوئی نے تو کم مرتبہ اختیار کیا ہے مثل غلاموں کے۔اگر وہ (پگٹ) ذرہ دلیر بنے تو یہ (ڈوئی) قابو آیا ہوا ہے کیونکہ وہ اس کی مقررہ میعاد کے اندر آگیا ہے۔کہدیوے کہ مسیح پانی کی طرح پگھل کر آسمان سے آیا ہے اور میرے اندر رَچ گیا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دجّال کے متعلق جب سوال ہوا کہ وہ کیا ایسے اعلیٰ درجہ والا ہوگا کہ چاند سورج سب پر اختیار پاوے گا اور مردے زندہ کرے گا،تو آپؐ نے فرمایا۔کہ یہ جُھوٹ ہے اُسے رتی بھر اختیار نہ ہوگا۔صرف مکر اور حیلہ ہی ہوگا۔

فرمایا:۔

ڈوئی نے ایک بات عجیب کی ہے کہ معجزات مسیح کی مٹی پلید کر دی۔سلب امراض کے معجزے ہی مسیح کی نسبت ان کے ہاتھ میں تھے۔ویسے ہی ڈوئی بھی کرتا ہے اور جب کوئی اعتراض کرے کہ تمہاری لڑکی اچھی نہ ہوئی تو جواب دیتا ہے کہ مسیح سے بھی فُلاں فُلاں مریض اچھا نہ ہوا۔

کیسے منحوس معجزے تھے کہ جو شخص اُن کے نزدیک کافر ہے وہ بھی معجزے دکھلا سکتا ہے حالانکہ موسٰیؑ کی طرح نہ اس نے سوٹے کا سانپ بنایا اور نہ کچھ اُور۔

بس یہی استدلال کافی ہے کہ زہے خدائی کہ ایک کافر نے بھی وہی بات کر کے دکھا دی۔سلب امراض کوئی شئے نہیں ہے۔یہودی بھی کر سکتے ہیں اور فاسق فاجر جو خدا کی راہ سے غافل ہیں وہ بھی کر سکتے ہیں۔ڈوئی سے پوچھا جائے کہ مسیح کے معجزات تو وہی ہیں جو تو کر رہا ہے اور تو اِن لوگوں کے نزدیک کافر ہے اب بتلا کہ مسیح کے وہ

معجزات کونسے ہیں جو اس کی خدائی پر دلیل ہیں؟

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں ایرانی لوگ مشرک تھے اور قیصر رُوم جو کہ عیسائی تھا دراصل موحد تھا اور مسیح کو ابنُ اللہ نہیں مانتا تھا اور جب اُس کے سامنے مسیحؑ کا وہ ذکر جو قرآن میں درج ہے پیش کیا گیا تو اُس نے کہا میرے نزدیک مسیحؑ کا درجہ اس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں جو قرآن نے بتلایا ہے۔ حدیث میں بھی اُس کی گواہی بخاری میں موجود ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی کلام ہے جو کہ توریت میں ہے۔ اور اس کی حیثیت نبوت سے بڑھ کر نہیں ہے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ الٓمّٓ ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ[1] یعنی رُوم اب مغلوب ہو گیا ہے مگر تھوڑے عرصہ میں (۹ سال میں) پھر غالب ہوگا۔ عیسائی لوگ نہایت شرارت سے کہتے ہیں کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دونو طاقتوں کا اندازہ کر لیا تھا اور پھر فراست سے یہ پیشگوئی کر دی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مسیح بھی بیماروں کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا جو اچھے ہونے کے قابل نظر آتے تھے اُن کا سلب امراض کر دیتا۔ اس طرح تو سارے معجزات اُن کے ہاتھ سے جاتے ہیں۔ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اس دن مومنوں کو دو خوشیاں ہونگی۔ ایک تو جنگ بدر کی فتح۔ دوسرے رُوم والی پیشگوئی کے پورا ہونے کی۔

منتر جنتر بھی سلب امراض ہی ہے مگر بڑا خبیث کام ہے اس لئے اسلام میں اس کی بجائے خدا پر توقع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور صرف رُوحانی امراض کے لئے سلب رکھا گیا ہے جیسے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ حضرت مسیحؑ تو رُوحانی امراض کا سلب نہ کر سکے اس لئے گالیاں دیتے چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلب امراض کا نمونہ صحابہ ہیں۔ *

* الحکم میں مضمون کا یہ حصہ ڈائری نویس نے تفصیل سے یوں لکھا ہے :۔ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

[1] الروم ۲ تا ۵

شیعوں کی تردید جو صحابہ پر طعن کرتے ہیں

اسی طرح آزمائش کرو کہ خدا اور رسول کی راہ میں کس نے صدق دکھلایا۔ آپس کی رنجشیں خانگی امور ہوتے ہیں اُن کا اثر ان (صحابہ) پر نہیں پڑ سکتا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَنَزَعْنَا مَافِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ[۱] اور عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ[۱]۔ یہ ایک پیشگوئی ہے کہ آئندہ زمانہ میں آپس میں رنجشیں ہوں گی لیکن غِلّ ان کے سینوں میں سے ہم کھینچ لیں گے۔ وہ بھائی بھائی ہوں گے تختوں پر بیٹھنے والے۔ اب شیعوں سے پوچھو کہ اس وقت زمانہ نبوی میں تو کوئی رنجش نہ تھی اور اگر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آپس میں صلح کرا دیتے۔ آخر یہ بات آئندہ زمانہ میں ہونے والی تھی ورنہ اس طرح پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر حرف آتا ہے کہ اُنہوں نے صلح کی کوشش تو کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔

یہ بات شیعہ پر بڑی دلیل ہے۔ وہ صرف دو آدمیوں کا نام لیتے ہیں جو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے۔ ہم کہتے ہیں کہ آیت تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر اُتری تھی نہ علیؓ پر اور نہ کسی اَور پر۔ اگر کہو کہ اُس وقت ہی غِلّ تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ ایسے سخت دل تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بار بار کہا اور سمجھایا مگر کسی نے آپ کا کہنا نہ مانا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ تو بڑی بے ادبی ہے۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ بعد کی خبر ہے مگر خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی شئے نہیں

حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ

احیائے موتیٰ

سلب امراض سے جن لوگوں کو مسیح نے عیسائیوں کے قول کے موافق زندہ کیا وہ آخر مَر گئے مگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[۲] کے نیچے لا کر جن کو زندہ کیا وہ ابدالآباد تک زندہ رہے۔ صحابہؓ کا مقابلہ حواریوں سے ہو ہی نہیں سکتا۔ ساری انجیل میں ایک بھی ایسا فقرہ نہیں جو صحابہؓ کی اس حالت کا جو قرآن نے بیان کی ہے کہ خدا کی راہ میں انہوں نے جان و مال سے دریغ نہ کیا، مقابلہ کر سکے۔ انہوں نے خدا اور رسُولؐ کی راہ میں جو صدق دکھلایا وہ لانظیر ہے

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[۱] الحجر: ۴۸ [۲] الشمس: ۱۰

اسی لئے فرماتا ہے کہ تم اس پر خیال نہ کرو یہ بشریت کے اختلاف ہیں ہم ان کو بھائی بھائی بنا دیں گے۔ خدا تعالیٰ ہی نے یہ پیشگوئی کی کہ ایسا ہوگا۔ بعض آپس میں لڑیں گے۔ پھر سب سے آخر جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے فرمایا

وہی گروہ تھے جنہوں نے آپ کی صحبت نہ پائی مگر آپ کو دیکھا۔ ایسے لوگ تیسرے طبقہ میں ہیں اور بعض ان میں مرتد بھی ہو گئے تھے۔ ان کی نسبت ہے کہ آپ (بروز قیامت) خدا تعالیٰ کو کہیں گے کہ یہ تو ایمان لائے تھے۔ خدا تعالیٰ کہیگا لَا تَدْرِیْ[1] یعنی تجھ کو علم نہیں کیونکہ وہ لوگ آپ کی صحبت میں بہت قلیل رہے تھے اور وہی تھے جو پیچھے بعض اُن میں سے مُرتد بھی ہو گئے اور زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے قتل ہوئے تھے۔ اہلِ اسلام خود اس قسم کے مُرتد مانتے ہیں جو صحابہ کہلاتے تھے۔ مگر یہ تو قرآن ہے جو بتلاتا ہے کہ جو آپس میں موحدین ہوں گے اُن میں بھی تفرقہ ہوگا۔ ایک وہ موحد تھے جنہوں نے کم وقت پایا۔ اور پھر اُن کی نسبت قرآن شریف نے کہا ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ[2]۔ یعنی (یُوں کہو کہ) ہم نے مقابلہ چھوڑ دیا۔ لیکن اُن کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا۔ انہی کی طرف اشارہ ہے وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا[3]۔ کجا صحابہ کی شان اور کجا یہ لوگ۔ ایک گروہ جان دے چکا۔ خدا نے رُوح القدس سے اس کی تائید کی۔

بعض وقت غیر محل پر ذکر کرنے سے ایک عالِم بھی گھبرا جاتا ہے جیسے اگر کوئی شیعہ کہے کہ . . . . کون ہے تو خدا نے بتلا دیا کہ یہ لوگ جو پیچھے آئے تھے اور داخلِ اسلام ہوئے تھے۔

(مغرب وعشا)

الدّار کی توسیع کا ارشاد

مجوزہ مکان کی تعمیر کے واسطے میر صاحب کو ارشاد فرمایا کہ لکڑی کا بندوبست بہت جلد کرنا

[1] الطلاق: ۲ [2] الحجرات: ۱۵ [3] النصر: ۳

چاہیئے اور مولوی عبدالکریم صاحب کو تاکید کی کہ

احباب کی توجہ چندہ کی طرف مائل کرنی چاہیئے اور تاکید کرنی چاہیئے کیونکہ یہ کام بغیر چندہ کے نہیں ہو سکتا۔

(اس مکان کے جلد تعمیر کرنے کی علت غائی یہ ہے کہ توسیع مکان ہو جائے گی تو زیادہ احباب اُس میں رہ سکیں گے اور خصوصیت کے ساتھ جو الہام انی احافظ کل من فی الدار ہے وہ تمام اس خاص حفاظت سے حصہ گیر ہو سکیں گے)

مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط حامد سنو صاحب (ایک نومسلم انگریز) کا پڑھ کر سُنایا۔ اس میں راقم نے اس امر پر تعجب کیا ہوا تھا کہ میگزین کی انگریزی مولوی محمد علی صاحب کی ہوتی ہے اور نیز راقم نے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ اس کے متعلق بیان تھا کہ اگر اجازت ہو تو وہ حضرت اقدس کے نام مبارک پر طبع کی جاوے۔

حضرت اقدس نے کہا کہ

اول وہ کتاب آجاوے دیکھ کر پھر رائے قائم کی جاوے گی۔

اور اس پر حضرت اقدس نے یہ بھی تجویز فرمایا کہ

اپنے عقائد کی ایک مختصر فہرست چھاپ دی جاوے کہ عقیدہ کے ہر پہلو کا اس میں بیان ہو۔ معجزات۔ فرشتے۔ وحی۔ حیات و وفات مسیح وغیرہ تاکہ جب کسی کو اپنے عقائد کے متعلق اطلاع دینی ہو تو جھٹ وہ روانہ کر دی جائے۔

میر ناصر نواب صاحب کی تائید پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مولوی محمد علی صاحب کا ایسی عمدہ انگریزی لکھنا ایک خارق عادت امر ہے چنانچہ انگریزوں نے بھی خیال کیا ہے کہ ہم نے کوئی یورپین رکھا ہوا ہے جو کہ انگریزی رسالہ لکھتا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب نے بیان کیا کہ یہ خدا کا فضل ہی ہے ورنہ اس سلسلہ سے

پیشتر میرا ایک حرف تک کبھی شائع نہیں ہوا۔

گناہ کی تعریف

مفتی محمد صادق صاحب حسب الارشاد حضرت اقدس ایک عیسائی کتاب سے گناہ کی حقیقت سُناتے رہے۔ اس کتاب میں ایک جگہ گناہ کی تعریف یہ لکھی تھی کہ جو امر کانشنس یا شریعت کے خلاف ہو وہ گناہ ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

قرآن شریف میں بھی ہے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ[1] یعنی اگر ہم شریعت پر چلتے یا کانشنس پر ہی عمل کرتے تو اصحاب السعیر سے نہ ہوتے۔

موسیٰ کا قبطی کو قتل کرنا گناہ نہ تھا

موسیٰ پر الزام مُکا مارنے کا جو عیسائی لگاتے ہیں، اُس کی نسبت فرمایا کہ

وہ گناہ نہیں تھا۔ اُن کا ایک اسرائیلی بھائی نیچے دبا ہوا تھا۔ طبعی جوش سے انہوں نے ایک مُکا مارا، وہ مر گیا۔ جیسے اپنی جان بچانے کے لئے اگر کوئی خُون بھی کر دے تو وہ جُرم نہیں ہوتا۔ موسیٰؑ کا قول قرآن شریف میں ہے۔ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ[2] یعنی قبطی نے اس اسرائیلی کو عمل شیطان (فاسد ارادہ) سے دبایا ہوا تھا۔

پھر اس کتاب میں خود غرضی کو گناہ کہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہر ایک خود غرضی گناہ میں داخل نہیں ہے جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ جبتک کہ وہ خلاف کانشنس یا شریعت نہ ہو۔ جب خدا کے حکم کو توڑ کر کوئی شہوات کی خواہش کرے تو گناہ ہے۔ اور جو (اشارہ مسیحؑ) اپنے نفس کے لئے نجات چاہتا ہے۔ یہ خود غرضی ہے کہ نہیں؟

---

[1] الملک: ۱۱ [2] القصص: ۱۶

مسیح کے گناہ اٹھانے پر فرمایا کہ

اُس نے تمام کے گناہ اُٹھا کر پھر گناہ کیا کہ اس کو معلوم تھا کہ دُعا قبول نہ ہوگی۔ مگر پھر بھی کرتا ہی رہا۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۴، ۱۵ مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر)

قرآنی عظمت اور مسلمان

اس سلسلہ مضمون میں فرمایا کہ

مسلمانوں میں قرآن کی عظمت نہیں رہی۔ شیعہ ہیں وہ آئمہ کے اقوال کو مقدم کرتے ہیں اور دوسرے فریق حدیثوں کے ظنّی سلسلہ کو قرآن پر قاضی بناتے ہیں۔

اسی ذکر میں عبداللہ چکڑالوی اور محمد حسین کی بحث کا ذکر آگیا۔ فرمایا:۔

چکڑالوی نے تفریط کی ہے اور حدیث کو بالکل لاشئے سمجھا اور محمد حسین افراط کی طرف گیا ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کو لاشئے سمجھتا ہے۔

کتاب اللہ، سُنّت اور حدیث

پھر آپ نے واضح اور بیّن طور پر اس مضمون پر کلام کیا کہ

ہمارے نزدیک تین چیزیں ہیں۔ ایک کتاب اللہ دوسرے سُنّت یعنی رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل اور تیسرے حدیث۔ ہمارے مخالفوں نے دھوکہ کھایا ہے کہ سنّت اور حدیث کو باہم ملایا ہے۔ ہمارا مذہب حدیث کے متعلق یہی ہے کہ جب تک وہ قرآن اور سُنّت کے صریح مخالف اور معارض نہ ہو اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے خواہ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف سے ضعیف کیوں نہ ہو۔ جبکہ ہم اپنی زبان میں دعائیں کر لیتے ہیں تو کیوں حدیث میں آئی ہوئی دعائیں نہ کریں جبکہ وہ قرآن شریف کے مخالف بھی نہیں۔ قرآن شریف پر حدیث

کو قاضی بنانا سخت غلطی ہے اور قرآن شریف کی بے ادبی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بڑھیا نے حدیث پیش کی تو انہوں نے یہی کہا کہ میں ایک بوڑھیا کے لئے قرآن شریف نہیں چھوڑ سکتا۔ ایسا ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کسی نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے۔ ماتم کرنے سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ قرآن میں تو آیا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔[1] پس قرآن پر حدیث کو قاضی . . . . بنانے میں اہل حدیث نے سخت غلطی کھائی۔

اصل بات یہ ہے کہ اپنی موٹی عقل کی وجہ سے اگر کوئی چیز قرآن میں نہ ملے تو اس کو سُنّت میں دیکھو اور پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ جن باتوں میں ان لوگوں نے قرآن کی مخالفت کی ہے خود ان میں اختلاف ہے۔ ان کی افراط تفریط نے ہم کو سیدھی اور اصل راہ دکھا دی۔ جیسے یہودیوں اور عیسائیوں کی افراط اور تفریط نے اسلام بھیج دیا۔

پس حق بات یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنّت کے ذریعہ تواتر دکھا دیا ہے اور حدیث ایک تاریخ ہے اس کو عزّت دینی چاہیئے۔ سُنّت کا آئینہ حدیث ہے

یقین پر ظن کبھی قاضی نہیں ہوتا کیونکہ ظن میں احتمال کذب کا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قابل قدر ہے۔ اُنہوں نے قرآن کو مقدم رکھا ہے۔

نزول اور ختم نبوت کے معنے

احادیث میں مسیح موعود کے لئے نزول من السّماء نہیں لکھا۔ نزول کا لفظ ہے اور یہ ظلّی معنی رکھتا ہے نہ کہ حقیقی۔ نزیل لغت میں مسافر کو کہتے ہیں۔ کیا وہ آسمان سے اُترتا ہے۔ بہرحال قرآن ہر میدان میں فتحیاب ہے۔ آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ اور اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ[2] کہکر مسیح موعودؑ کو اپنا بروز بتا دیا ہے۔

[1] الانعام: ۱۶۵ [2] الجمعہ: ۴

معراج ایک کشف تھا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اسی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں مگر وہ نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف اس کو رد کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی رؤیا کہتی ہیں۔

حقیقت میں معراج ایک کشف تھا جو بڑا عظیم الشان اور صاف کشف تھا۔ اور اتم اور اکمل تھا۔ کشف میں اس جسم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ کشف میں جو جسم دیا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا بلکہ بڑی بڑی طاقتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور آپؐ کو اسی جسم کے ساتھ جو بڑی طاقتوں والا ہوتا ہے، معراج ہوا۔

پھر آپؑ نے اس امر کی تائید میں چند آیات سے استدلال کیا کہ جسم آسمان پر نہیں جاتا۔ یہ باتیں قریباً پہلے ہم بار بار درج کر چکے ہیں۔ بخوف طوالت اعادہ نہیں کرتے۔

مسیح کی پیدائش اور خارق عادت اُمور

مسیح کی پیدائش کے ذکر پر فرمایا کہ

خدا کی سنّت دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک کثرتی جیسے عموماً عورت سے دُودھ نکلتا ہے۔ مگر بعض اوقات مَرد سے بھی نکلا کرتا ہے۔ ایسے واقعات دُنیا میں ہوئے ہیں۔ یہ قلیل الوقوع واقعات خارق عادت کہے جاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

برادر مکرم محمد یوسف صاحب اپیل نویس نے اپنے گاؤں میں بعض لوگوں کے تشکوک

کے رفع کرنے کے واسطے بعض احباب کو حضرت اقدس کے ایما سے لے جانا چاہا۔
اس کی تجویز ہوئی کہ مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی سرور شاہ صاحب کو بھیجا جاوے
پھر مفتی محمد صادق صاحب نے رسالہ بیگناہی مسیح سُنایا۔
اس کے ضمن میں مندرجہ ذیل نکات آپؑ نے بیان فرمائے:۔
۱۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے اسماء مفعول کے لفظ میں نہیں۔ جیسے قُدُّوس تو ہے مگر معصوم نہیں لکھا کیونکہ پھر بچانے والا اَور ہوگا۔
اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور وجُودیوں سے جب کبھی مجھے کلام کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے یہی کہا ہے۔ خدا کا نام موجُود نہیں لکھا کیونکہ موجود بمعنی مدرک ہے اور خدا تعالیٰ کی شان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ[1]
اور پھر یہ لفظ صحابہ میں بھی نہیں بولا گیا۔

فرمایا:۔
جیسے مسیح پر کُفر کا فتویٰ لگا کر اُن کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ ایسا واقعہ کسی نبی کے ساتھ نہیں ہوا۔ گناہ کا کمال کُفر پر جا کر ہوتا ہے۔ اور مسیح پر یہودیوں نے کُفر کا فتوےٰ لگایا (ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں نے برخلاف اس کے آپ کو الامین اور المامون کہا۔ مسیح کے مخالفوں کا اُن کی نسبت کُفر کا فتوےٰ دینا اور آپؐ کے مخالفوں کا آپ کو الامین کہنا رتبہ اور درجہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا فرق بتاتا ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

مولوی جمال الدین صاحب ساکن سیّد والہ نے سوال کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام

[1] الانعام: ۱۰۴

کی بابت جو آیا ہے کہ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا[1]۔ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ کلام نہ کریں گے۔ فرمایا:۔

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ لا تستطیع نہیں کہا۔

اعجاز کی حقیقت

سلیمان علیہ السلام کے لئے جو آیا ہے کہ لوہا نرم کر دیا۔ اس سے کیا مراد ہے؟

فرمایا:۔

تدابیر مشہودہ سے الگ ہو کر جو فعل ہوتا ہے۔ اس میں اعجازی رنگ ہوتا ہے معجزات جن باتوں میں صادر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے افعال ایسے ہوتے ہیں۔ کہ دوسرے لوگ بھی ان میں شریک ہوتے ہیں۔ مگر نبی ان تدابیر اور اسباب سے الگ ہو کر وہی فعل کرتا ہے۔ اس لئے وہ معجزہ ہوتا ہے اور یہی بات یہاں سلیمانؑ کے قصہ میں ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کیا لوگ قصائد نہ کہتے تھے؟ کہتے تھے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کلام فصیح وبلیغ پیش کیا تو وہ جوڑ توڑ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وحی سے تھا اس لئے معجزہ تھا کہ درمیان اسباب عادیہ نہ تھے۔ آپ نے کوئی تعلیم نہ پائی تھی اور بدوں کوشش کے وہ کلام آپ نے پیش کیا۔ غرض اسی طرح پر لوہا نرم کرنے کا معجزہ ہے کہ اس میں اسباب عادیہ نہ تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اَور معنی بھی ہوں مشکلات صعب سے بھی مراد لوہا ہوتا ہے۔ وہ حضرت سلیمانؑ پر آسان ہو گئیں۔ مگر اصل اعجاز کا کسی حال میں ہم انکار نہیں کرتے۔ ورنہ اگر خدا تعالےٰ کی ان قدرتوں پر ایمان نہ ہو تو پھر خدا کو کیا مانا؟

ہم اس کو خارق عادت نہیں مان سکتے جو قرآن شریف کے بیان کردہ قانونِ قدرت کے خلاف ہو مثلاً ہم احیاء موتیٰ حقیقی کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن

[1] آل عمران: ۴۲

شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے۔ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ[1]۔

اسی طرح ہم نہیں مان سکتے کہ خدا اپنے جیسا کوئی اور خدا بھی بنا لیتا ہے کیونکہ یہ اس کی توحید کے خلاف ہے۔ یا یہ کہ وہ خودکشی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی صفت حی و قیوم کے خلاف ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ دُنیا ہمیشہ رہے گی اور یہاں ہی دوزخ بہشت ہوگا، ہم نہیں مان سکتے۔ اس کی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ[2] کے خلاف ہے۔ اور اس کے خلاف جا ٹھیرتا ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ[3]۔ ایسا ہی ہم نہیں مان سکتے کہ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر بھی چڑھ سکتا ہے کیونکہ جب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا کہ تو آسمان پر چڑھ جا، آپ نے یہی فرمایا سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[4]۔ ایسا ہی مُردے اگر واپس آ سکتے تو چاہیئے تھا کہ قرآن شریف اُن کے لئے کوئی خاص قانونِ وراثت بیان کرتا اور فقہ میں کوئی باب اس کے متعلق بھی ہوتا۔ غرض جو امور قرآن شریف کے بیان کردہ قانون کے خلاف ہیں ہم اُن کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

نزولِ قرآن

پُوچھا گیا کہ قرآن کا جو نزول ہوا ہے وہ یہی الفاظ ہیں یا کس طرح۔ فرمایا:۔

یہی الفاظ ہیں اور یہی خدا کی طرف سے نازل ہوا۔ قرارت کا اختلاف الگ امر ہے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ[5] میں لَا مُحَدَّثٍ قرارت شاذہ ہے اور یہ قرارت صحیح حدیث کا حکم رکھتی ہے۔ جس طرح نبی اور رسول کی وحی محفوظ ہوتی ہے اسی طرح محدّث کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے۔

پُوچھا گیا۔ جبرائیل کا نزول قلب پر ہوتا تھا یا آواز آتی تھی۔ فرمایا:۔

اس میں بحث کی کچھ ضرورت نہیں۔ جبرائیل کا تعلق قلب ہی سے ہوتا ہے اور قرآن

[1] الزمر: ۴۳ [2] الفاتحہ: ۴ [3] الشوریٰ: ۸ [4] بنی اسرائیل: ۹۴ [5] الحج: ۵۳

شریف میں یہ لفظ آیا بھی ہے۔ مگر یہ عالم الگ ہی ہوتا ہے۔ قرآن شریف جو تمام کتابوں اور علوم کا خاتمہ کرتا ہے اس لئے وہ بڑی اقویٰ وحی ہے اور شدت کے ساتھ اس کا نزول تھا۔

اسلام فطرتی مذہب ہے

ایک شخص نے اپنی رؤیا سنائی جس میں یہ آیت تھی۔ فطرت اللّٰہ الّتی فطر النّاس علیہا[1]

فرمایا:-

اس کے معنے یہی ہیں کہ اسلام فطرتی مذہب ہے۔ انسان کی بناوٹ جس مذہب کو چاہتی ہے وہ **اسلام** ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اسلام میں بناوٹ نہیں ہے۔ اس کے تمام اصول فطرتِ انسانی کے موافق ہیں تثلیث اور کفارہ کی طرح نہیں ہیں۔ جو سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ عیسائیوں نے خود مانا ہے کہ جہاں تثلیث نہیں گئی وہاں توحید کا مطالبہ ہوگا۔ کیونکہ فطرت کے موافق توحید ہی ہے۔ اگر قرآن شریف نہ بھی ہوتا۔ تب بھی انسانی فطرت توحید ہی کو مانتی۔ کیونکہ وہ باطنی شریعت کے موافق ہے۔ ایسا ہی اسلام کی کُل تعلیم باطنی شریعت کے موافق ہے۔ برخلاف عیسائیوں کی تعلیم کے جو مخالف ہے۔ دیکھو۔ حال ہی میں امریکہ میں طلاق کا قانون خلافِ انجیل پاس کرنا پڑا۔ یہ دقت کیوں پیش آئی۔ اس لئے کہ انجیل کی تعلیم فطرت کے موافق نہ تھی۔

کیا مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا؟

سوال کیا گیا کہ مسیح کو صلیب پر چڑھانا قرآن میں کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟ فرمایا

وَلٰکِنۡ شُبِّہَ لَہُمۡ[2] سے یہ واقعہ عیسائیوں اور یہودیوں کے متواترات سے ہے قرآن شریف اس کا انکار کیوں کرنے لگا تھا۔ قرآن یا حدیث صحیح میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ مسیح چھت پھاڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ یہ صرف خیالی امر ہے۔ کیونکہ اگر مسیح

[1] الروم: ۳۱ [2] النساء: ۱۵۸

صلیب پر چڑھایا نہیں گیا اور وہ کوئی اَور شخص تھا۔ تو دو صورتوں سے خالی نہیں یا دوست ہوگا یا دشمن۔ پہلی صورت میں مسیح نے اپنے ہاتھ سے ایک دوست کو ملعون بنایا۔ جس لعنت سے خود بچنا چاہتا تھا۔ اس کا نشانہ دوست کو بنایا۔ یہ کون شریف پسند کرسکتا ہے پس وہ حواری تو ہو نہیں سکتا۔ اگر دشمن تھا تو چاہیئے تھا کہ وہ دہائی دیتا اور شور مچاتا کہ میں تو فلاں شخص ہوں مجھے کیوں صلیب دیتے ہو۔ میری بیوی اور رشتہ داروں کو بلاؤ۔ میرے فلاں اسرار اُن کے ساتھ ہیں۔ تم دریافت کرلو۔

غرض اس تواتر کا انکار فضول ہے اور قرآن شریف نے ہرگز اس کا انکار نہیں کیا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن شریف نے تکمیلِ صلیب کی نفی کی ہے۔ جو لعنت کا موجب ہوتی تھی۔ نفسِ صلیب پر چڑھائے جانے کی نفی نہیں کی۔ اس لئے مَا قَتَلُوْهُ[1] کہا۔ اگر یہ مطلب نہ تھا تو پھر مَا قَتَلُوْهُ کہنا فضول ہو جائے گا۔ یہ ان کے تواترات میں کہاں تھا؟ یہ اس لئے فرمایا کہ صلیب کے ذریعہ قتل نہیں کیا پھر مَا صَلَبُوْهُ سے اَور صراحت کی اور لٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ[2] سے اور واضح کر دیا کہ وہ زندہ ہی تھا۔ یہودیوں نے مُردہ سمجھ لیا۔

اگر آسمان پر اُٹھایا جانا۔ تو خدا تعالیٰ کی قدرت پر ہنسی ہوتی کہ اصل مقصود تو بچانا تھا۔ یہ کیا تماشا کیا کہ دوسرے آسمان سے پہلے بچا ہی نہ سکا۔ چاہیئے تھا کہ ایک یہودی کو ساتھ لے جاتے اور آسمان سے گرا دیتے تاکہ اُن کو معلوم ہو جاتا۔ فرمایا:۔

رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا[3] میں اُن کو ماننا پڑا ہے کہ ادریسؑ مرگیا۔ صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ اگر حضرت ادریس کو ایسا مانیں تو پھر اُن کے بھی واپس آنے کا عقیدہ رکھنا پڑتا ہے جو صحیح نہیں۔ تعجب ہے کہ حضرتِ عیسٰیؑ کے لئے توفّی موجود ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] ، [2] النساء: ۱۵۸ [3] مریم: ۵۸

۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء (بوقت صبح کی سیر)

یروشلم اور بیت المقدس

اس تذکرہ پر کہ عیسائیوں اور یہودیوں میں پھر اس امر کی تحریک ہو رہی ہے کہ ارض مقدس کو ترکوں سے خرید کر لیا جاوے۔ مختلف باتوں کے دوران میں فرمایا۔

یروشلم سے مراد دراصل دارالامان ہے۔ یروشلم کے معنی ہیں۔ وہ سلامتی کو دیکھتا ہے۔ یہ سنّت اللہ ہے کہ وہ پیشگوئیوں میں اصل الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور اس سے مُراد اس کا مفہوم اور مطلب ہوتا ہے

اسی طرح پر بیت المقدس یعنی مسجد اقصٰی ہے۔ ہماری اس مسجد کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصٰی رکھا ہے کیونکہ اقصٰی یا باعتبار بُعد زمانہ کے ہوتا ہے اور یا بُعد مکان کے لحاظ سے۔ اور اس الہام میں المسجد الاقصٰی الّذی بارکنا حولہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات زمانی کو لیا ہے اور اس کی تائید وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ[1] سے بھی ہوتی ہے اور بَارَکْنَا حَوْلَهٗ کا اس زمانہ کی برکات سے ثبوت ملتا ہے جیسے ریل اور جہازوں کے ذریعہ سفروں کی آسانی اور تار و ڈاک خانہ کے ذریعہ سلسلہ رسل و رسائل کی سہولت اور ہر قسم کے آرام و آسائش قسم قسم کی کلوں کے اجراء سے ہوتے جاتے ہیں۔ اور سلطنت بھی ایک امن کی سلطنت ہے۔

بنی اسرائیل

بنی اسرائیل خدا تعالےٰ کا دیا ہوا لقب ہے۔ اسرائیل کے معنے ہیں جو خدا سے بے وفائی نہیں کرتے۔ اس کی اطاعت اور محبت کے رشتہ میں منسلک قوم حقیقی اور اصلی طور پر اسلام کے یہی معنی ہیں۔ بہت سی پیشگوئیوں میں جو اسرائیل کا نام رکھا ہے۔ یہ قلت فہم کی وجہ سے لوگوں کو سمجھ نہیں آئی ہیں۔ اسرائیل سے مراد اسلام ہی ہے اور وہ پیشگوئیاں اسلام کے حق میں ہیں۔

[1] الجمعہ : ۴

تفسیر آیت اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ[1]

فرمایا:۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الارض سے مراد جو شام کی سرزمین ہے یہ صالحین کا ورثہ ہے اور جو اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے یرثھا فرمایا یملکھا نہیں فرمایا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وارث اس کے مسلمان ہی رہیں گے اور اگر یہ کسی اَور کے قبضہ میں کسی وقت چلی بھی جاوے تو وہ قبضہ اسی قسم کا ہوگا جیسے راہن اپنی چیز کا قبضہ مرتہن کو دے دیتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی کی عظمت ہے۔ ارضِ شام چونکہ انبیاء کی سرزمین ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا کہ وہ غیروں کی میراث ہو۔

یرثھا عبادی الصّٰلحون فرمایا۔ صالحین کے معنے یہ ہیں کہ کم از کم صلاحیت کی بنیاد پر قدم ہو۔ مومن کی جو تقسیم قرآن شریف میں کی گئی ہے۔ اس کے تین ہی درجے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ ظالم۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات۔ یہ ان کے مدارج ہیں۔ ورنہ اسلام کے اندر یہ داخل ہیں۔ ظالم وہ ہوتا ہے کہ ابھی اس میں بہت غلطیاں اور کمزوریاں ہیں اور مقتصد وہ ہوتا ہے کہ نفس اور شیطان سے اس کی جنگ ہوتی ہے۔ مگر کبھی یہ غالب آجاتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے۔ کچھ غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور صلاحیت بھی۔ اور سابق بالخیرات وہ ہوتا ہے۔ جو اِن دونوں درجوں سے نکل کر مستقل طور پر نیکیاں کرنے میں سبقت لے جاوے اور بالکل صلاحیت ہی ہو۔ نفس اور شیطان کو مغلوب کر چکا ہو۔ قرآن شریف ان سب کو مسلمان ہی کہتا ہے۔

ہماری جماعت ہی کو دیکھ لو کہ وہ ایک لاکھ سے زیادہ ہے اور یہ سب کی سب ہمارے مخالفوں ہی سے نکل کر بنی ہے اور ہر روز جو بیعت کرتے ہیں یہ اُن میں ہی سے آتے ہیں ان میں صلاحیت اور سعادت نہ ہوتی تو یہ کس طرح نکل کر آتے۔ بہت سے خطوط اس قسم کی بیعت کرنے والوں کے آتے ہیں کہ پہلے میں گالیاں دیا کرتا تھا۔ مگر اب توبہ کرتا ہوں

[1] الانبیاء: ۱۰۶

مجھے معاف کیا جاوے۔ غرض صلاحیت کی بنیاد پر قدم ہو تو وہ صالحین میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

مسیح کا جنازہ

بعد ادائے نماز مغرب جب ہمارے سیّد و مولیٰ شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے تھے تو ڈاکٹر سیّد عبدالستار صاحب رعیہ نے عرض کی کہ ایک شخص منشی رحیم بخش عرضی نویس بڑا سخت مخالف تھا۔ مگر اب تحفہ گولڑویہ پڑھ کر اس نے مسیحؑ کی موت کا تو اعتراف کر لیا ہے اور یہ بھی مجھ سے کہا کہ مسیحؑ کا جنازہ پڑھیں۔ میں نے تو یہی کہا کہ بعد استصواب و استمزاج حضرت اقدس جواب دوں گا۔ فرمایا۔ جنازہ میت کے لئے دُعا ہی ہے کچھ حرج نہیں۔ وہ پڑھ لیں۔

العاقبۃ للمتقین

ہمارے ناظرین منشی شاہدین صاحب سٹیشن ماسٹر مردان سے خوب واقف ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں قابل قدر شخص ہیں۔ تبلیغ اور اشاعت کا سچا شوق رکھتے ہیں جہاں جاتے ہیں ایک جماعت ضرور بنا دیتے ہیں۔ الحکم کے خاص معاونین میں سے ہیں۔ بہرحال ناظرین یہ بھی جانتے ہیں کہ مردان میں بعض شریر النفس لوگوں کی طرف سے اُن کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ اور آخر اُن کی شرارت سے اُن کی تبدیلی ہو گئی۔ حضرت اقدس کے حضور جب ان کی تکالیف اور مصائب کا ذکر ہوا تھا تو آپؑ نے صبر اور استقامت کی تعلیم دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر خدا تعالیٰ نے اظہار حق کیا۔ افسران بالادست نے بدُوں کسی قسم کی تحریک کے جو منشی صاحب کی طرف سے کی جاتی۔ از خود اس مقدمہ کی تفتیش کی اور انجام کار منشی شاہدین

صاحب ترقی پر گوجرخاں ایک عمدہ سٹیشن پر تبدیل ہوئے اور ان کے متعلق بہت ہی اطمینان بخش رائے افسروں نے قائم کی۔ غرض جب منشی صاحب کی اس کامیابی کا ذکر ہوا۔ فرمایا:۔

عاقبت متقی کے لئے ہے

بر گردن او بماند بر ما بگذشت والا معاملہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نیک نیت حاکم کو اصلیت سمجھا دیتا ہے۔ اگر اصلیت نہ سمجھیں تو پھر اندھیر پیدا ہو۔

تباہیٔ بغداد کے ذکر پر

بغداد وغیرہ کی تباہی کے ذکر پر جو ہلاکو نے کی۔ فرمایا کہ

بدکاری حد سے بڑھ گئی تھی۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس طرح پر اُن کو تباہ کیا۔ لکھا ہے کہ آسمان سے آواز آتی تھی۔ اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ

فرمایا۔ صادق مخالفوں کی شرارت اور ایذا رسانی سے اگر مارا بھی جاتا ہے تو وہ شہید ہوتا ہے مگر وہ ناعاقبت اندیش طاعون کا شکار ہونے کو باقی رہ جاتے ہیں جو اُن کی شامتِ اعمال سے آتی ہے۔

اذان ایک عمدہ شہادت ہے

اذان ہو رہی تھی۔ آپؑ نے فرمایا:۔

کیسی عمدہ شہادت ہے جب یہ ہوا میں گونجتی ہوئی دلوں تک پہنچتی ہے تو اس کا عجیب اثر پڑتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے جس قدر عبادت کیلئے بلانے کے طریق ہیں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انسانی آواز کا مقابلہ دوسری مصنوعی آوازیں کب کر سکتی ہیں؟

جماعت کیلئے غلبہ کا وعدہ

اپنی جماعت کے ذکر پر فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے لئے وعدہ فرمایا ہے۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ۔[1] اور خدا کے وعدے سچے ہیں۔ ابھی تو تخم ریزی ہو رہی ہے۔ ہمارے مخالف کیا چاہتے ہیں؟ اور خدا تعالےٰ کا کیا منشاء ہے۔ یہ تو ان کو ابھی معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر وہ غور کریں کہ وہ اپنے ہر قسم کے منصوبوں اور چالوں میں ناکام اور نامراد رہتے ہیں۔ اسی طرح پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف کیا چاہتے تھے؟ ان کا تو یہی مدعا اور مقصد تھا کہ اس جماعت کو نابود کر دیں۔ مگر دیکھو انجام کیا ہوا؟ اگر اس اعجاز کامیابی کو جو ہمارے نبیؐ کو حاصل ہوئی۔ ابوجہل اس وقت دیکھے تو اس کو پتہ لگے۔ کس قدر فوق العادۃ ترقی مخالفوں کی مخالفت اور شرارت کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے کر کے دکھائی۔ یہی معاملہ یہاں ہے اگر یہ مخالف نہ ہوتے۔ تو ایسی اعجازی ترقی یہاں بھی نہ ہوتی یعنی اس ترقی میں اعجازی رنگ نہ رہتا۔ کیونکہ اعجاز تو مقابلہ اور مخالفت سے ہی چمکتا ہے۔ ایک طرف تو ہمارے مخالفوں کی یہ کوششیں ہیں کہ وہ ہم کو نابود کر دیں۔ ہمارا سلام تک نہیں لیتے اور غائبانہ ذکر بھی نفرت سے کرتے ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالےٰ حیرت انگیز طریق پر اس جماعت کو بڑھا رہا ہے یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟

کیا یہ ہمارا فعل ہے یا ہماری جماعت کا؟ نہیں۔ یہ خدا تعالےٰ کا ایک فعل ہے جس کی تہ اور ستر کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اب ان کو کس قدر تعجب ہوتا ہوگا کہ چند سال پہلے جس جماعت کو بالکل کمزور اور ذلیل اور ضعیف سمجھتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ چند آدمی شامل ہیں۔ اب اس کا شمار ایک لاکھ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اور کوئی (دن) نہیں جاتا کہ بذریعہ خطوط اور خود حاضر ہو کر لوگ اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوتے۔ یہ خدا کا کام ہے اور اس کی باتیں عجیب ہوتی ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[1] آل عمران: ۵۶

۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (بوقت صبح کی سیر)

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ؎

حسب معمول آپ حلقہ خدام میں سیر کو نکلے۔ طاعون کا تذکرہ شروع ہونے پر فرمایا کہ

قرآن شریف میں اس کو رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ کہا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پر انسانی ہاتھ نہیں پڑ سکتا اور نہ زمینی تدابیر اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ ورنہ یہ عذاب آسمانی نہ رہے۔

طاعون جو اس کا نام رکھا ہے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے فاروق جب طعن اور تکذیب حد سے گذر جاتی ہے تو پھر اس کی پاداش میں طاعون آتی ہے اور پھر صفائی کرکے ہی قہر الٰہی بس کرتا ہے۔

دَابَّۃُ الْاَرْض اور رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ میں تعلق

عرض کیا گیا کہ دابۃ الارض اور رجزًا من السماء میں کیا تعلق ہے؟ فرمایا

امر تو آسمانی ہی ہوتے ہیں یعنی اس طاعون کا امر آسمان سے آتا ہے۔ اور وہ انسانی ہاتھوں سے بالاتر امر ہوتا ہے اور اس کا معالجہ بھی آسمان ہی سے آتا ہے۔ دابۃ الارض طاعون کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے کیڑے تو زمینی ہی ہوتے ہیں۔

طاعونی موت شہادت ہوتی ہے

عرض کیا گیا کہ طاعون سے مرنا شہادت بتاتے ہیں تو پھر عذاب کیونکر ہوا؟

فرمایا۔ جو لوگ طاعون سے مرنا شہادت بتاتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ طاعونی موت تو عذاب الٰہی ہی ہے لیکن یہ جو کسی حدیث میں آیا ہے کہ اگر مومن ہو کر طاعون میں مر جاوے تو شہادت ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ نے گویا مومن کی پردہ پوشی کی ہے۔ کثرت سے اگر مرنے لگیں تو شہادت نہ رہے گی۔ پھر عذاب ہو جائے گا۔ شہادت کا حکم شاذ کے اندر

؎ الاعراف: ۱۶۳

ہے۔ کثرت ہمیشہ کافروں پر ہوتی ہے۔

اکثر یہ ایسی ہی شہادت اور برکت والی بات تھی تو اس کا نام رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ[1] نہ رکھا جاتا اور پھر کثرت سے مومن مرتے اور انبیاء مبتلا ہوتے مگر کیا کوئی کسی نبی کا نام لے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شاذ مومن اس سے مر جاوے تو اللہ تعالیٰ اپنی ستاری سے اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اور اس کے لئے کہا گیا کہ وہ شہادت کی موت مرتا ہے۔ ماسوا اس کے میں نے بارہا کہا ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن شریف کے متعارض ہو۔ اور اس کی تاویل قرآن شریف کے موافق نہ ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ حکم ہمیشہ کثرت پر ہوتا ہے۔ شاذ تو معدوم کا حکم رکھتا ہے۔

در بار شام

بیعت

بعد ادائے نماز مغرب اول چند آدمیوں نے بیعت کی۔ پھر مفتی محمد صادق صاحب نے ڈوئی کے اخبار سے چند پیراگراف سنائے۔ فرمایا:۔

یہ لغو اور کفر تو ہوتا ہے۔ مگر اس سے تحریک ہو جاتی ہے اور تحریک بچّہ کے بازیچہ سے بھی ہو جاتی ہے۔

دو سوال اور ان کا جواب

ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب نے منشی رحیم بخش عرضی نویس کا خط پیش کیا۔ جس میں دو سوال لکھے تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ براہین میں مسیح کی آمد ثانی کا اقرار تھا۔ کہ وہی مسیح آئے گا۔ پھر اس کے خلاف دعویٰ کیا گیا۔ یہ تزلزل بیانی قابل اعتبار نہیں ہو گی فرمایا:۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہم نے ایسا لکھا ہے اور ہمیں یہ بھی دعویٰ نہیں ہے کہ ہم عالم الغیب ہیں۔ ایسا دعویٰ کرنا ہمارے نزدیک کفر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب

[1] الاعراف: ۱۶۳

تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نہ آوے۔ ہم کسی امر کو جو مسلمانوں میں مروج ہو چھوڑ نہیں سکتے۔

براہین احمدیہ کے وقت اس مسئلہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں توجہ نہیں دلائی۔ پھر جبکہ ایک چرخہ کاتنے والی بڑھیا بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی اور جانتی تھی کہ مسیح دوبارہ آئیگا تو ہم اس کو کیسے چھوڑ سکتے تھے جب تک خدا کی طرف سے صریح حکم نہ آجاتا۔ اس لئے ہمارا بھی یہی خیال تھا۔ مخالفوں کی بے ایمانی ہے کہ ایک خیال کو الہام یا وحی بنا کر پیش کرتے ہیں براہین میں یہ بات عامیانہ اعتقاد کے رنگ میں ہے نہ یہ کہ اس کی نسبت وحی کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے ہم پر بذریعہ وحی اس راز کو کھول دیا اور ہم کو سمجھایا اور یہ وحی تواتر تک پہنچ گئی تو ہم نے اس کو شائع کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کسی امر پر اطلاع دیتا ہے تو وہ اس سے ہٹ جاتے ہیں یا اختیار کرتے ہیں۔ دیکھو۔ اِفک عائشہ رضی اللہ عنہا میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اوّل کوئی اطلاع نہ ہوئی۔ یہانتک نوبت پہنچی کہ حضرت عائشہؓ اپنے والد کے گھر چلی گئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کہا کہ اگر ارتکاب کیا ہے تو توبہ کرلے۔ ان واقعات کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو کس قدر اضطراب تھا۔ مگر یہ راز ایک وقت تک آپؐ پر نہ کھُلا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے اپنی وحی سے تبریہ کیا اور فرمایا۔ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ.... وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ[۱] تو آپؐ کو اس اِفک کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اس سے کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی فرق آتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ شخص ظالم اور ناخدا ترس ہے جو اس قسم کا وہم بھی کرے اور یہ کفر تک پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عالم الغیب ہیں۔ عالم الغیب ہونا خدا کی شان ہے۔ یہ لوگ سنّت انبیاء علیہم السلام سے اگر واقف اور آگاہ ہوں تو اس قسم کے اعتراض ہرگز نہ کریں۔ افسوس ہے کہ ان کو گلستاں بھی یاد نہیں۔ جہاں حضرت یعقوبؑ

[۱] نور: ۲۷

کی حکایت لکھی ہے۔ ؎

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہان است
دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلےٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بریک حال ماندے
سر دست از دو عالم بر فشاندے

یہ سچی بات ہے اور ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے دکھائے بغیر نہیں دیکھتے اور اس کے سنائے بغیر نہیں سنتے اور اس کے سمجھائے بغیر نہیں سمجھتے۔ اس اعتراف میں ہمارا فخر ہے۔ ہم نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ہم عالم الغیب ہیں۔ ہم نے انہیں خیالات کے مسلمانوں میں نشو و نما پایا تھا ایسا ہی مہدی و مسیح کے متعلق ہمارا علم تھا۔ مگر جب خدا تعالےٰ نے اصل راز ہم پر کھولا اور حقیقت بتا دی تو ہم نے اس کو چھوڑ دیا اور نہ خود چھوڑا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی طرف اسی کے حکم سے دعوت دی اور اس کو چھڑایا۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جس امر کو نادان اعتراض کے رنگ میں پیش کرتا ہے اسی میں ہمارا فائدہ اور ہماری تائید ہوتی ہے۔ دیکھو براہین میں ایک طرف مجھے مسیح موعود ٹھہرایا ہے اور وہ تمام وعدے جو آنے والے مسیح موعود کے حق میں ہیں میرے ساتھ کئے اور دوسری طرف ہم اپنے

اسی قلم سے مسیح کے دوبارہ آنے کا اقرار کرتے ہیں۔ اب ایک دانشمند اور خدا ترس مسلمان اس معاملہ میں غور کرے اور دیکھے کہ اگر یہ دعویٰ ہمارا افترار ہوتا۔ اور ہم نے از خود بنایا ہوتا یا منصوبہ بازی ہوتی تو اس قسم کا اقرار ہم اس میں کیوں کرتے۔ یہ سادگی صاف بتاتی ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے ہم کو علم دیا اسے ہم نے ظاہر کیا۔ بظاہر یہ کارروائی متناقض ہے مگر ایک سعید الفطرت انسان کے لئے ایک روشن تر دلیل ہے۔ کیونکہ جب تک خدا تعالیٰ نے ہم پر نہیں کھولا باوجودیکہ ہمارے ساتھ وہی وعدے جو مسیح موعود کے ساتھ تھے کئے جاتے اور اسی براہین میں میرا نام مسیح رکھا جاتا ہے اور ھُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ الآیہ الہام ہوتا ہے مگر اسی قلم سے میں لکھتا ہوں کہ مسیح موعود دوبارہ آئے گا۔ ہم نے قیاد فی ما اقام اللہ کو نہیں چھوڑا۔ جب تک کہ آفتاب کی طرح کھُل نہیں گیا۔ یہی اعتراض ہماری سچائی کا گواہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلے پہل وحی آئی تو آپؐ نے یہی فرمایا خشیت علیٰ نفسی۔ بیوی کہتی ہے کلّا لا واللہ اور پھر بیوی نے کہا کہ آپؐ ضعفار کے مددگار ہیں آپؐ کو خدا ضائع نہیں کرے گا۔ پھر خدا تعالیٰ نے جب آپؐ پر امر نبوت کو واضح طور پر کھول دیا تو آپؐ نے تبلیغ اور اشاعت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مومن اس مقام کو جہاں ہوتا ہے نہیں چھوڑتا جب تک خدا نہ چھڑائے۔

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ضمناً عرض کیا کہ تعجب کی بات ہے ایک قوم اور بھی تو ہے جس نے خدا کے اس راستباز اور صادق مسیح موعود کو تسلیم کیا ہے اور وہ اس پر ایمان لائی ہے۔ اس کے سامنے کیا یہ باتیں نہیں ہیں؟ ہیں مگر ان کو ان پر کوئی اعتراض نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ ایمان بڑھتا اور اس کی سچائی پر ایک عرفانی رنگ کی دلیل پیدا ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے سُن کر فرمایا

بیشک یہ تو سچائی کی دلیل ہے نہ اعتراض۔ کیونکہ ماننا پڑے گا کہ تصنع سے یہ دعوے

نہیں کیا گیا بلکہ خدا کے حکم اور وحی سے کیا گیا کیونکہ حضرت عیسٰی کی آمد کے واقعات کو ہی تو اس میں بیان کیا۔ بلکہ میرا نام عیسٰی رکھا اور لکھا کہ لیظھرہٗ علی الدین کلہ میرے حق میں ہے اور ادھر کوئی توجہ نہیں۔ پس اس سے صاف ثابت ہے کہ اگر میرا یہ کام ہوتا تو اس میں دوبارہ آنے کا اقرار نہ ہوتا۔ یہ اقرار ہی بتاتا ہے کہ یہ خدا کا کام ہے۔

اس پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اس نکتہ سے خاص ذوق اُٹھا کر عرض کیا۔ کہ یہ بعینہ وہی بات ہے جو قرآن شریف کی حقانیت پر پیش کی جاتی ہے۔ کہ اگر یہ آنحضرتؐ کا کلام ہوتا تو اس میں زینب کا قصہ نہ ہوتا۔

حضرت اقدسؑ نے پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ

اب کونسی نئی بات ہے جس کا ذکر براہین میں نہیں ہے۔ براہین کو طبع ہوئے ۲۵ برس کے قریب ہو گذرے ہیں اور اس وقت کے پیدا ہوئے بچے بھی اب بچوں کے باپ ہیں۔ اس میں ساری باتیں درج ہیں۔ بناوٹ کا مقابلہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ کیا تیس برس پہلے ایک شخص ایسا منصوبہ کر سکتا ہے ؟ جبکہ اسے اتنا بھی یقین نہیں کہ وہ اس قدر عرصہ تک زندہ رہے گا۔ پھر کیونکر میں اپنا نام اتنے سال پہلے از خود عیسٰی رکھ سکتا تھا۔ اور ان کاموں کو جو اس کے ساتھ منسوب تھے اپنے ساتھ منسوب کرتا۔ ہاں اس سے منصوبہ بیشک پایا جاتا اگر میں اس وقت لکھ دیتا کہ آنے والا میں ہی ہوں مگر اس وقت نہیں کہا باوجودیکہ ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ[1] کا اعتراف کیا ہے کہ میرے حق میں ہے۔ یہ خدا کا کام تھا کہ مسیح کا دعویٰ تو اس میں بیان کیا مگر اس کو چھپایا اور زبان سے نکلوا دیا کہ وہ آئے گا۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ آج جو دعویٰ کیا گیا ہے۔ براہین میں سارا موجود ہے۔ ایک لفظ بھی کم و بیش نہیں ہوا۔ اگر اس میں الہامات نہ ہوتے تو اعتراض کی گنجائش ہوتی گو اس وقت بھی اعتراض فضول ہوتا کیونکہ وہ دعویٰ وحی سے نہیں تھا۔ بلکہ اپنی ذاتی رائے تھی۔ خدا تعالٰے نے یہ اس لئے کیا تا

[1] الصف : ۱۰

ظنون اور جعلسازی کے وہم دُور ہوں۔

مسیح موعود اور قریشی خلیفے

دوسرا سوال اُن کا اس امر پر تھا کہ آپؑ نے مسیح موعود کو لکھا ہے کہ وہ قریش میں سے نہیں اور پھر بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ قریشی ہے اس کی مطابقت کیونکر ہو؟ فرمایا:۔

مسیح موعود کو جس طرز پر ہم کہتے ہیں کہ وہ قریش میں سے نہیں وہ اس اعتبار سے نہیں جیسے قریش ہیں۔ اہل فارس کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں سے ٹھیرایا ہے اور میرا الہام بھی ہے سلمان منّا اھل البیت۔ اسی نام سے مجھے اہلبیت میں داخل کیا ہے۔ داخل کرنا اَور بات ہے اور ہونا اَور۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ہے۔ اہل فارس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اہلبیت اور قریش سے ٹھیرایا ہے۔ اس لئے میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلام سے قریش اور اہلبیت میں ہوں۔

اس پر حضرت حکیم الامتہ نے یسلب الملک من قریش کا ذکر کرکے عرض کیا کہ حضور ہم قریشیوں سے ملک چھینا گیا مگر کسی نے ہماری قوم سے غور نہیں کی کہ کیوں ایسا ہوا؟ تکبر کا اتنا بڑا خطرناک مرض ہماری قوم میں ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ سیّد کی لڑکی کسی دوسرے کے گھر میں دینا کفر سمجھا گیا ہے۔ اس پر میر صاحب نے کہا کہ ہم سے کوئی پوچھا کرتا ہے تو اس کو یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی ایک بہن تھی۔ کوئی ہمیں بتائے کہ وہ کس سیّد کو دی گئی تھی۔

بروز

پھر بروز کے متعلق سلسلہ کلام یوں شروع ہوا۔ فرمایا:۔

نیکوں اور بدوں کے بروز ہوتے ہیں۔ نیکوں کے بروز میں جو موعود ہے وہ ایک ہی ہے یعنی مسیح موعود۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الّذین انعمت علیھم[1] سے نیکوں کا بروز اور ضالین سے عیسائیوں کا بروز اور مغضوب سے یہودیوں کا بروز مراد ہے۔ اور یہ عالم بروزی صفت میں پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے پہلے نیک یا بد گزرے ہیں ان کے رنگ اور صفات کے لوگ اب بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان اخلاق اور صفات کو ضائع نہیں کرتا۔ ان کے رنگ ہیں اور آجاتے ہیں۔ جب یہ امر ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ابرار اور اخیار اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلا جاوے گا۔ جب یہ سلسلہ ختم ہو جاویگا۔ تو دنیا کا بھی خاتمہ ہے۔ لیکن وہ موعود جس کے سپرد عظیم الشان کام ہے وہ ایک ہی ہے کیونکہ جس کا وہ بروز ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی ایک ہی ہے۔

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا[2]

حضرت حکیم الامۃ نے مولوی ابو رحمت حسن صاحب کا ذکر سُنایا۔ کہ وہ بڑے اخلاص سے خط لکھتے ہیں اور انہوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اس آیت پر مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تہذیب کے خلاف ہے۔ فرمایا کہ

جو خدا تعالیٰ کو خالق سمجھتے ہیں۔ تو کیا اس خلق کو لغو اور باطل قرار دیتے ہیں۔ جب اس نے ان اعضاء کو خلق کیا اس وقت تہذیب نہ تھی۔ خالق مانتے ہیں اور خلق پر اعتراض نہیں کرتے ہیں تو پھر اس ارشاد پر اعتراض کیوں؟ دیکھنا یہ ہے۔ کہ زبان عرب میں اس لفظ کا استعمال ان کے عُرف کے نزدیک کوئی خلاف تہذیب امر ہے جب نہیں تو دوسری زبان والوں کا حق نہیں کہ اپنے عُرف کے لحاظ سے اسے خلافِ تہذیب ٹھہرائیں۔ ہر سوسائٹی کے عُرفی الفاظ اور مُصطلحات الگ الگ ہیں۔ الحکم مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

[1] الفاتحہ: ۶، ۷ [2] الانبیاء: ۹۲

۲۹ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر)

دُرِّ حکمة

۱۔ طاعون کے ذکر پر ضمناً فرمایا:۔

خدا کے کام عجیب ہوتے ہیں۔ لوگ مغرور ہو کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ پھر پکڑتا ہے۔

۲۔ نادان انسان ذرا سی خوشی پر تکبر سے باتیں کرتا ہے مگر آخر فتح اسی کی ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ خدا ہو۔

۳۔ اسلام نے ہمیشہ نصرانیت کی سرکوبی کی ہے اور اب وہ وقت ہے۔ کہ اُن کے عقائد کی پردہ دری ہو گئی ہے اور اس کے بعد کسی کو حوصلہ نہ ہوگا کہ انسان کے بچہ کو خدا بنائے۔

صحابہؓ کے فضائل

صحابہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار اور مطیع فرمان تھے کہ کسی نبی کے شاگردوں میں ایسی نظیر نہیں ملتی اور خدا کے احکام پر ایسے قائم تھے کہ قرآن شریف ان کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے۔ لکھا ہے کہ جب شراب کی حُرمت کا حکم نافذ ہوا تو جس قدر شراب برتنوں میں تھی وہ گرا دی گئی اور کہتے ہیں اس قدر شراب بہی۔ کہ نالیاں بہ نکلیں۔ اور پھر کسی سے ایسا فعل شنیع سرزد نہ ہوا۔ اور وہ شراب کے پکّے دشمن ہو گئے۔ دیکھو یہ کیسا ثبات اور استقلال علی الطاعت تھا۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جس وفاداری۔ محبت اور ارادت اور جوش سے انہوں نے کی کبھی کسی نے نہیں کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی بار پتھراؤ کرنا چاہتی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تو ایسے کمزور اور ضعیف الاعتقاد تھے

کہ خود عیسائیوں کو تسلیم کرنا پڑا ہے۔ اور حضرت مسیح آپ انجیل میں سُست اعتقاد اُن کا نام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اُستاد کے ساتھ سخت غداری کی اور بے وفائی کا نمونہ دکھایا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں الگ ہو گئے۔ ایک نے گرفتار کرا دیا۔ دوسرے نے لعنت بھیج کر انکار کر دیا۔

مگر صحابہؓ ایسے ارادتمند اور جان نثار تھے۔ کہ خود خدا تعالیٰ نے ان کی شہادت دی کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کی راہ میں جانوں تک دیتے میں دریغ نہیں کیا۔ اور ہر صفت ایمان کی اُن میں پائی جاتی ہے۔ عابد، زاہد، سخی، بہادر اور وفادار، یہ شرائط ایمان کی کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتیں۔

ابتدائی مصائب جس قدر مصائب اور تکالیف صحابہؓ کو ابتدائے اسلام میں اُٹھانی پڑیں۔ اُن کی نظیر بھی کسی اور قوم میں نہیں ملتی۔ اس بہادر قوم نے ان مصیبتوں کو برداشت کرنا گوارا کیا۔ لیکن اسلام کو نہیں چھوڑا۔ ان مصیبتوں کی انتہا آخر اس پر ہوئی کہ ان کو وطن چھوڑنا پڑا اور نبی کریمؐ کے ساتھ ہجرت کرنی پڑی۔ اور جب خدا تعالےٰ کی نظر میں کفّار کی شرارتیں حد سے تجاوز کر گئیں اور وہ قابلِ سزا ٹھہر گئیں تو خدا تعالیٰ نے انہیں صحابہؓ کو مامور کیا کہ اس سرکش قوم کو سزا دیں۔ چنانچہ اس قوم کو جو مسجدوں میں دن رات اپنے خدا کی عبادت کرتی تھی اور جس کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ جس کے پاس کوئی سامانِ جنگ نہ تھا۔ مخالفوں کے حملوں کے روکنے کے واسطے میدانِ جنگ میں آنا پڑا۔ اسلامی جنگیں دفاعی تھیں۔

میدانِ جنگ پھر ان جنگوں میں یہ چند سو کی جماعت کئی کئی ہزار کے مقابلہ میں آئی اور ایسی بہادری اور وفاداری سے لڑی۔ اگر حواریوں کو اس قسم کا موقع پیش آتا۔ تو اُن میں سے ایک بھی آگے نہ ہوتا۔ ایک ذرا سے ابتلا پر وہ اپنے آقا کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو ایسے معرکوں میں ان کا ٹھہرنا ایک ناممکن بات ہے۔ مگر اس ایمان دار اور وفادار قوم نے اپنی

شجاعت اور وفاداری کا پورا نمونہ دکھایا۔ اور جو کچھ جوہر انہوں نے دکھائے وہ سچے ایمان اور یقین کے نتائج تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو کہا کہ بڑھ کر دشمن پر حملہ کرو۔ تو انہوں نے کیا شرمناک جواب دیا۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ[1] تُو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ صحابہؓ کی لائف میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم اُن میں سے نہیں ہیں جنہوں نے یہ کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ۔ ایسی قوت اور شجاعت اور وفاداری کا جوش کیونکر پیدا ہو گیا تھا؟ یہ سب ایمان اور یقین کا نتیجہ تھا جو آپؐ کی قوت قدسی اور تاثیر کا اثر تھا۔ آپؐ نے اُن کو ایمان سے بھر دیا تھا۔

حواری اور معجزات مسیح مسیح کے حواریوں میں جو یہ ایمانی قوت پیدا نہیں ہوئی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو ان کے معجزات پر کوئی قوی ایمان اور بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ اصل بات یہی ہے جیسا کہ بعض عیسائی مصنفوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کہ حواری دُنیادار اور سطحی خیال کے آدمی تھے۔ انہیں یہ خیال تھا کہ یہ بادشاہ ہو جائے گا۔ تو ہم کو عُہدے ملیں گے۔ اُن کا تعلق ایک لالچ کے رنگ میں مسیحؑ کے ساتھ تھا۔ اس لئے وہ ایمانی قوت اور عرفانی مذاق ان میں پیدا نہ ہوا۔ اگر وہ معجزات مسیحؑ کو دیکھتے۔ کہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایسے عجوبے دیکھ کر بھی ایمان میں قوت نہ آئے۔ حقیقت یہی ہے کہ مسیح سے سلب امراض وغیرہ کے نشانات جو دیکھتے تھے وہ ایسے عام تھے کہ یہودی بھی کرتے تھے۔ اور ایک تالاب پر بھی مریض جاکر اچھے ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے ان باتوں نے معجزات مسیح کی کوئی عظمت دل میں پیدا نہ کی۔ اور وہ نُورِ یقین و معرفت جو گناہوں کو زائل کرتا ہے۔ اُن میں پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے یہودا اسکریوطی جو مسیح کا خزانچی تھا اور جس کے پاس ایک ہزار روپیہ کی تھیلی رہتی تھی اس میں سے چُرا لیا کرتا تھا۔ اور اسی لالچ نے اس کو تیس درہم لے کر گرفتار کرانے پر آمادہ کیا۔

[1] المائدہ: ۲۵

مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مسیح کے پاس تو ایک ہزار کی تھیلی رہتی تھی اور تعجب ہے کہ باوجودیکہ ایک ہزار روپیہ پاس رہتا تھا۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ ابن آدم کو سر رکھنے کو جگہ نہیں۔ آنحضرت کی یہ حالت تھی کہ آپؐ کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سخاوت کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار آپؐ کے گھر میں . . . . ایک مہر تھی۔ آپؐ نے اس کو لے کر تقسیم کر دیا۔

مسیح کا شوقِ جہاد

پادری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ اپنے گھر میں نگاہ نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں بالکل دفاعی تھیں مگر مسیح کو اس قدر شوق تھا کہ اس نے شاگردوں کو کہا کہ کپڑے بیچ کر بھی ہتھیار خرید و۔ اصل میں مسیح کا لڑائیاں نہ کرنا "ستر بی بی از بے چادری" کا مصداق ہے۔ اگر انہیں موقع ملتا۔ تو وہ ہرگز تامل نہ کرتے۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم سے جو انہوں نے ہتھیاروں کے خریدنے کی دی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کس قدر شوق تھا اور داؤد کے تخت کی وراثت کا خیال لگا ہوا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو آپؐ نے ان مخالفوں سے جنہوں نے سخت ایذائیں دی ہوئی تھیں اور جو اب واجب القتل ٹھہر چکے تھے۔ پوچھا۔ تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ تو کریم ابن کریم ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ اچھا میں نے تم سب کو بخش دیا۔ آپؐ کے اس رحم اور کرم نے ان پر ایسا اثر کیا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت مسیح کو اپنے ایسے اخلاق کے اظہار کا موقع ہی نصیب نہیں ہوا۔ اور حواریوں کے لئے تو مسیح کا آنا ایک قسم کا ابتلا تھا۔ کیونکہ اُن کو کوئی فائدہ نہ ہوا اور انہوں نے کچھ نہ سیکھا۔

مسیح ابن مریم اور مسیح موعود علیہما السلام

فرمایا۔ جو کامیابی اور اثر مسیح ابن مریم کا ہوا۔ وہ تو صاف ظاہر ہے اور جس کمزوری اور

ناکامی کے ساتھ انہوں نے زندگی بسر کی وہ انجیل کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتی ہے مگر مسیح موعود جیسے اپنے زبردست اور قوت قدسیہ کے کامل اثر والے متبوع کا پیرو ہے۔اسی طرح پر اس کی عظمت اور بزرگی کی شان اُس سے بڑھی ہوئی ہے۔جو کامیابیاں اور نصرتیں اس جگہ خدا نے ظاہر کی ہیں۔مسیح کی زندگی میں ان کا نشان نہیں۔نہ معجزات میں نہ پیشگوئیوں میں نہ تعلیم میں۔غرض جیسے آنحضرتؐ اپنے مثیل موسیٰؑ سے ہر پہلو میں بڑھے ہوئے تھے اور گویا آپ اصل اور موسیٰؑ آپ کا ظِلّ تھے۔اسی طرح مسیح موعود موسوی مسیحؑ سے نسبت رکھتا ہے۔

نصرانیت کا اثر

نصرانیت کا اثر آج کل عام ہو رہا ہے۔بعض تو بالکل مُرتد ہو گئے ہیں اور بعض نے اَور نہیں تو فیشن میں ہی اُن کا تتبع کر لیا ہے۔

نیکی اور بدی کی کشش

فرمایا۔انسان کے اندر نیکی اور بدی کی ایک کشش ہے۔آدمی نیکی کرتا ہے مگر نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں نیکی کرتا ہے۔اسی طرح ایک شخص بدی کی طرف جاتا ہے۔لیکن اگر اُس سے پوچھا جاوے تو کدھر جاتا ہے تو وہ نہیں بتا سکتا۔مثنوی رُومی میں ایک حکایت اس کشش پر لکھی ہے کہ ایک فاسق آقا کا ایک نیک غلام تھا۔صبح کو جو مالک نوکر کو لے کر بازار سودا خریدنے کو نکلا۔تو راستہ میں اذان کی آواز سُن کر نوکر اجازت لے کر مسجد میں نماز کو گیا اور وہاں جو اُسے ذوق اور لذّت پیدا ہوا تو بعد نماز ذکر میں مشغول ہو گیا۔آخر آقا نے انتظار کر کے اس کو آواز دی اور کہا کہ تجھے اندر کس نے پکڑ لیا۔نوکر نے کہا کہ جس نے تجھے اندر آنے سے باہر پکڑ لیا۔غرض ایک کشش لگی ہوئی ہے۔اسی کی طرف خدا نے اشارہ فرمایا ہے۔ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ[1]

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰ ر نومبر ۱۹۰۲ء)

[1] بنی اسرائیل : ۸۵

۳۰؍اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر)

الہام

نتیجہ خلاف امید ہے۔ اس کی کوئی تصریح نہیں فرمائی گئی۔

آج کی سیر میں متفرق مقامی اور آفاقی امور پر سلسلہ گفتگو کا شروع رہا اور ختم ہوا۔

دربار شام

عمل کی ضرورت ہے

۱۔ میاں نبی بخش نمبردار پنڈوری نے عرض کی کہ حضور میں کچھ لکھا پڑھا آدمی نہیں ہوں فرمایا۔

علم کیا اصل ضرورت عمل کی ہے۔

قیام فی ما اقام اللہ

۲۔ ایک شخص نے ملازمت چھوڑ کر تجارت کے متعلق مشورہ پوچھا۔ فرمایا:۔

نوکری چھوڑنی نہیں چاہیئے۔ قیام فی ما اقام اللہ بھی ضروری ہے۔ بلا وجہ ملازمت چھوڑنا اچھا نہیں ہے۔

ایک طالب حق

۳۔ایک ہندو نوجوان نے (جو طالب حق اپنا نام رکھتا تھا) عرض کی کہ میں ایک عرصہ سے طلب حق چاہتا ہوں مگر مجھے ابھی تک وہ راہ نہیں ملی۔ فرمایا:۔

طلب حق کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔اول عقل سلیم چاہیئے۔ بعض لوگ طلب حق تو چاہتے ہیں۔ مگر غبی اور بلید طبع ہوتے ہیں۔ اور قوت فیصلہ نہیں رکھتے۔ اس لئے جو کچھ سمجھایا جاوے اس کو سمجھ نہیں سکتے اور کل مذاہب اُن کے سامنے پیش کئے جاویں

تو وہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کہ ان میں سے حق کس کے ساتھ ہے۔ یہ بیماری ہے۔ طبیبوں نے اس کو سوفسطائی عقل لکھا ہے۔ ان پر وہم غالب ہوتا ہے اس لئے اول طالب حق کے واسطے ضروری ہے کہ وہم غالب نہ ہو۔

دوم۔ قبول حق کے لئے جرأت رکھتا ہو۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ حق کو سمجھ تو لیتے ہیں مگر برادری کے تعلقات نہیں ٹوٹتے۔ ایسے لوگ بزدل ہوتے ہیں۔ یہ بزدلی کبھی فائدہ نہیں پہنچاتی۔

پہلے پہل جو بچہ مدرسے میں بھیجا جاتا ہے۔ اس کے سامنے تو ابجد ہی پیش کی جاتی ہے کوئی بڑی کتاب نہیں رکھی جاتی۔ اسی طرح مذہب کی پرکھ میں پہلے نسبتاً موٹے موٹے اصولوں میں مقابلہ . . . کر کے دیکھ لینا چاہیئے کہ مذہب حق کونسا ہے۔؟ مجھے تعجب آتا ہے کہ اس وقت مذاہب کا مقابلہ ہو رہا ہے اور امر حق صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور اس ہند ہی میں سب مذاہب موجود ہیں۔ سناتن، عیسائی آریہ، مسلمان وغیرہ بڑے بڑے یہی مذہب ہیں۔ مذہب کی پہلی جزو اور جڑھ خدا شناسی ہے جس کا پہلا قدم ہی غلط اور بے ٹھکانے ہے۔ دوسرا قدم اس کا کب ٹھکانے پر پڑے گا۔

اب اس اصل پر مذاہب کی شناخت کر لو۔

خدا شناسی اور سناتن دھرم

سناتن دھرم کو لو انہوں نے کوئی جڑی بوٹی پتھر درخت چاند سورج غرض مخلوق میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کی پرستش نہیں کی اور جس کو خدا نہیں بنایا۔ اب جس مذہب کا خدا شناسی کے متعلق یہ عقیدہ ہو۔ اس کو علوم حقّہ سے کب حصہ مل سکتا ہے۔ اس کی اخلاقی حالتیں کیونکر درست ہو سکتی ہیں۔ وہ تو بیل کو بھی دیکھیں تو اسے بھی سجدہ کرنے کو تیار ہیں۔ اور اُسے خدا ماننے لگتے ہیں۔ پھر ان لوگوں میں سے ایک اَور فرقہ ہے۔ جو

اپنے آپ کو اصلاح یافتہ فرقہ سمجھتا ہے اور اس کو آریہ کہتے ہیں۔

آریہ

آریہ کی خداشناسی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے برخلاف وید کے خدا کی توحید کا زبانی اقرار تو کیا ہے گو وید اگنی وایو وغیرہ کی پرستش کی گئی ہے لیکن یہ لوگ اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم بتوں کی پوجا نہیں کرتے۔ مگر خداشناسی میں باوجود اس اقرار کے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ خدا کو کسی چیز کا خالق نہیں مانتے۔ اور صرف جوڑنے جاڑنے والا مانتے ہیں۔ جب خدا کی اس عظیم الشان صفت سے انکار کیا گیا تو ایسا ناقص اور ادھورا خدا کب کسی کے ماننے میں آسکتا ہے۔ پھر انہوں نے خدا کی دوسری صفتوں کا بھی انکار کیا۔ مثلاً وہ مانتے ہیں کہ وہ کسی انسان کو کوئی چیز عطا نہیں کرسکتا۔ جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کے عملوں کی ہی پاداش ملتی ہے۔ پھر انہیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اگر گناہ نہ ہوتا تو دنیا کا کام نہ چل سکتا۔ کیونکہ گائے، بکری بھینس اور دوسری آرام دہ مخلوق نہ ہوسکتی۔ اس قسم کا خدا انہوں نے مانا ہے۔ گویا خداشناسی کے مقام سے یہ مذہب بھی گرا ہوا ہے۔

عیسائی

پھر ایک اور مذہب ہے جس کی اشاعت کے لئے کروڑہا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور وہ عیسائی مذہب ہے۔ اس میں خداشناسی کی اور بھی ردّی حالت ہے۔ وہ اول تو سرے سے خدا ہی کو تین مانتے ہیں۔ اور یہ ایسا مسئلہ ان کے نزدیک ہے۔ کہ وہ سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا اور پھر ان تین میں سے ایک عاجز انسان بھی ہے۔ جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اور جس کی ساری عمر جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک کرب اور اضطراب میں گذری۔ ماریں کھاتا رہا۔ اور آخر یہودیوں نے اس کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ اب اگر خدا کا یہی نمونہ ہے تو کون اس پر ایمان لاسکتا ہے؟

اسلام

مگر اسی خداشناسی کے متعلق جو تعلیم اسلام نے دی ہے وہ ایسی صاف ہے کہ ہر عقلمند کو اُس کے ماننے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ اللہ وہ ہے جو تمام صفات حمیدہ سے موصوف اور تمام نقصوں سے مبرا ہے۔ وہ تمام اشیاء کا خالق اور مالک ہے وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ اسلام کسی مخلوق کو خدا یا خدا کا ہمسر نہیں بناتا۔ وہ خالق اور مخلوق میں فرق بتاتا ہے۔

اب اس اصل میں جب مقابلہ کیا جاوے تو کیسے صاف اور واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی مذہب اس اصل میں اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسلام ہی سچا مذہب ہے

دوسرا اصل

پھر مذہب کی دوسری جزو یا اصل یہ ہے کہ وہ مخلوق کے حقوق کیسے قائم کرتا ہے۔ اس اصل میں بھی دوسرے مذاہب کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ آریہ مذہب نے تو ایسا ظلم کیا ہے کہ بجز بے غیرتی کے اور معلوم نہیں ہوتا۔ اس نے نیوگ کی تعلیم دی ہے کہ جس شخص کے گھر میں اولاد نہ ہو تو وہ اپنی عورت کو دوسرے شخص سے ہمبستر کرا دے اور اولاد حاصل کر لے۔ اب اس سے بڑھ کر پاکیزگی اور غیرت کا خون کیا ہوگا کہ ایک شخص کو جس کی بدقسمتی سے دو چار سال تک اولاد نہیں ہوئی، کہہ دیا جاوے۔ تو اپنی بیوی کو دوسرے آدمی سے اولاد لینے کی خاطر ہمبستر کرا لے۔ یہ کیسی شرمناک بات ہے۔ یہاں قادیان میں ایک شخص موجود ہے۔ اس سے جب اس نیوگ کی بابت پوچھا گیا تو اس نے یہی کہا کیا مضائقہ ہے۔

اب کوئی عقلمند اس تعلیم کو کب گوارہ کر سکتا ہے۔ میں نے پڑھا تھا۔ ایک بنگالی آریہ ہو گیا۔ ایک برہمو نے جب اس پر نیوگ کی حقیقت کھولی۔ تو اس نے ستیارتھ پرکاش کو پھینک کر مارا۔ اور کہا کہ یہ مذہب قبول کرنے کے لائق نہیں۔

عیسائیوں نے مخلوق پر یہ ظلم کیا کہ کفارہ کی تعلیم دے کر اور شریعت کو لعنت کہہ کر

نیکی کا دروازہ ہی بند کر دیا اور قوائے انسانی کی بیحرمتی کی۔جب کہہ دیا کہ کوئی نیکی کر ہی نہیں سکتا۔مگر اسلام مخلوق کے حقوق کو جائز اور مناسب مقام پر قائم کرتا ہے۔وہ ایسی تعلیم نہیں دیتا۔جو نیوگ کے پیرایہ میں دی گئی۔وہ انسانی قویٰ کی بیحرمتی نہیں کرتا۔اور انسان کو کفارہ کی تعلیم دے کر سُست نہیں بنانا چاہتا۔اس نے شریعت کو لعنت نہیں بنایا بلکہ انسانی طاقتوں کے اندر اُسے رکھا۔اس طرح معاملہ تو بالکل صاف ہے اگر وہم نہ ہو۔اور قبول حق میں کوئی روک نہیں ہو سکتی اگر بُزدلی نہ ہو۔

سائل:۔ان مذاہب کی بابت تو مجھے پہلے سے اعتراض ہیں۔مگر اسلام کی کتابیں میں نے نہیں پڑھی ہیں۔فرمایا۔

آپ قرآن شریف کو پڑھیں۔اس سے معلوم ہو جاوے گا کہ وہ خدا کی نسبت کیا تعلیم دیتا ہے اور مخلوق کی نسبت کیا؟ ان دونوں تعلیموں کو اگر آدمی غور سے دیکھ لے تو حق کھل جاتا ہے۔

پھر مفتی صاحب نے میور کی ایک تصنیف سُنائی جو اُس نے مسلمانوں سے مناظرہ کرنے کے متعلق ہدایات پر لکھی ہے۔پھر چند لوگوں نے بیعت کی۔پھر طالب حق نے عرض کیا کہ مجھے خواب آیا تھا کہ تو مسیح کے پاس جا اور اس سے پوچھ۔اگر وہ کہے کہ میں مسیح ہوں تو پھر وہ جو کہے مان لے۔فرمایا:۔

ہم تو سالہا سال سے اس دعویٰ کی اشاعت کر رہے ہیں۔اور خدا نے صدہا نشان اس کی تائید میں دکھلائے ہیں جن کو خدا نے سعادت اور فہم دیا ہے۔وہ سمجھ لیتے ہیں۔جس کو اُن سے حصہ نہیں۔وہ محروم رہ جاتا ہے۔فرمایا۔

حق شناسی کی راہ میں اگر وہم اور بُزدلی نہ ہو۔تو کوئی مشکل نہیں۔مشرق اور مغرب میں تلاش کرو۔اسلام کے سوا حق نہیں ملے گا مجھے تعجب ہے کہ لوگ ایک پیسہ کی چیز لیتے ہیں۔تو اسے خوب دیکھ بھال کر لیتے ہیں۔مگر مذہب کے معاملہ میں توجہ نہیں کرتے۔

اگر انسان توہمات میں گرفتار نہ ہو تو آجکل مذہب کے حُسن قبح معلوم کرنے میں کوئی مشکل نہیں، مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ اگر سچا مسلمان انسان ہو جاوے تو پاک ہو جاتا ہے۔ دوسرے مذاہب میں یہ نہیں۔ کیا ایک عیسائی پاک ہو سکتا ہے؟ جس کو کفارہ پر ایمان لاتے ہی عشاء ربانی میں شراب استعمال کرنی پڑتی ہے یا انجیل پر عمل کر کے وہ پاکیزگی میں ترقی کر سکتا ہے؟ جس کی رُو سے منع نہیں کہ غیر مردوں کے ساتھ عورتیں بڑے بڑے جلسوں میں جیسا کہ ناچتی ہیں نہ ناچیں۔ یہ تو قرآن ہی تعلیم دیتا ہے کہ تو نامحرم کو مت دیکھ۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ کیا عقل ہے جو تاریکی کو روشنی سمجھتی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ کوئی سچا متبع نہ ہو۔ لیکن جو وید یا انجیل کا سچا متبع ہے۔ اس کو اس کی تعلیم پر عمل کر کے پورا نمونہ دکھانا ہوگا۔ اب وید کے سچے متبع کی اگر تصویر کھینچیں۔ تو ضروری ہوگا کہ وہ وایو اور اگنی کو خدا کہے اور اولاد نہ ہوتی ہو۔ تو نیوگ کرالے مگر جو قرآن پر عمل کرتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک خدا کو مانے اور ہر قسم کی بے حیائی اور ناپاکی سے دُور رہے اور فسق و فجور سے بچے عورتیں پاکدامن ہوں۔ اب ان دونوں تصویروں پر غور کر لو۔ اصل میں ایک شخص جس دین کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ حقیقی نام اس وقت حاصل کرتا ہے جب اس کا سچا متبع ہو۔ اور پابند مذہب ہو۔ آپ قرآن کا ایک جُز بھی پڑھیں گے۔ تو معلوم ہو جاوے گا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

بعد ادائے نماز مغرب اولاً چند آدمیوں نے بیعت کی۔ پھر میاں نبی بخش صاحب نمبردار چک ۱۰۱ نے دعا کی درخواست کی کہ حضور کی محبت ہمارے دل میں بڑھے۔

فرمایا:۔

خداتعالیٰ نے جو اخلاص اور توجہ عطا کی ہے۔ خود اس نے ابتدا کی ہے۔ اس لئے شکر کرو کہ وہ اَور بھی بڑھا دے۔ یہ محض اسی کا فضل ہے جو اس نے حق شناسی کی توفیق دی۔ ورنہ اگر دل سخت کر دے تو انسان رجوع نہیں کر سکتا۔ یہ اسی کے فضل سے ہوتا ہے جو یقین اور اخلاص عطا کرتا ہے۔ اور اس کے شکر پر اس کو بڑھاتا ہے۔ پس شکر کرو کہ اُس کا فضل اَور بھی ترقی کرے۔ نمازوں میں ایاك نعبد و ایاك نستعین[1] کا تکرار بہت کرو۔ ایاك نستعین خدا کے فضل اور گم شدہ متاع کو واپس لاتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

یکم نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ (بوقت سیر)

قرآن کریم مقدم ہے

حضرت اقدس حسب دستور سیر کے لئے نکلے۔ تمام راہ مولوی فتح دین صاحب حضرت اقدس کے مخاطب رہے۔ حضرت اقدس بار بار اُن کے ذہن نشین یہ امر کراتے رہے کہ مباحثات میں ہمیشہ دیگر طریق استدلال چھوڑ کر اس طریق کو اختیار کرنا چاہیئے کہ قرآن شریف مقدم ہے اور احادیث ظن کے مرتبہ پر ہیں۔ قرآن شریف سے جو امر ثابت ہو اس کو کوئی حدیث خواہ پچاس کروڑ ہوں۔ ہرگز رد نہیں کر سکتیں۔ چونکہ اس گفتگو میں میاں فتح دین صاحب بھی بعض اوقات احادیث سے اپنے استنباط جو کہ انہوں نے اپنی منظوم کتاب میں درج کئے ہیں۔ مفصل حضرت اقدس کو سُناتے رہے اور حضرت اقدس مختلف طور پر اُن کو سمجھاتے رہے۔ اس لئے ہم حضرت اقدس کے کلمات کو مختصراً درج کرتے ہیں:۔

[1] الفاتحہ: ۵

ان لوگوں سے پوچھنا چاہیئے کہ تم خود قائل ہو کہ اصح کتاب قرآن شریف ہے۔ احادیث ۱۵۰ برس بعد جمع ہوئیں۔ پھر اُن میں باہم تناقض ہے۔ ایک میں مہدی کا ذکر ہے۔ ایک میں ہے لا مھدی الا عیسٰی۔ ایک طرف مہدی کی حدیث ضعیف لکھی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ مسیح اُوپر سے اُترے گا تو ایک طرح سے ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ جب قرآن شریف بار بار اُوپر کے آنے سے منع کرتا ہے تو حدیث جو کسی طرح سے خواہ حقیقتاً خواہ استعارہ کے طور پر قرآن شریف کے برابر نہ آسکے تو وہ ہر حال میں ناقابل اعتبار ٹھہرے گی۔ ورنہ اس طرح اسلام درہم برہم ہو جائے گا۔ تمام ستون اور مدار اسلام کا قرآن شریف پر ہے۔ جب قرآن شریف میں ہے کہ عیسٰیؑ فوت ہو گئے تو پھر انکار کیسا؟

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[1] کی نسبت آپؑ مولوی فتح دین صاحب کو سمجھاتے رہے۔ پھر احادیث کے بیان کی طرف رجوع کر کے فرمایا۔

اگر اُن کا حدیث پر اس قدر اعتبار ہے تو رفع یدین کی جو ۴۰۰ احادیث آئی ہیں۔ اس پر کیوں نہیں عمل کرتے۔ ہمارا مسئلہ خدا تعالیٰ کی سُنّتِ قدیمہ کے مطابق ہے۔ جیسے یہ آمد مسیح کے منتظر ہیں۔ ویسے ہی یہودی الیاس کے منتظر تھے۔ پیغمبر کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کا علم آنا دسیع ہو جیسے خدا کا ہے یہ پیغمبر پر جائز ہے کہ بعض امور کی تفصیل اس پر نہ کھل سکے۔ جیسے کہ بہت سے آخرت کے امور ہیں کہ انسان کو مرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ لوگ اپنے علم پر کیوں اس قدر باتیں کرتے ہیں۔ یہودیوں کو الیاس کی انتظار تھی۔ مسیح نے کہا کہ یحیٰی الیاس ہے خواہ قبول کرو خواہ نہ کرو۔ پھر اُسی وقت جا کر یحیٰی سے دریافت کیا اور دریافت بھی ایسے الفاظ سے کیا ہو کہ اُسے یہی جواب دینا پڑا کہ میں وہ الیاس نہیں۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بار بار احادیث پیش کرتے ہیں اور ان میں سے نزول کو لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسی مسیح نے آنا تھا۔ تو پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والا کا حلیہ

---

[1] المائدۃ: ۱۱۸

کیوں الگ بتلایا۔ اور کہا کہ آنے والے مسیح کو تم اس طرح پہچانو۔ اس کی کیا ضرورت تھی؟
مباحثہ میں بھی یہی اصول رکھا جائے کہ قرآن شریف مقدم ہے۔ یہ منوا کر اُن سے کہا جائے کہ تقدم قرآن تو اب مقبولہ فریقین ہے۔ باقی امور اسی سے فیصلہ کر لو۔ اگر حدیثوں پر سارا مدار ہے تو قرآن شریف کی کیا ضرورت ہے جو کہتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ[1] جھوٹے دھوکے ہیں۔

اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ[2] کے یہ معنے ہیں کہ یہودیوں کے ادبار اور ذلت کی نشانی مسیح کے آنے کا وقت تھا اور جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ[3] بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ ساعت کے معنی آخرت کے بھی ہیں۔ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ[4] کے معنے یہ کرتے ہیں کہ وہ (مسیح) اب تک زندہ موجود ہیں۔ جب آویں گے تو کُل اہل کتاب ایمان لاویں گے۔ اس کے متعلق ابوہریرہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں حالانکہ تفسیر مظہری میں اس کے اُوپر کس قدر مطاعن ہیں۔ یہ کہنا کہ کُل اہلِ کتاب اس وقت ایمان لاویں گے، غلط ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قیامت تک کافر موجود رہیں گے۔ قرآن شریف کو ہر حالت میں مقدم رکھنا چاہیئے۔ قرآن کے نصوص قطعیہ بالکل فیصلہ کر دیتے ہیں۔

سُورۃ تحریم میں ہے کہ مسیح بن مریم اسی امت میں سے ہوگا۔ سورۃ النّور میں ہے کہ تمام خلیفے اسی امت میں سے ہوں گے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کا نام حَکَم رکھا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بہت فرقے ہوں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ غلطیاں کثرت سے ہوں گی۔ قرآن مجید میں نزول کے معنے مختلف مقامات پر مختلف ہیں۔ اگر اعتراض ہو کہ پھر نزول کا لفظ استعمال ہی کیوں ہوا۔ کوئی اور لفظ حدیث میں کیوں نہ آیا۔ تو جواب یہ ہے کہ مسلم کی ایک حدیث میں مبعوث کا لفظ بھی آیا ہے۔ نزول کا لفظ اس لئے استعمال ہوا کہ اس وقت کل برکات اور فیوض اُٹھ جاویں گے اور پھر آسمان سے نازل ہونگے

[1] المائدۃ:۴ [2] زخرف:۶۲ [3] زخرف:۶۰ [4] النساء:۱۶۰

قرآن شریف میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے کہ ہم نے آپ کو آسمان سے نازل کیا اور آسمان ہی سے پانی بھی اُترتا ہے۔ اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو کنوئیں بھی پانی نہیں دیتے۔ لمبے قحطوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ان لوگوں کو وصیت تھی کہ میرے بعد بخاری کو ماننا؟ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت تو یہ تھی کہ کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم قرآن کے بارے میں پُوچھے جائیں گے نہ کہ زید اور بکر کے جمع کردہ سرمایہ کے بارے میں۔ یہ سوال ہم سے نہ ہوگا کہ تم صحاح ستّہ وغیرہ پر ایمان کیوں نہ لائے۔ پُوچھا تو یہ جائے گا کہ قرآن پر ایمان کیوں نہ لائے؟

بحث کے قواعد ہمیشہ یاد رکھو۔ اوّل قواعد مرتب ہوں۔ پھر سوال مرتب ہوں کتاب اللہ کو مقدم رکھا جائے۔ احادیث ان کے اقرار کے بموجب خود ظنّیات ہیں۔ یعنی صدق اور کذب کا اُن میں احتمال ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ ممکن ہے کہ سچ ہو اور ممکن ہے کہ جھوٹ ہو۔ لیکن قرآن شریف ایسے احتمالات سے پاک ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن شریف تک ہی ہے۔ پھر آپ فوت ہو گئے۔ اگر یہ احادیث صحیح ہوتیں۔ اور مدار اُن پر ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرما جاتے کہ میں نے احادیث جمع نہیں کیں۔ فلاں فلاں آدمی آوے گا تو جمع کرے گا تم اُن کو ماننا۔

پس اوّل قرآن کو مقدم کیا جاوے۔ اس کے بعد سُنّت۔ سُنّت یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو احکام آئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو خود کر کے اُن کو دکھلا دیا۔ جیسے نماز پڑھ کر بتا دی کہ صبح کی یُوں ہوتی ہے شام کی یُوں۔ جیسے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف سے استنباط کئے۔ ویسے ویسے آپ بتلاتے رہے اور جو آپ کے اقوال تھے ان کا نام حدیث ہے۔ ایک سنّت یہ بھی تھی کہ آپ فوت ہو گئے۔ قرآن شریف میں ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1]۔ یعنی سب رسُول

[1] آل عمران: ۱۴۵

فوت ہو گئے آپؑ بھی فوت ہوں گے۔ چنانچہ خدا کی بات پوری ہو گئی اور آپؐ فوت ہو گئے[1] ہمارے ہاتھ میں تو ایک نظیر ہے۔ اگر یہ پوچھیں کہ جو تاویل (نزول مسیح کی) تم پیش کرتے ہو کسی نے آگے بھی کی ہے تو ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کے بارے میں تم کو مصیبت پڑی ہے (یعنی مسیح کے) اس نے خود یہ تاویل کی ہے۔ اس کو بھی اس وقت مصیبت پڑی تھی تو ہماری جماعت میں داخل ہو کر آخر اس کی رہائی ہوئی۔ نظیر بھی کوئی شئے ہوتی ہے خدا تعالیٰ بھی اپنی سُنّت[2] کو بطور نظیر کے پیش کیا کرتا ہے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ آجاتے تو کوئی ہرج نہ تھا۔ آپؐ نے کوئی خدائی کا دعویٰ تو نہیں کیا۔ نہ آپؐ خدا بنائے گئے۔ مگر خدا نے مسیحؑ کے منہ سے نکلوا کر اقرار کروا لیا کہ دوبارہ آنے کے یہ معنے ہوتے ہیں۔ کوئی بادشاہ وہ طریق اختیار نہیں کرتا جس سے اس کی بادشاہی میں خلل آوے۔ پھر خدا کیوں ایسا طریق اختیار کرے۔ جس سے اس کی خدائی میں بٹہ لگے۔

پھر مولوی فتح دین صاحب نے کہا کہ ہم لوگ بڑے خطاکار ہیں۔ کئی فاسد خیال آتے رہتے ہیں اور طاعون کا زور ہو رہا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

---

[1] حاشیہ۔ الحکم میں لکھا ہے۔ اپنی سُنّت سے ثابت کر دیا کہ باقی نبی بھی فوت ہو گئے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ کالم اول مورخہ ۱۷ ؍نومبر ۱۹۰۲ء)

[2] الحکم میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے :۔

ہمارا آنا اللہ تعالیٰ کی سنّت قدیمہ کے موافق ہے اور اس کی نظیر موجود ہے۔ یہودی الیاس کے آنے کے منتظر تھے۔ مگر جب انہوں نے مسیح کے سامنے یہ سوال کیا کہ ایلیا کہاں ہے تو اُس نے اس کا آنا بروزی رنگ ہی میں بتایا۔ اور یُوحنّا کی نسبت کہا کہ آنیوالا ایلیا یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ یہودیوں نے اس کو تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ ان کے ہاں پہلے کوئی نظیر نہ تھی۔ اب یہ فیصلہ تو خود مسیح ہی کا کیا ہوا ہے۔ جس کے لئے اب یہ اس قدر ٹکریں مارتے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ کالم اول مورخہ ۱۷ ؍نومبر ۱۹۰۲ء)

میں یہ یقیناً جانتا ہوں کہ جس کو دل سے خدا تعالیٰ سے تعلق ہے اسے وہ رُسوائی کی موت نہیں دیتا۔ ایک بزرگ کا قصہ کتب میں لکھا ہے کہ اُن کی بڑی دعا تھی کہ وہ طوس کے مقام میں فوت ہوں۔ ایک کشف میں بھی انہوں نے دیکھا کہ میں طوس میں ہی مروں گا۔ پھر وہ کسی دوسرے مقام میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو اپنے شاگردوں کو وصیت کی کہ اگر میں مرگیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو بتلایا کہ میری بڑی دعا تھی کہ میں طوس میں مروں مگر اب پتہ لگتا ہے کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس لئے میں مسلمانوں کو دھوکا نہیں دینا چاہتا۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ اچھے ہو گئے اور پھر طوس گئے وہاں بیمار ہو کر مرے اور وہیں دفن ہوئے۔ اس لئے مومن بننا چاہئے مومن ہو تو خدا رُسوائی کی موت نہیں دیتا اور دل کے خیالات پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ جب تک کہ انسان عزم نہ کرلے۔ ایک چور اگر بازار میں جاتا ہوا ایک صراف کی دکان پر روپوں کا ڈھیر دیکھے اور اسے خیال آئے کاش کہ میرے پاس بھی اس قدر روپیہ ہو اور پھر اُسے چُرانے کا ارادہ کرے مگر قلب اُسے لعنت کرے اور وہ باز رہے تو گنہگار نہ ہوگا اور اگر پختہ ارادہ کرلے کہ اگر موقع ملا تو ضرور چرا لوں گا تو گنہگار ہوگا۔ آدمؑ کے قصہ میں بھی خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا[1] یعنی ہم نے اس کی عزیمت نہیں پائی عَصٰی اٰدَمُ کے معنی ہیں کہ صورت عصیان کی ہے۔ مثلاً آقا ایک غلام کو کہے کہ فلاں رستے جا کر فلاں کام کر آؤ وہ اگر اجتہاد کرے اور دوسرے راہ سے جا دے تو عصیان تو ضرور ہے مگر وہ نافرمان نہ ہوگا۔ صرف اجتہادی غلطی ہوگی جس پر مواخذہ نہیں۔

خرگوش کا کھانا حلال ہے

پھر کسی نے خرگوش کے حلال ہونے پر حضرت اقدس سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اصل اشیاء میں حلّت ہے۔ حُرمت جبتک نص قطعی سے ثابت نہ ہو، تب

[1] طٰہٰ: ۱۱۶

تک نہیں ہوتی۔

حدیث کے متعلق ہمارا مذہب ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ بھی ہو تو اس پر عمل کر لیا جائے جب تک وہ مخالف قرآن نہ ہو۔

پھر سنّت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے رفع یدین پر کیوں عمل نہ کیا۔ کیا اس وقت حدیث کے راوی نہ تھے۔ راوی تو تھے۔ مگر چونکہ یہ سنّت اُس وقت ان کو نظر نہ آئی۔ اس لئے انہوں نے عمل نہیں کیا۔ مولویوں کی بدقسمتی ہے کہ یہود و نصاریٰ محرّف و مبدّل توریت کو لئے پھرتے ہیں اور یہ بجائے قرآن کے حدیثوں کو لئے پھرتے ہیں۔

غیر از جماعت کی نماز جنازہ

نماز جنازہ کا ذکر ہونے پر آپ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک منافق کو کُرتہ دیا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی ممکن ہے اس نے غرغرہ کے وقت توبہ کر لی ہو۔ مؤمن کا کام ہے کہ حسنِ ظن رکھے۔ اسی لئے نماز جنازہ کا جواز رکھا ہے کہ ہر ایک کی پڑھ لی جائے۔ ہاں اگر کوئی سخت معاند ہو۔ یا فساد کا اندیشہ ہو تو پھر نہ پڑھنی چاہیئے۔ ہماری جماعت کے سر پر فرضیت نہیں ہے بطور احسان کے ہماری جماعت دوسرے غیر از جماعت کا جنازہ پڑھ سکتی ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ[1]۔ اس میں صلوٰۃ سے مراد جنازہ کی نماز ہے اور سَكَنٌ لَّهُمْ دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعا گنہ گار کو سکینت اور ٹھنڈک بخشتی ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[2] سے دو فائدے

فلما توفیتنی سے دو فائدے ہماری جماعت کو اٹھانے چاہئیں۔

[1] التوبۃ : ۱۰۳ [2] المائدۃ : ۱۱۸

ایک تو یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس میں کہتے ہیں کہ میری وفات کے بعد میری امت بگڑی ہے جس کی مجھ کو خبر نہیں ہے۔ پس اگر عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک نہیں فوت ہوئے۔ تو پھر یہ بھی مان لینا چاہئیے کہ ابھی تک عیسائی صراط مستقیم پر ہیں اور بلحاظ دین کے اُن میں کوئی فساد نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر اس آیت کا اطلاق اُن پر اُن کے دوبارہ آنے کے بعد ہے تو اس صورت میں مسیح علیہ السلام (نعوذ باللہ) بہت کذّاب ٹھہرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آکر چالیس سال رہے اور اپنی قوم کی بداعتقادی کی حالت دیکھ کر انہوں نے اس کی اصلاح کی اور صلیب کو توڑا اور خنزیروں کو قتل کیا اور پھر باوجود کامل علم کے خدا تعالےٰ کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں کہ مجھ کو خبر نہیں ہے۔

مباحثہ مُدّ کی روئیداد

عصر کی نماز سے پیشتر حضرت اقدس نے مجلس فرمائی۔ سید سرور شاہ صاحب اور عبداللہ صاحب کشمیری جو کہ موضع مُدّ میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے بخیروعافیت واپس آئے اور حضرت اقدس سے نیاز حاصل کیا اور وہاں کے جلسہ مباحثہ کی تفصیل سُنانے لگے۔ حضرت اقدس نے اختصاصاً ان تمام باتوں کا اعادہ فرمایا جو کہ آپ نے سیر میں فرمائی تھیں کہ مباحثہ میں ہماری جماعت کو کیا پہلو اختیار کرنا چاہئیے۔ اور پھر تمام کیفیت مباحثہ سُننے کے لئے شام کا وقت مقرر ہوا۔

نماز مغرب کے بعد حضرت اقدس نے جلوس فرماتے ہی حکم صادر فرمایا کہ مباحثہ موضع مدّ کی کارروائی سُنائی جاوے چنانچہ عبداللہ کشمیری صاحب سُنانے لگے۔ سب سے اوّل حضرت اقدس کو اس پر کمال افسوس ہوا کہ فریقین نے صرف بیس بیس منٹ اپنے اپنے دعاوی کے متعلق دلائل لکھنے کے لئے قبول کئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایسی صورت میں ہرگز مباحثہ قبول نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ تو ایک قسم کا خون کرنا ہے۔

جب ہم مدعی ہیں تو ہمیں اپنے دعاوی کے دلائل کے واسطے تفصیل کی ضرورت ہے۔ جو کہ وقت چاہتی ہے اور جب دلائل لکھے جاتے ہیں تو توجہ ہوتی ہے۔ اس میں فیضانِ الٰہی ہوتا ہے، اس کا ہم کیا وقت مقرر کر سکتے ہیں کہ کب تک ہو۔

غرضیکہ حضرت اقدس نے اس بات کو بالکل ناپسند فرمایا کہ وقت میں کیوں تنگی اختیار کی گئی۔ پھر عبداللہ صاحب کشمیری نے وہ تمام تحریریں پڑھ کر سنائیں۔ روئیداد سُننے کے بعد حضرت اقدس پھر انہیں امور کا بار بار اعادہ فرماتے رہے جو کہ سیر میں مناظرہ اور مباحثہ کے متعلق فرمائے تھے۔ تاکہ سامعین کے ذہن نشین وہ باتیں ہو جائیں۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۱۹ مورخہ ۱۴؍ نومبر ۱۹۰۲ء)

۲؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

مُدّ کے حالات مباحثہ پر تبصرہ

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور آتے ہی پھر اس مناظرہ کے متعلق حضور نے گفتگو شروع فرمائی جس کی کارروائی گذشتہ شب درج ہو چکی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ

آجکل ان مولویوں کا دستور ہے کہ چالیس پچاس جھوٹ ایک دفعہ ہی بیان کر دیتے ہیں اب ان کا فیصلہ تین چار منٹ میں دوسرا فریق کس طرح کرے۔ پادریوں کا بھی یہی طریق ہے۔ کہ ایک دم اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ کہ ایک اعتراض چُن لیویں اور اوّل اس پر فیصلہ کر کے پھر آگے چلیں اور دوسرا اعتراض لے لیں۔ اوّل قواعد مقرر کئے جائیں۔ یہ امر بھی دیکھا جائے کہ منہاج نبوت کو (دوسرا فریق) مانتا ہے یا نہیں۔ اس نے (مولوی ثناء اللہ) بار بار عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کا تکرار کیا کہ وہ پوری نہ ہوئی۔

اگر منہاج نبوت کا فیصلہ اولاً کر لیا جاتا تو اس طرح کا دھوکا وہ کب دے سکتا تھا۔ یُونسؑ نبی کی پیشگوئی موجود تھی۔ اس میں کوئی شرط بھی نہ تھی اور درمنثور میں بھی حدیث ہے کہ یُونسؑ نے کہا لن ارجع کذابًا یعنی میں جھوٹا کہلا کر واپس نہ جاؤں گا۔ دیکھو۔ اس میں کوئی شرط نہ تھی۔ وعید میں خدا تعالےٰ کو حق لازم نہیں آتا کہ ضرور عذاب نازل کرے۔

دیکھا جاتا ہے کہ جب بلا آتی ہے تو صدقہ خیرات کرنے سے ٹل جاتی ہے۔ صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ ایسی بلا کا قبل از وقت بیان نہیں ہوتا نہ اُس کی پیش گوئی ہوتی ہے اور پیشگوئی میں بلا کا قبل از وقت بیان کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال وہ بھی خدا تعالیٰ کے علم میں تو قبل از وقت ہی ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں بار بار ذکر ہے کہ ہم نے فلاں قوم کی ہلاکت کا ارادہ کیا۔ مگر جب انہوں نے توبہ کی تو پھر عذاب ہلاکت ٹل گیا۔ توریت میں بھی ذکر ہے کہ موسٰی علیہ السلام کی دُعا سے بار بار عذاب ٹلتا رہا۔ وعید میں تخلف جائز ہے۔ اہلِ کتاب کا کوئی ایسا فرقہ نہیں کہ جو اسے نہ مانتا ہو۔ ہندو بھی مانتے ہیں کہ صدقہ سے بلا ٹل جاتی ہے۔ جب ٹل گئی تو پیشگوئی بدل گئی۔ قرآن مجید میں بھی ہے۔ یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ[۱] یعنی عذابی پیشگوئیوں کا بعض حصہ تو پُورا ہوگا اور بعض بوجہ توبہ استغفار ٹل جائے گا۔ منہاج نبوت کو دیکھا جائے تو صریح نظر آتا ہے کہ انبیاء سے اجتہادوں میں غلطیاں ہوئی ہیں جیسے عیسٰی علیہ السلام نے کہا کہ تم ابھی نہیں مرو گے کہ میں واپس آجاؤں گا۔ تو یہ ان کا اجتہاد تھا۔ مگر خدا تعالےٰ کے نزدیک ان کے آنے سے یہ مراد نہ تھی بلکہ دوسرے کا آنا مراد تھا۔ اور ممکن ہے کہ الیاسؑ کا بھی یہ خیال ہو کہ میں ہی واپس آؤں گا۔ اسی طرح پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کا سفر کیا تو حضرت عمرؓ کو ابتلا آیا۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد اس طرف دلالت کرتا تھا کہ ہم فتح کر لیویں گے مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا۔ اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے سمجھا تھا کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہوگی۔ مگر یہ بات درست نہ نکلی کیونکہ یہ آپؐ کا اپنا اجتہاد تھا۔ خدا تعالےٰ پر لازم نہ تھا کہ ہر ایک باریک

[۱] المومن: ۲۹

امر آپ کو بتلا دے۔ پس بحث مباحثہ میں اول مخالف سے منہاج نبوت کو قبول کروا کر اس کے دستخط کروا لینے چاہئیں۔

پھر آتھم والی پیشگوئی کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ

وہاں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ یہ تو نہیں لکھا کہ بشرطیکہ مسلمان ہو جاوے۔ اس سے پہلے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دجّال لکھ چکا تھا اور یہی وجہ مباحثہ کی تھی۔ پھر جب میں نے پیشگوئی سنائی تو اس نے اسی وقت کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہا کہ توبہ توبہ میں تو دجّال نہیں کہتا۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ صرف عیسائی ہونا یا بُت پرست ہونا اس امر کا موجب نہیں ہوتا کہ دنیا میں عذاب آوے۔ ایسے عذابوں کے لئے تو قیامت کا دن مقرر ہے۔ عذاب ہمیشہ شوخیوں پر آتا ہے اگر ابوجہل وغیرہ شرارتیں نہ کرتے تو عذاب نازل نہ ہوتا۔ بڑا باطل مذہب پر پابند ہونے پر نہ کوئی عذاب آتا ہے نہ کوئی پیشگوئی۔ ہمیشہ زیادہ شوخیوں پر پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ یہود کو مغضوب علیہم[1] اسی لئے کہا کہ انہوں نے شوخیاں کیں گستاخیاں کیں اور اُن پر غضب وارد ہوئے لیکن ضالین کو مغضوب علیہم نہ کہا۔ حالانکہ آخرت میں تو عذاب یہود کو بھی ہونا ہے اور نصاریٰ کو بھی۔ مگر چونکہ انہوں نے شوخی نہ کی۔ اس لئے دُنیا میں ان پر غضب نازل نہیں ہوا۔ انسان کیسے ہی بُت پرست یا انسان پرست کیوں نہ ہو۔ مگر جب تک شرارت نہ کرے۔ عذاب نہیں آتا۔ اگر ان باتوں پر بھی عذاب دُنیا ہی میں آجائے تو پھر قیامت کو کیا ہوگا۔ یہودیوں پر عذاب اسی لئے آئے کہ انہوں نے پیغمبروں کو دُکھ دیئے۔ اُن کے قتل کے منصوبے کئے۔ اُن کی گستاخیاں کیں۔ کافروں کے لئے اصل زندان تو قیامت ہی ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر دُنیا میں کیوں عذاب آتا ہے تو جواب یہی ہے کہ شوخیوں کی وجہ سے آتا ہے۔

فرمایا۔ عوام الناس سے ہمیشہ موٹی موٹی باتیں کرنی چاہئیں۔ خدا تعالےٰ نے جو معجزات

[1] الفاتحۃ: ۷

نبوت کی جزو رکھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام فائدہ اُٹھائیں کیونکہ خواص کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُن کے لئے تو حقائق اور معارف ہی کافی ہیں۔ عوام کو چونکہ یہ معرفت نہیں ہوتی۔ اس لئے اُن کے خوش کرنے کو معجزات رکھے گئے ہیں۔

ایڈیٹر الحکم اور البدر کو محتاط رہنے کی ہدایت

نماز عصر کے بعد حضرت اقدس نے الحکم اور البدر کے ایڈیٹروں کو بُلا کر تاکید فرمائی کہ وہ مضامین کے قلمبند کرنے میں ہمیشہ محتاط رہا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی بات غلط پیرایہ میں درج ہو جاوے۔ یا کسی الہام کے الفاظ غلط شائع ہوں تو اس سے معترض لوگ دلیل پکڑیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے مضامین مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو دکھا لیا کریں۔ اس میں آپ کو بھی فائدہ ہے اور تمام لوگ بھی غلطیوں سے بچتے ہیں۔

نماز مغرب کے بعد حسب دستور جلوس فرما کر مباحثہ موضع مُدّ کے حُسن و قبح پر تذکرہ فرمایا کہ

یہ مولوی لوگ عوام کو بھڑکانے کے واسطے عجیب عجیب حیلے گھڑتے ہیں اور حق رسی سے ان کو کوئی کام نہیں ہوتا۔

فرمایا۔ ولدالزنا میں حیا کا مادہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے نکاح کی بہت تاکید فرمائی ہے[1]

(البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۹، ۲۰ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

[1] الحکم میں ۲ نومبر ۱۹۰۲ء کی ڈائری میں ایک مزید بات یوں درج ہے:۔

حاشیہ: صبح کی سیر | اس امر کا تذکرہ تھا کہ بعض نادان ملّاں جب ہر طرح مقابلہ سے عاجز آ

بقیہ اگلے صفحہ

۳؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

(بوقتِ سیر)

طریقِ بحث

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور سیر کے دوران اس امر پر تذکرہ فرمایا کہ

مباحثات میں ہمیشہ یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ فریق مخالف اپنی روباہ بازی سے سامعین کو دھوکہ نہ دے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سامعین کے باطل عقائد کے موافق یہ لوگ ہماری طرف سے ایسی باتیں ان کو سناتے ہیں کہ جن سے وہ لوگ معاً بھڑک جاویں اور برانگیختہ ہو جاویں۔ ایسی صورت میں پھر خواہ ان کے آگے کچھ ہی کہو وہ لوگ ایک نہیں سُنتے جیسے مولوی صاحب نے کل اپنا ذکر سُنایا تھا۔

پھر طریقِ بحث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

بلاغت کا کمال یہ بھی ہے کہ ایک بات دوسرے کے دل تک پہنچائی جائے ورنہ اگر کوئی کلام اس قابل ہو کہ آب زر سے لکھا جائے۔ مگر متکلم اسے سمجھا نہیں سکتا تو پھر وہ فصیح نہیں کہلائے گا۔ اس لئے کلام کرنے والے کو یہ تمام پہلو مدنظر رکھنے چاہئیں۔

بقیہ حاشیہ: جاتے ہیں۔ اور اُن پر اتمام حجت کے لئے کہا جاتا ہے کہ فصیح بلیغ عربی نویسی میں مقابلہ کر لو تو یہ کہہ کر پیچھا چھوڑاتے ہیں کہ ان کتابوں میں غلطیاں ہیں۔ حضور نے فرمایا۔

غلطیاں نکالنے کا جو دعویٰ کرتے ہیں۔ اس میں تو یہ امر بجائے خود تنقیح طلب ہے کہ جو غلطی انہوں نے نکالی ہے خود ان کی اپنی ہی غلطی تو نہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے جب عجبت لامری پر اعتراض کیا تھا۔ کہ صلہ لام نہیں بلکہ من آتا ہے تو اسے کیسا شرمندہ ہونا پڑا۔ بالمقابل لکھ کر تو بتائیں۔ دعوت تو بالمقابل لکھنے کی ہے نہ غلطیاں نکالنے کی۔ اور پھر ایسی حالت میں یہ بہانہ کب چل سکتا ہے۔ جب نکالی ہوئی غلطیوں میں خود ان کی ہی غلطیاں ہوں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷؍نومبر ۱۹۰۲ء)

کافروں اور متقیوں کی خوشی میں فرق

فرمایا:-

کافروں کے لئے درمیانی خوشی ہوتی ہے اور انجام کی خوشی متقیوں کے لئے ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ اگر چاہے تو ایک دم میں سب کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ مگر وہ رونق چاہتا ہے جب تک مکذب نہ ہوں تو پھر مصدق کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے۔ مکذبوں کے ذریعہ ہی حقائق و معارف کھلتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی محبت اور نصرت کا پتہ ملتا ہے۔ اگر ایک شخص کے دل میں ماں کی محبت ہے تو اس کا کسی کو علم نہ ہوگا۔ مگر جب کوئی اُسے ماں کی گالی دے تو جھٹ اُسے غصہ آجائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ ماں کی محبت اس کے دل میں ہے۔

مخالفوں کو غلطیاں نکالنے کا حق نہیں

فرمایا:-

ان ہمارے مخالفوں کو غلطیاں نکالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا جبتک وہ اپنا منصب عربی دانی کا ثابت نہ کریں۔ تب تک اُن کو غلطی نکالنے کا حق نہیں ہے۔ اعتراض کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اول زبان پر پُورا احاطہ ہو۔ اگر ان لوگوں کو عربی زبان کا علم ہے تو ہم جو دس سال سے رسالے لکھ لکھ کر مقابلہ پر بُلا رہے ہیں۔ انہوں نے آج تک دس سطریں ہی دکھائی ہوتیں۔ ورنہ جہالت سے تکذیب کرنے سے کیا بنتا ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کی قدرت ہے کہ یہ لوگ بالمقابل لکھ نہیں سکتے۔ ورنہ املا کرنا کیا مشکل امر ہے۔ مگر ہمارے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے اُن کی زبانوں کو بند کر دیا ہے۔

فرمایا:-

دل میں بات بٹھانے کے واسطے بھی ایک ڈھب ہوتا ہے کیونکہ اب تلوار کی لڑائی

تو ہے نہیں۔ زبانوں کی ہے۔ اس لئے زبان کی تلوار جب مارے تو اچھی نہ مارے بلکہ ایسی خوب مارے کہ دو ٹکڑے ہو جائیں۔ میں نے بارہا ارادہ کیا ہے کہ یہ لوگ میرے زانو بزانو بیٹھ کر عربی لکھیں مگر دل فتویٰ دیتا ہے کہ یہ لوگ کبھی مقابلہ پر نہیں آئیں گے۔ کیونکہ اُن کے دلوں پر رُعب پڑ گیا ہے۔ تو اب جبکہ شکار ہمارے نزدیک نہیں آتا۔ تو ہمیں چاہیئے کہ دُور سے بذریعہ بندوق کے نشانہ بنائیں۔

مباحثہ مُدّ میں ہماری فتح ہوئی

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور تھوڑی دیر مجلس فرمائی۔ مُدّ کے مباحثہ کا ذکر ہوتا رہا۔ فرمایا کہ

درحقیقت تو ہم نے فتح پالی ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ وہ دیہات کے لوگ تھے۔ اُن کو ان باریک باتوں کی سمجھ نہیں آئی۔ مجھے خوشبو آتی ہے کہ آخرکار فتح ہماری ہے۔ دسمبر کے آخر تک جو نشان ظاہر ہونے والے ہیں شاید یہ بھی اُن میں سے ایک عظیم الشان نشان ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے۔ جیسا کہ فرمایا والعاقبۃ للمتّقین [1]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تیرہ [13] برس تک مکروہات ہی پہنچتے رہے۔

عصر کی نماز کے لئے حضور تشریف لائے تو اس وقت بھی مباحثہ مُدّ کے متعلق ہی ذکر فرماتے رہے۔ حضور نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کے برگزیدوں کی یہ عجیب حالت ہوتی ہے کہ جب ایک بات کی طرف توجہ ہو جائے تو پھر رات دن اسی کی طرف توجہ رہتی ہے گویا کہ بالکل اس میں مستغرق ہیں۔ اور دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔

دوستوں کو بے تکلّف ہونے کی نصیحت

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول جلوہ فرما ہوئے تو میر صاحب نے عبدالصمد

[1] القصص: ۸۴

صاحب آمدہ از کشمیر کو آگے بلا کر حضور کے قدموں کے نزدیک جگہ دی۔ اور حضرت اقدس سے عرض کی کہ ان کو یہاں ایک تکلیف ہے کہ یہ چاولوں کے عادی ہیں اور یہاں روٹی ملتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔[1] ہمارے مہمانوں میں سے جو تکلف کرتا ہے اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے جو ضرورت ہو کہہ دیا کرو۔

پھر آپؑ نے حکم دیا کہ ان کے لئے چاول پکوا دیا کرو۔

مباحثہ مُدّ کا ذکر

پھر حضرت اقدس مباحثہ مُدّ کا ذکر فرماتے رہے۔ حضور نے فرمایا کہ

اس دن ہم نے مناسب سمجھا تھا کہ یہ مباحثہ کی کارروائی الحکم وغیرہ میں نہ چھپے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔

سر سید کا یورپ کیطرف میلان

سید احمد صاحب کے یورپ کی طرف میلان پر فرمایا کہ

انسان جس شئے کی طرف پُوری رغبت کرتا ہے تو پھر اسی کی طرف اُس کا میلان طبعی ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ مجبور ہوتا ہے۔

ڈوئی کا ذکر

پھر ڈوئی کا اخبار مفتی محمد صادق صاحب سُناتے رہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اس لئے سُنتے ہیں کہ کہیں غیرت آجاتی ہے۔ اور بعض اوقات کوئی عجیب تحریک ہو جاتی ہے۔

---

[1] ص : ۸۷

تحریر بتائیدِ الٰہی

اس کے بعد ذکر چل پڑا کہ کس طرح اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل سے حضرت اقدس کو تمام مقابلہ کی تحریروں میں مدد دیتا رہا ہے کہ اکثر اوقات حضرت اقدس بیمار تھے اور میعاد مقابلہ نزدیک آگئی تو پھر اسی حالت میں بڑی سختیوں سے راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر کتابیں لکھیں۔ حضور نے فرمایا کہ

میں تو ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا۔ اگر خدا تعالےٰ کی طاقت میرے ساتھ نہ ہو۔ بارہا لکھتے لکھتے دیکھا ہے کہ ایک خدا کی رُوح ہے جو تیر رہی ہے۔ قلم تھک جایا کرتی ہے مگر اندر جوش نہیں تھکتا۔ طبیعت محسوس کیا کرتی ہے کہ ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

ڈوئی کا ذکر

پھر ڈوئی کی کسی بات پر فرمایا کہ

اس کے وجود سے شیطان کا وجود ثابت ہوتا ہے وہ بھی انسان کو اسی طرح فریفتہ کرتا ہے ۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۰-۲۱ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

(بوقت سیر)

علاقہ جہلم سے دو شخص بہت ضعیف العمر حضرت اقدس کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ بوجہ ضعیف العمری کے وہ چل نہیں سکتے تھے۔ حضرت اقدس اُن کی خاطر ٹھہر گئے اور اُن کے حالات دریافت فرماتے رہے۔

آیت مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا کی تفسیر

پھر حضور مشرق کی طرف سیر کو چلے۔ سید سرور شاہ صاحب نے حضرت اقدس سے سوال کیا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک رسول اپنی امت کے حالات سے لاعلمی ظاہر کرے گا۔ جیسے قرآن شریف میں ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا[1]۔ تو پھر اس آیت کے مفہوم کے مطابق اگر مسیحؑ بھی اپنی اُمت کے حالات سے لاعلمی ظاہر کریں اگرچہ وہ آخر زمانہ میں پھر آ کر چالیس برس ان لوگوں میں گذار بھی جائیں تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ[2] کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کاذب کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لاعلمی انبیاء کی ان کی اس امت کے بارے میں ہوتی ہے جو اُن کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ مسیحؑ بھی کہتا ہے۔ کُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ۔ تو پھر اگر اُن کو علم نہیں تو وہ شہید کس طرح ہوئے اور کس بات کے ہوئے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حالات سے تو لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں مگر صحابہ کرام کی نسبت نہیں کر سکتے کیونکہ آپؐ کو اُن کے حالات معلوم تھے اور آپؐ ان میں رہتے تھے۔ اس قسم کی لاعلمی سے وہی لاعلمی مُراد ہے یعنی اُس امت کا ذکر جو کہ نبی کے بعد آیا کرتی ہے یا بہت آخری وقت پا تی ہے کہ اُسے نبی کی صحبت سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔

خواب میں ہاتھی دیکھنا اور تیل لگانا اچھا ہے

پھر ایک صاحب نے خواب سُنایا کہ میں نے رات کو ہاتھی خواب میں دیکھا۔ اور یہ کہ حضرت اقدس اُس کے سر کو تیل لگا رہے ہیں۔ حضرت اقدس نے تعبیر فرمائی۔ کہ رات کے وقت ہاتھی دیکھنا عمدہ ہوتا ہے اور تیل لگانا بھی زینت ہے۔ یہ بھی اچھا ہے۔

[1] المآئدۃ : ۱۱۰ [2] المآئدۃ : ۱۱۸

عربی پرچہ جاری کرنے کی خواہش

حضرت اقدس کے گذشتہ ایما پر عبداللہ عرب صاحب نے کشتی نوح کے چند ورق کا جو ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا وہ حضرت اقدس کو سُناتے رہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

اگر یہ مشق کرلیں کہ اُردو سے عربی اور عربی سے اُردو ترجمہ کرلیا کریں تو ہم ایک عربی پرچہ یہاں سے جاری کردیں۔

شرم کا نفع و نقصان

پھر شرم کے ذکر پر فرمایا کہ

ایک شرم انسان کو دوزخ میں لے جاتی ہے اور ایک شرم جنت میں لے جاتی ہے جو شخص شرم کی وجہ سے اپنے علم سے فائدہ نہیں اُٹھاتا اس کے لئے شرم دوزخ ہے

مولوی عیسائیوں کے قدم پر

پھر آج کل کے معترض مولویوں کی حالت پر فرمایا کہ

اِن لوگوں نے بالکل پادریوں کا ڈھنگ اختیار کیا ہوا ہے۔ جیسے وہ جب ملتے ہیں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم شروع کردیتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ہمارے معاملہ میں کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ بھی تماشہ دیکھ رہا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کفار کیا کچھ نہ کرتے تھے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اسی وقت کفار کو تباہ کردیتا۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ کچھ عرصہ اُن کی ناز برداری کرتا رہا۔

مسیح موعودؑ کے انعامات قبول نہ کرنیسے آنحضرتؐ کی پیشگوئی کا پُورا ہونا

پھر سید سرور شاہ صاحب سے حضرت اقدس کچھ گفتگو اُن کے سفر امرتسر کے متعلق کرتے رہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ

ہم نے مالی انعامات دے دے کر ان لوگوں کو اپنے مقابلہ پر بُلایا مگر یہ لوگ نہ آئے مگر ہم دینے سے تھکے نہیں۔ ابھی اَور دیں گے اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں گے تو گویا اپنے ہاتھوں سے ایک اَور پیشگوئی ہمارے حق میں پُوری کر دیں گے۔ وہ یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ مسیح موعود مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے تو اگر انکار کرتے ہیں تو اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کو پُورا کرتے ہیں۔

گفتگو کہاں اور کیسے ہونی چاہیئے

فرمایا:۔

گفتگوئیں ایسے مقامات پر ہونی چاہئیں جہاں رؤسا بھی جلسہ میں ہوں۔ اور تہذیب اور نرم زبانی سے ہر ایک بات کریں کیونکہ دشمن جب جانتا ہے کہ محاصرہ میں آگیا تو وہ گالی اور درشت زبانی سے پیچھا چھوڑانا چاہتا ہے۔ طالبِ حق بن کر ہر ایک کو بات کرنی چاہیئے۔ اور یہ امر سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ[1]۔ اگر ہم حق پر نہیں ہیں تو ہم غالب نہ ہوں گے۔ ہم نے اُن کو کئی بار لکھا ہے کہ سب متفق ہو جائیں۔ کوئی عیب نہیں ہے۔ ہماری طرف سے ان کو اجازت ہے۔ ان تمام مولویوں میں سے بہت ایسے ہیں کہ عربی لکھتے ہیں۔ بلکہ اشعار بھی کہتے ہیں۔ مگر ہمارے مقابل پر خدا تعالیٰ اُن کی زبان بند کر دیتا ہے اور ان کو ایسا امر پیش آتا ہے۔ کہ چُپ

[1] المجادلہ:۲۲

رہ جاتے ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی تشریح

مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس حسب دستور شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے سید عبداللہ عرب صاحب نے ایک رسالہ ایک شیعہ علی حائری کے ردّ میں عربی زبان میں لکھا تھا۔ جس کا نام سبیل الرشاد رکھا تھا۔ حضرت اقدس کو سناتے رہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ ساتھ ساتھ اُردو ترجمہ بھی کرتے جاؤ تاکہ تم کو مشق ہو مگر عرب صاحب کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ اتنی مجلس میں ترجمہ ٹوٹے پھوٹے اُردو میں سُناویں۔ اس رسالہ کے ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مجھے اس جگہ ان کے الفاظ سے یہ تحریک ہوئی ہے کہ یہود لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو دو وجہ سے ملعون ٹھہراتے تھے ایک اُن کو ولدالزنا کہہ کر۔ دوسرا مصلوب کرنے کے لحاظ سے جب خدا تعالےٰ نے ان کے ولدالزنا ہونے کا ذکر کیا ہے تو چاہیئے تھا کہ اُن کے مصلوب ہونے کا بھی ذکر کرتا۔ جسم کے ساتھ آسمان پر جانا تو ایک الگ متعلق امر ہے۔ اوّل ذکر دلالت کرتا ہے کہ دوسرا بھی ذکر ہو۔

پھر یہ بات بیان ہوئی کہ اہل شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ولدالزنا کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ حسینؓ اور بارہ اماموں کی بھی محبت رکھتا ہو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

توریت میں بھی ایسے ہی لکھا ہے اور اسی لئے وہ مسیح علیہ السلام کو ملعون کہتے تھے اس بات کی اصل قرآن شریف میں بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس میں تخصیص کی ہے کہ ایک اولادالرحمان اور ایک اولادالشیطان۔ کیونکہ جب شیطان نُطفہ میں شریک ہوگیا۔ تو پھر اُس کے قویٰ میں یہ بات بطور جزو کے آگئی۔

ایک مقام پر ہے بَعْدَ ذَالِكَ زَنِيْمٍ[2] یعنی یہ ولدالزنا ہے اور تجربہ بتلاتا ہے کہ ولدالزنا

[1] النساء: ۱۵۸ [2] القلم: ۱۴

شرارت سے باز نہیں آیا کرتے۔

پھر اس رسالہ میں مَا قَتَلُوْہُ کے لفظ پر حضرت اقدس کو یہ تحریک ہوئی۔ کہ مَا قَتَلُوْہُ پر سوال ہوتا ہے کہ یہود کیوں قتل کرتے تھے۔ اُن کی کیا غرض تھی۔ جس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ[1] یعنی قَتَلْنَا سے اُن کی مُراد لَعْنَا تھی۔

اہلِ عرب کے ہزار سے آگے گنتی نہ جاننے سے لطیف استدلال

اہل عرب میں چونکہ ایک ہزار سے آگے شمار نہیں ہے۔ حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میلان دُنیا کی طرف نہ تھا۔ ورنہ دوسری دُنیادار قوموں کی طرح لاکھوں کروڑوں تک گنتی وہ بھی رکھتے۔

وہ رسالہ سُنکر حضرت اقدس نے تعریف کی کہ

عُمدہ لکھا ہے اور معقول جواب دیئے ہیں۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۱، ۲۲ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

۵ نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

(بوقت سیر)

خاتمہ بالخیر چاہیئے

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے۔ آتے ہی قاضی میر حسین صاحب مدرس عربی مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے والد ماجد مسمّٰی غلام شاہ صاحب تاجر اسپاں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضرت اقدس کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور نذر پیش کی حضرت اقدس ان کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کی ۸۰ سال سے

[1] النساء: ۱۵۹

زیادہ عمر ہے۔ انہوں نے درخواست کی میرے خاتمہ بالخیر کی دُعا فرمائی جاوے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بس یہی بڑی بات ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو۔ کسی نے نُوح علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ آپ تو قریب ایک ہزار سال کے دُنیا میں رہ کے آئے ہیں۔ بتلائیے کیا کچھ دیکھا نوحؑ نے جواب دیا کہ یہ حال معلوم ہوا ہے جیسے ایک دروازے سے آئے اور دوسرے سے چلے گئے۔ تو عُمر کا کیا ہے لمبی ہوئی تو کیا تھوڑی ہوئی تو کیا۔ خاتمہ بالخیر چاہیئے۔

پھر ایک بڑ کے درخت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ

ہم سے تو یہ درخت ہی اچھا ہے۔ ہم چھوٹے ہوتے تھے تو اس کے تلے ہم کھیلا کرتے تھے یہ اسی طرح ہے اور ہم بڈھے ہوگئے ہیں۔ یہ سال بہ سال پھل بھی دیتا ہے۔

مباحثہ مُدّ کا ذکر

محمد یوسف صاحب اپیل نویس نے عرض کیا کہ حضور موضع مُدّ کے مباحثہ میں ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب تمہاری آنکھ کیوں نہیں اچھی کر دیتے۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

جواب دینا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اندھا تھا۔ جیسے قرآن مجید میں لکھا ہے۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی ۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی [1] وہ کیوں نہ اچھا ہوا۔ حالانکہ آپ تو افضل الرسل تھے۔ اور بھی اندھے تھے۔ ایک دفعہ سب نے کہا کہ یا حضرت ہمیں جماعت میں شامل ہونے کی بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ جہانتک اذان کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کے لوگوں کو ضرور آنا چاہیئے۔

فرمایا۔ شریر آدمیوں کا کام ہے کہ آنکھ، کان، ٹانگ وغیرہ کاٹ کر پھر کلام کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ مباحثہ بھی ہمارے لئے ایک فتح حُدیبیہ کی صُلح

[1] عَبَسَ: ۲، ۳

کی طرح کسی فتح کی بنیاد ہی نظر آتا ہے۔

جماعت کی مالی قربانی کا ذکر

پھر فرمایا کہ

ہماری جماعت جان و مال سے قربان ہے۔ اگر ہمیں ایک لاکھ کی ضرورت ہو تو وہ مہیا کر سکتے ہیں۔ اول بار عوام الناس نے علمی باتوں کو نہ سمجھا۔ اس لئے اب اللہ تعالیٰ نشانوں سے سمجھاتا ہے۔

مولویوں کی بُری حالت

زمانہ کے مولویوں کی حالت پر فرمایا کہ

ایسے مولویوں کے ہوتے ہوئے دین کے استیصال کے پادریوں کی بھی ضرورت نہیں ہے

اجتہاد اور وحی میں فرق

پھر اعتراضوں پر فرمایا:۔

کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ہم پر وہ ٹیکس لگاتے ہیں جو اوّل انبیاء کو معاف کرتے ہیں۔ اُن سے بھی اجتہادی غلطیاں ہوتی رہیں۔ ہاں وحی میں غلطی نہیں ہوتی۔ پھر اگر اجتہاد کو بھی غلطی سے مبرا خیال کرتے ہیں تو وہ اجتہاد کیوں نام رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہؓ کو کھجوروں کے درختوں کے متعلق کچھ ہدایات دیں۔ پھر جب نتیجہ وہ نہ نکلا تو آپؐ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم تو کیا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی فرق آگیا ہے؟ اوّل ان سے پوچھا جائے کہ وہ کہانتک اجتہاد میں معصومیت روا رکھتے ہیں۔

متفرق امور سے متعلق گفتگو

ظُہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت پر ذکر ہوتا رہا۔ ماحصل یہ تھا کہ عربی زبان کا ترجمہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے بعض وقت ایک لفظ

کے معنے ایک ایک سطر میں جاکر پُورے ہوتے ہیں۔ اور اس کا ترجمہ کرنا بھی ایک معجزہ ہوتا ہے۔

عصر کے وقت حضرت اقدس نے تشریف لا کر خبر سُنائی کہ

گوجرانوالہ سے ایک کارڈ آیا ہے جس میں خبر ہے کہ ٹیکہ کا عمل گورنمنٹ نے بند کر دیا ہے اس خبر کی تصدیق یہاں بھی ہوئی ہے۔ لالہ شرمپت میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ گورداسپور میں بھی ٹیکہ کے جلسے بند ہو گئے ہیں اور دوائی ٹیکہ تمام واپس منگوائی گئی ہے۔

بعد نماز مغرب مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے ایک پنجابی نظم سُنانے کی درخواست کی جس میں انہوں نے الفاظ بیعت اور شرائط بیعت کو منظوم کیا ہوا تھا۔ جب وہ سُنا چکے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

یہ پنجابی نظموں کا ایک مجموعہ تیار کر کے چھاپا جاوے اور یہ گاؤں بہ گاؤں لوگوں کو سُناتے پھریں تاکہ خلق خدا کو ہدایت ہو تو یہ بہت مفید ہو۔

کشتیٔ نوح اور اخبارات

پھر کشتی نوح پر اخباروں کے ریمارک کی نسبت فرمایا۔ کہ

اول اخباروں نے کیسی مخالفت کی کہ گویا ہم نے گورنمنٹ کی راہ میں پتھر ڈال دیئے ہیں لیکن سول ملٹری گزٹ کی تعریف کی کہ اُس نے کوئی چنداں مخالفت ہماری اس امر میں نہیں کی اور نہ بے ادبی کا طریق اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ گورنمنٹ کے بڑے مزاج دان ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ کے لئے رعایا مثل بچوں کے ہے۔ ایک ماں کی طرح حدِ انسانیت تک خبر گیری ضروری ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ ٹیکہ سے کوئی مفید تجربہ حاصل نہیں ہوا تو پھر طاعون کا کوئی علاج نہیں۔ آخر نظر آسمان کی طرف ہونی چاہیئے۔ خدا نے قوموں کو سزا دینے کے لئے اسے رکھا ہے۔ توریت میں بھی اس کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے بلکہ قرآن مجید میں تو چوہوں

کا بھی ذکر ہے۔ خدا کی عجیب قدرتوں کے دن ہیں جو قسمت والے ہوں گے۔ وہ خدا پر ایمان لاویں گے۔

صحابہؓ کا زہد

پھر عبداللہ عرب صاحب اپنی تصنیف ردّ شیعہ میں سُناتے رہے۔ ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

صحابہ کرامؓ کو جَو برابر بھی دُنیا کی خواہش نہ تھی۔ اُن کا مدعا یہ تھا کہ خُون بہا کر بھی رسُول اللہ کے پیرو بن جاویں۔

پھر ایک مقام پر فرمایا کہ

سِرّ الشہادتین (کتاب) میں مَیں نے ایک دفعہ پڑھا کہ جب مسلمؓ (امام حسین دروازہ کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ[1] اور اسی وقت اُن کا سر کاٹا گیا۔ یہ بات مجھ کو بڑی بے محل معلوم ہوئی۔

پھر عبداللہ عرب صاحب اپنے تقیہ کے حالات سُناتے رہے۔ پھر انہوں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اس گند سے اُن کو نجات دی حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے جبتک آنکھ نہ کھُلے انسان کیا کر سکتا ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۲-۲۳ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۶ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

دُنیا کی بے ثباتی

بعد نماز مغرب حضرت اقدس علیہ السلام شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے۔ فرمایا۔

لہ۔ نقل مطابق اصل۔ مرتب

[1] الاعراف: ۹۰

آج میں نے کام میں بہت توجہ کی۔ سر میں درد تھا۔ ریزش بھی ہے اور گلا بھی پکا ہوا ہے جیسے کسی نے چیرا ہوا ہو۔ اور مریض بھی بہت آئے۔ اگرچہ حکیم نورالدین صاحب کو علاج کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ مگر بعض اپنے اعتقاد کے خیال سے مجھ سے ہی علاج کراتے ہیں۔

پھر دنیا کی بے ثباتی پر فرمایا کہ

چندروزہ زندگی ہے اس کا نظارہ کیا ہے کون ہے جو اپنے خویش و اقارب کی موت کا نظارہ نہیں دیکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو بے ثبات کر رکھا ہے۔ جو آیا ہے اُس کے اُوپر جانا سوار ہے۔ ہزار دو ہزار برس کی عُمر ہوتی تب بھی کیا ہوتا۔ مگر انسان کی عمر تو چیل اور گِدھ جتنی بھی نہیں ہے۔ اگر یہ مضمون دل کے اندر چلا جائے تو اُس کا اثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم ادھم اور شاہ شجاع وغیرہ پر ایسا اثر پڑا کہ اپنے اپنے تختوں سے نیچے اُتر پڑے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۷ر نومبر ۱۹۰۲ء

بٹالہ میں شہادت دینے کیلئے سفر

بعد نماز فجر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بٹالہ جانے کے لئے تیار ہوئے۔ ہر ایک شخص حضور کے ہمراہ جانے کے لئے بیقرار تھا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

چونکہ آج ہی واپس آجانا ہے۔ اس لئے کچھ ضرور نہیں کہ سب لوگ ساتھ جاویں۔[۱]

---

[۱] ۔ (البدر سے) "آپؑ نے ایک اَور طالب علم کو جو پا پیادہ ہمراہ تھا فرمایا:۔

"تم کو تو یُونہی تکلیف ہوئی۔ تھوڑی دیر شائد ٹھہرنا ہوگا۔ سفر کی کوفت میں تم خواہ مخواہ ہمارے شریک ہوگئے۔" (البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو مخاطب کر کے اُن کے والد صاحب کے (جو ہندو ہیں) حالات دریافت فرماتے رہے۔ اور فرمایا کہ

اُن کی خدمت اچھی طرح کرو اور خدا تعالےٰ سے امید رکھو کہ اُن کو بھی ہدایت دے۔ اپنے اخلاق کا عمدہ نمونہ دکھاؤ اور اسلامی احکام کا عمدہ نمونہ بناؤ۔[۱]

بٹالہ[۲] پہنچ کر اس باغ میں جو کچہری کے سامنے ہے۔ ڈیرا کیا اور حوائج ضروریہ کے بعد کاغذ

ٰ۱۔ (البدر سے) "بٹالہ کے سفر کے دوران حضرت اقدس شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے ان کے والد صاحب کے حالات دریافت فرماتے رہے اور نصیحت فرمائی کہ

"اُن کے حق میں دعا کیا کرو۔ ہر طرح اور حتی الوسع والدین کی دلجوئی کرنی چاہیئے اور اُن کو پہلے سے ہزار چند زیادہ اخلاق اور اپنا پاکیزہ نمونہ دکھلا کر اسلام کی صداقت کا قائل کرو۔ اخلاقی نمونہ ایسا معجزہ ہے کہ جس کی دوسرے معجزے برابری نہیں کر سکتے سچے اسلام کا یہ معیار ہے کہ اُس سے انسان اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر ہو جاتا ہے اور وہ ایک ممیز شخص ہوتا ہے شاید خدا تعالےٰ تمہارے ذریعہ اُن کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے۔ اسلام والدین کی خدمت سے نہیں روکتا۔ دنیوی امور میں جن سے دین کا ہرج نہیں ہوتا۔ اُن کی ہر طرح سے پوری فرماں برداری کرنی چاہیئے۔ دل و جان سے اُن کی خدمت بجالاؤ۔" (البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

ٰ۲۔ (البدر میں دورانِ سفر کا ایک اور واقعہ یوں مذکور ہے:۔

"راستہ میں مولوی قطب الدین صاحب سے ملاقات ہوئی جو کہ شاہ پور کی طرف ایک مریض کے علاج کے لئے گئے تھے مگر وہ مریض اُن کے پہنچنے پر فوت ہو گیا۔ یہ سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا۔ انسان کا کیا ہے۔ زندگی کا بھروسہ نہیں۔ جہانتک ہو سکے۔ آنے والے سفر کی تیاری میں مصروف ہونا چاہیئے۔ ساری بیماریوں کا علاج ہے۔ مگر یہ موت ایسی بیماری ہے۔ جس کا کوئی علاج نہیں۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

طلب کیا۔ فرمایا کہ راہ میں چند شعر کہے ہیں۔ اُن کو لکھ لوں۔ چنانچہ مفتی صاحبؓ نے اپنی نوٹ بک پیش کی اور آپ لکھنے لگے۔

کھانا ساتھ ہی تھا۔ حکم دیا کہ پہلے کھانا کھا لیا جاوے۔

منشی محمد یُوسف صاحب اپیل نویس مردان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ

آپ ایک دینی جہاد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے گا۔[1]

میں نے ایڈیٹر الحکم کو حکم دیا ہے کہ وہ سارا مباحثہ الحکم میں چھاپ دیں۔ جو زائد کاپیاں آپ کو مطلوب ہوں۔ اُن سے لے لیں۔ زائد اخراجات آپ کو برداشت نہ کرنے پڑیں گے اور ثواب بھی ہو گیا۔

اور فرمایا کہ

آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلدی اس سلسلہ کو پھیلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اس سلسلہ کو دنیا میں پھیلائے۔

ضمناً فرمایا۔ کوئی درخت اتنی جلدی پھل نہیں لاتا۔ جس قدر جلدی ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے۔ یہ خدا کا فعل ہے اور عجیب۔ یہ خدا کا نشان اور اعجاز ہے۔

فرمایا:۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ صحابہؓ حضرت مسیحؑ کی اس شان کے قائل تھے جو خدائی کی

---

[1] ۔ البدر میں ہے:۔

"منشی محمد یوسف صاحب کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ دلگیر نہ ہوں آپ ایک دینی جہاد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اس سلسلہ کو ایسا پھیلا دیگا کہ یہ سب پر غالب ہونگے اور آجکل کے موجودہ ابتلا سب دُور ہو جائینگے۔ خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ ہر ایک کام بتدریج ہو۔ کوئی درخت اتنی جلدی پھل نہیں لاتا جسقدر جلدی ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کا نشان۔"
(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

ناواقف مسلمانوں نے ان کی بنا رکھی ہے۔ اگر وہ مسیحؑ کو اسی شان سے مانتے کہ وہ حقیقی مُردے زندہ کرتے تھے اور حَیّ و قیّوم تھے تو ایک بھی مسلمان نہ ہوتا۔ اور اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ان کی صفات کو یقین کرتے تو وہ اخلاص اور وفاداری اُن میں پیدا نہ ہوتی ۱۹۰۲ء

فرمایا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا احسان[1] ہے کہ آپؐ نے اُن کا تبریہ کیا اور ان الزاموں سے پاک کیا جو اُن پر ناپاک یہودی لگاتے تھے۔ جو یہودی مسلمان ہوتا تھا کتنی بڑی بات ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رسالت کا اُسے پہلے اقرار کرنا پڑتا۔

فرمایا۔ عیسائی مذہب ایسا ہے کہ اس کو پیدا ہوتے ہی صدمہ پہنچا جیسے کوئی لڑکی پیدا ہوتے ہی اندھی ہو۔ ایسا ہی اس مذہب کا حال ہے۔ مگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر احسان کیا اور اس کو پاک کیا۔

---

[1] (البدر سے) "مسیح علیہ السلام کے ذکر پر فرمایا کہ

اُن پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے احسانات ہیں کہ آپؐ نے ہر طرح کے الزامات سے اُن کو بَری کیا جو کہ یہودی لوگ ان پر لگاتے تھے۔ ورنہ وہ تو بیچارے جس دن سے پیدا ہوئے اسی دن سے لوگوں کی لعنت کے مَورد ہوئے۔ کیا یہودیوں نے اُن کے ساتھ تھوڑی کی ہے۔ ابتدا بھی اُن کی لعنت سے ہے اور انتہا بھی لعنت سے ہے۔ دراصل تو اُن کا مصدق کوئی نظر نہیں آتا۔ یہود تو لعنت کرتے ہی تھے جو حواری تھے وہ بھی لعنت کرتے تھے۔ ایک نے اُن میں سے تین بار لعنت کی۔ پھر چھوڑ کر چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی اُن کے مصدق بنے کہ ہر ایک عیب سے اُن کی بریّت کی۔ بھلا اس سے بڑھ کر کیا احسان ہو سکتا ہے کہ بجائے لعنت کے رحمت کا خطاب اُن کو دلایا۔ اب کروڑوں مسلمان رحمۃ اللہ کا لفظ اُن کے لئے بولتے ہیں۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ کالم اول مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

بٹالہ آنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ

ہمارا یہاں آنا تو کوئی اَور ہی حکمت رکھتا ہے ورنہ یہ شہادت کیا اور شہادت بھی لاعلمی کی۔[1]

اس پر آپ نے فرمایا کہ

دو بزرگ ابوالقاسم اور ابوسعید نام تھے۔ اتفاق سے دونو ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ اُن کے ایک مُرید نے کہا کہ میرے دل میں ایک سوال ہے اتفاق سے دونو جمع ہو گئے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ سوال یہ پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مدینہ میں آئے تھے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ ابوالقاسم نے کہا کہ بات اصل میں یہ تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات مخفی تھے۔ ان کا بروز اور ظہور وہاں آنے سے ہوا۔

ابوسعید نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے آئے تھے کہ بعض[2] ناقص ابھی موجود تھے۔ ان کی تکمیل کے لئے آئے۔

گویا دونو نے اپنے اپنے رنگ پر اپنی انکساری کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کی تکریم کی۔ اسی طرح ہمارے یہاں آنے کی غرض تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ میاں نبی بخش سے ملاقات ہو گئی۔ کچھ تبلیغ ہو جائے گی بہت لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے گا۔

---

[1] ۔ (البدر سے) "ہمارا اس جگہ آنا بھی حکمت الٰہی پر مبنی ہے ورنہ یہ شہادت ایک ایسا معاملہ ہے جس کا جواب ہمارے پاس سوائے لاعلمی کے اور کچھ نہیں۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ کالم اول مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

[2] ۔ (البدر سے)

"کہ بعض لوگ مدینہ میں ناقص تھے اور معرفت کے پیاسے تھے۔ ان کو کامل کرنے اور ان کے دلوں کی پیاس بجھانے کے لئے آپ مکّہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ کالم اول مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

شہادت کا چھپانا گناہ ہے

شہادت کے تذکرہ پر فرمایا کہ

شہادت کا چھپانا گناہ ہے اور جب سرکار بُلائے تو ضرور حاضر ہونا چاہیئے۔ شہادت سے جب کسی کی بھلائی ہو اور حق کھُل جاوے تو کیوں ادا نہ کرے۔

ہر جگہ جو انسان قدم رکھتا ہے اُس میں خدا کی حکمت ہوتی ہے زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک آسمان پر تحریک اور مقدر نہ ہو[۱]۔

ایک سائل نے آکر کچھ مانگا۔ آپ نے میر صاحب کو حکم دیا کہ

اس کو کچھ دے دیں اور جو آجائیں اُن کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔

عیسائیوں کے سوالات اور مسلمانوں کے عقائد

منشی[۲] نبی بخش صاحب نے ایک عیسائی کا سوال پیش کیا کہ وہ مَاجَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ* سے مسیحؑ کی اُلوہیت ثابت کرتے ہیں[۳]

۱۔ (البدر سے) "شہادت تو ایک بہانہ تھا۔ ورنہ اصل غرض اللہ تعالیٰ کی بعض لوگوں کو فائدہ پہنچانا تھا۔ سو وہ پہنچ گیا۔" (البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۲۶ کالم اول مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

۲۔ (البدر میں منشی نبی بخش صاحب کے سوال پیش کرنے سے پہلے ایک اور واقعہ یوں لکھا:۔

"ایک مولوی صاحب جو عیسائیوں سے مباحثات کے بہت شائق تھے انہوں نے حضور کا نیاز حاصل کیا۔ حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب آپ لوگوں کے وہ پُرانے ہتھیار کام نہیں دیتے۔ وہ کُند ہو گئے ہیں اور اُن سے اسلام کو اُلٹا ضرر پہنچتا ہے۔ ۲۹ لاکھ کے قریب مسلمان مُرتد ہو چکے ہیں۔

فرمایا۔ مباحثات کا اثر بحیثیت مجموعی دیکھنا چاہیئے۔ فرداً فرداً کچھ پتہ نہیں لگا کرتا۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۲۶ کالم ۲ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

۳۔ حاشیہ۔ البدر میں یہ سوال یُوں مفصل درج ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

* الانبیاء: ۳۵

فرمایا کہ

بیشک ان لوگوں پر جو مسیح کو زندہ آسمان پر بٹھاتے ہیں یہ سوال معقول[1] ہے انسان اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔ ان مسلمانوں نے خود اقرار کرلیا ہے کہ مسیح زندہ ہے اور آسمان پر بیٹھا ہے اور ایسا ہی اس کے معجزات اور اس کا خالق طیور ہونا بہت سی باتیں ہیں۔ جن سے عیسائیوں کو مدد ملی ہے۔ ہم عیسائیوں کو کیا روئیں۔ ہمارے گھر میں خود یہ مسلمان اسلام پر چھری چلا رہے ہیں۔[2]

"عیسائی لوگ اس آیت سے استدلال کرکے ان لوگوں کے سامنے الوہیت مسیح ثابت کرتے ہیں۔ جس کا ان لوگوں سے کچھ جواب بن نہیں آتا۔ عیسائی اس آیت سے مسیح علیہ السلام کو بشریت سے الگ کرکے ان کو قائل کرتے ہیں کہ جب وہ زندہ آسمان پر ہیں تو بہرحال الوہیت کے رنگ میں ہیں۔ اگر مسیح علیہ السلام بشر ہوتے تو فوت ہوگئے ہوتے۔" (البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ کالم ۲ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] ۔ البدر میں ہے:۔

"یہ سوال تو ان کا بڑا معقول ہے۔ ان مولویوں کو چاہیئے۔ کہ اس کا جواب دیں۔ اب دیکھئے کہ مسلمانوں کے دو چار جلسوں میں یہ سوال پیش ہو اور مولوی اس کے جواب ہیں ساکت رہیں اور قاصر رہیں تو پھر اسلام کی ذرّیت پر کیا اثر پڑسکتا ہے۔ ایسے ایسے سوالوں کے بعد اگر مسلمان مُرتد نہ ہوں تو کیا کریں۔" (البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] ۔ البدر میں مزید یوں لکھا ہے:۔

"اس کے علاوہ ان لوگوں کے ایسے عقیدے ہیں کہ اگر اُن کا عیسائیوں کو پتہ لگ جائے تو بحث کرنے کو ڈنکے کی چوٹ بلائیں۔ یہ لوگ تو خطرناک ہیں۔ ان لوگوں نے اگر مسیح کو خدا نہیں بنایا تو خدا بنانے میں کوئی کسر بھی نہیں چھوڑی۔ ان لوگوں کا تو وہی حال ہے جس طرح کوئی کہے کہ فلاں شخص مرا تو نہیں مگر ہاں اس کی (بقیہ حاشیہ ۲ اگلے صفحہ پر)

اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کی تشریح

لالہ کاہن چند صاحب مختار عدالت بٹالہ (جو توحید پسند ہندو ہیں) نے آپ سے الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کی تشریح و تفسیر کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا

اس کا پہلا حصہ تو بالکل صاف ہے کہ تُو جو ظاہر ہوا۔ یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کر کے دُنیا میں بھیجتا ہے۔ اس کو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کر کے بھیجتا ہے۔ جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قاعدہ ہے۔

اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنَا مِنْکَ۔ اس کا یہ مطلب اور منشاء ہے کہ میری توحید۔ میرا جلال اور میری عزّت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا۔ ایک وقت آتا ہے کہ زمین فسق و فجور اور شر و فساد سے بھر جاتی ہے۔ لوگ اسباب پرستی میں ایسے فنا اور منہمک ہوتے ہیں کہ گویا خدا کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔

ایسے وقتوں میں خدا تعالیٰ اپنے اظہار کے واسطے ایک بندہ اپنی طرف سے بھیج دیتا ہے۔ ہندوؤں نے جو اوتار کا مسئلہ مانا ہے یہ بھی اسی کا ہم رنگ ہے۔ گویا خدا تعالیٰ اُن کے اندر مجازی طور پر بولتا ہے۔

اس زمانہ میں اسباب پرستی اور دُنیا پرستی اس طرح پھیل گئی ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور ایمان نہیں رہا۔ دہریت اور الحاد کا زور ہے۔ جو کچھ حالت اس وقت زمانے کی ہو رہی ہے۔ اس پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ زمانہ زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ کوئی خدا نہیں

بقیہ حاشیہ: نبض بھی نہیں چلتی۔ سانس بھی نہیں لیتا۔ پیٹ بھی پھُول گیا ہے۔ حرکت بھی نہیں کرتا۔ غرض ساری علامات مُردوں کی ہیں مگر مرا نہیں۔ یہی اُن لوگوں کا حال ہے کہ مسیح کو خدا نہیں کہتے۔ مگر خدائی کی ساری صفات کو اُن میں جمع کر دیتے ہیں۔ ان عیسائیوں کا ہم کیا ردّ کریں۔ ہمارے تو یہ اندرُونی عیسائی ہی اُمّت پر چھُری چلا رہے ہیں۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

عملی حالت ایسی کمزور ہو گئی ہے کہ کھُلی بے حیائی اور فسق و فجور بڑھ گیا ہے۔ یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ دلوں سے خدا تعالےٰ پر ایمان اور اُس کی ہیبت اُٹھ گئی ہے اور کوئی یقین اس ذات پر نہیں۔ ورنہ یہ کیا بات ہے کہ انسان کو اگر معلوم ہو جاوے کہ اس سُوراخ میں سانپ ہے تو وہ کبھی اس میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا۔ پھر یہ بے حیائی اور فسق و فجور۔ اتلافِ حقوق جو بڑھ گیا ہے کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالےٰ پر ایمان نہیں رہا۔ یا یہ کہو کہ خدا گُم ہو گیا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ارادہ فرمایا اور مجھے مبعوث کیا۔ اس لئے مجھے کہا۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ۔

اور اس کے یہی معنے ہیں کہ میرا جلال اور میری توحید و عظمت کا ظہور تیرے ذریعہ ہوگا۔ چنانچہ وہ نصرتیں اور تائیدیں جو اس نے اس سلسلہ کی کی ہیں اور جو نشانات ظاہر ہوئے ہیں وہ خدا تعالےٰ کی ہستی اس کی توحید اور عظمت کے اظہار کے ذریعے ہیں۔

یہ امر کوئی ایسا امر نہیں کہ مشتبہ یا مشکوک ہو بلکہ تمام مذاہب میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے کہ ایک وقت خدا تعالیٰ کے ظہور کا آتا ہے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ خدا اُس وقت گُم ہوا ہوا سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے۔ جب اس کی ہستی اور توحید اور صفات پر ایمان نہیں رہتا اور عملی رنگ میں دُنیا دہریہ ہو جاتی ہے۔ اس وقت جس شخص کو خدا تعالےٰ اپنی تجلیات کا مظہر قرار دیتا ہے۔ وہ اس کی ہستی، توحید اور جلال کے اظہار کا باعث ٹھہرتا ہے اور وہ اَنَا مِنْکَ کا مصداق ہوتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ خدا تعالےٰ کو کسی ذریعہ کی کیا ضرورت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ سچ ہے اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے مگر اس نے اس عالمِ اسباب میں ایسا ہی پسند فرمایا ہے۔ دیکھو۔ پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے مگر یہ پیاس اور بھوک پانی اور کھانے کے بغیر فرو نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جس قدر قوتیں اور طاقتیں ہیں اور ان کے تقاضے ہیں وہ اسی طرح پُورے ہوتے ہیں دُنیا کی تمدنی زندگی کی اصلاح اور انتظام

کے لئے اُس نے بادشاہوں اور حکومت کے سلسلہ کا نظام رکھا ہے جو شریروں کو سزا دیتے اور مخلوق کے حقوق اُن کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرتے ہیں۔ خدا خود اُتر کر تو نہیں آتا۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ وہی حفاظت کرتا ہے اور شریروں کی شرارت سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے۔

اسی طرح رُوحانی نظام کے لئے بھی اس کا ایسا ہی قانون ہے۔ سچی پاکیزگی اور طہارت اور وہ ایمان جس سے معرفت۔ بصیرت اور یقین پیدا ہو، خدا ہی کی طرف سے آتا ہے اور اس کا مامور لے کر آتا ہے۔ اور وہ ذریعہ ٹھہرتا ہے خدا کے جلال اور عظمت کا۔ اور وہ اس وقت آتا ہے جب دُنیا میں سچی پاکیزگی نہیں رہتی اور خدا تعالیٰ سے دُوری اور بُعد ایسا ہوتا ہے کہ گویا خدا ہے ہی نہیں اور جب دُنیا کے ہاتھ میں صرف پوست رہ جاتا ہے اور مغز نہیں رہتا تب خدا تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ذریعہ اپنا ظہور فرماتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اُس نے مجھے بھیجا ہے اس لئے مجھے مخاطب کرکے فرمایا

اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ

بابو کاہن چند۔ آپ نے رسالہ[1] میں اور معنے کئے ہیں۔

فرمایا۔ ہم نے اور معنے کبھی نہیں کئے۔ ہم تو ہمیشہ یہی معنے کرتے ہیں۔ آتھم نے بھی یہ سوال ہم سے کیا تھا۔ اور اس کو یہی جواب دیا گیا تھا۔ انسان کو چاہیئے کہ انصاف ہاتھ سے نہ دے۔ یہ تو حلاوت کی بات ہے۔ انسان اس سے اپنا ایمان بڑھاتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو پھر یہ سلسلہ ہی ختم ہو جاتا۔ آجکل لوگ خدا تعالیٰ کے قائل نہیں رہے بلکہ دہریہ ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے جلال کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک انسان کو دنیا میں بھیجا ہے

تفسیر آیت کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ[2]

پنڈت صاحب کے جانے کے بعد ایک شخص نے آیت کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ

---

[1] رسالہ دافع البلاء مراد ہے۔ مرتب [2] البقرۃ : ۲۹

یُمِیْتُکُمْ کے معنے پُوچھے۔

فرمایا:۔ انسان پر ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ نُطفہ ہوتا ہے اور اُس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ پھر مدارج ستہ سے گذرکر اس پر ایک موت آتی ہے اور پھر اُسے ایک احیاء دیا جاتا ہے۔ یہ ایک مسلّم مسئلہ ہے۔ کہ ہر حیات سے پہلے ایک موت ضرور آتی ہے۔

اس آیت میں صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ اُن پر ایسا گذرا ہے کہ وہ بالکل مُردہ تھے یعنی ہر قسم کی ضلالت اور ظلمت میں مبتلا تھے۔ پھر ان کو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ زندگی عطا ہوئی اور پھر ان کی تکمیل اور ایک موت ان پر وارد ہوئی۔ جو فنا فی اللہ کی موت تھی۔ اس کے بعد ان کو بقا باللہ کا درجہ ملا اور ہمیشہ کے لئے زندگی پائی۔

ایک حدیث کا ذکر

ایک حدیث مولوی فتح الدین صاحب نے پیش کی۔ جس کی تاویل کر کے اُسے مسیح موعودؑ کے وجود پر چسپاں کیا جاتا تھا۔ فرمایا:۔

کیا ضرورت ہے اس بات کی۔ خدا تعالیٰ نے کھُلی کھُلی تائیدیں ہمارے لئے رکھ دی ہیں۔ کیا منکم ثلاثہ ہمارے مخالفوں کے لئے کافی نہیں۔ ایک بخاری کا منکم (امامکم منکم) مُسلم کا منکم (امّکم منکم) اور سب سے بڑھ کر قرآن کا منکم (وعد اللہ الّذین اٰمنوا منکم)[1]

تکلّف نہیں کرنا چاہیئے

منشی نعمت علی صاحب نے کھانے کے لئے عرض کیا۔ فرمایا:۔

تکلّف کی کیا ضرورت ہے۔ ہم کھانا کھا چکے ہیں۔ جب تم لوگوں نے بیعت کر لی تو گویا ہمارے بدن کے جُزو ہو گئے پھر الگ کیا رہ گیا۔ یہ باتیں تو اجنبی کے لئے ہوتی ہیں۔

[1] النور : ۵۶

جماعت کی اعجازی ترقی

جماعت کی اعجازی ترقی کے ذکر پر فرمایا کہ

ہماری[1] طرف سے کوئی سعی نہیں کی جاتی۔ ہمارے واعظ نہیں۔ بایں ہمہ اس قدر ترقی ہو رہی ہے کہ عقل حیران ہے اور اصل یہ ہے کہ اگر ہماری سعی اور کوشش سے کچھ ہوتا تو شائد شرک ہوتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ممالک مغربی و شمالی میں جہاں ہم کو تین آدمیوں کا بھی علم نہیں۔ مردم شماری کے رُو سے تو سَو سے زائد آدمی ہیں۔ اور یہ جماعت اب ایک لاکھ سے بھی بڑھ گئی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں۔ خود مخالف محرک ہو رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے خطوط آئے ہیں کہ محمد حسین کے رسالوں میں کوئی مضمون دیکھتے تھے تو اُن سے معلوم ہوا کہ آپ حق پر ہیں۔ اور بعض ایسے خطوط بھی آئے ہیں کہ کوئی فقیر ایک کتاب لایا تھا۔ وہ کتاب چھوڑ گیا اور اس کا پتہ نہیں۔

[1] ۔ البدر میں یہ مضمون یوں لکھا ہے:۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔ حق کی یہ بھی ایک پہچان ہے اور اس کی شناخت کا یہ ایک عمدہ معیار ہے کہ دنیا اپنے سارے ہتھیاروں سے اس کی مخالفت پر ٹوٹ پڑے جان سے، مال سے، اعضاء سے، عزت سے اور اندرونی اور بیرونی لوگ اور اپنے اور پرائے گویا سب ہی اس کی مخالفت پر کھڑے ہو جائیں اور پھر بھی وہ حق آگے ہی آگے قدم رکھتا جائے اور کوئی روک اس کی ترقی کو روک نہ سکے چنانچہ قرآن شریف میں ہے فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ[1]۔ الآیۃ سو اس معیار سے ہمارے سلسلہ کو پرکھا جائے تو ایک طالب حق کے واسطے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ دیکھو نہ ہمارا کوئی واعظ ہے۔ نہ لیکچرار، اور دشمن کیا بیرونی اور کیا اندرونی سب اکٹھے ہو کر ہمارے تباہ کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں ہمیں کامیاب کیا اور دشمن ذلیل ہوئے۔ کفر کے فتوے

[1] ھود: ۵۶

غرض اس پر ذکر فرماتے رہے کہ

مخالفوں نے ہر طرح مخالفت کی مگر خدا نے ترقی کی۔ یہ سچائی کی دلیل ہے کہ دُنیا ٹوٹ کر زور لگاوے اور حق پھیل جاوے۔ اب ہمارے مقابل کونسا دقیقہ مخالفت کا چھوڑا گیا مگر آخر اُن کو ناکامی ہی ہوئی ہے۔ یہ خدا کا نشان ہے۔ اس میں دو چیزوں نے بڑی مدد دی۔ طاعون نے بیعت کرنے والوں کو بڑھایا اور مردم شماری نے تصدیق کی۔

مختلف باتوں کے دوران فرمایا:-

قبولِ حق کے لئے قوت اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ اس کی توفیق کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

فرمایا:-

انبیاء نے کبھی تماشے نہیں دکھائے۔ البتہ جب ان پر شدائد اور مصائب آتے تھے تو اللہ تعالیٰ اُن کی طرف سے تماشہ دکھایا کرتا ہے جیسے قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ[1] سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی ہم پر قتل کا مقدمہ بھی ایک نار تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔

لگائے۔ قتل کا مقدمہ کیا۔ غرضیکہ انہوں نے کوئی دقیقہ ہماری بربادی کا اُٹھا نہ رکھا۔ مگر کیا خدا تعالیٰ سے کوئی جنگ کر سکتا ہے؟ ہماری ترقی کے خود مخالف ہی باعث اور محرک ہیں۔ بہت لوگوں نے انہیں کے رسائل سے اطلاع پاکر ہماری بیعت کی۔ اگر واعظ وغیرہ ہماری طرف سے ہوتے تو ہمیں اُن کا بھی مشکور ہونا پڑتا۔ اور یہ بھی ایک شعبہ شرک کا ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچایا۔ ایک آبپاشی اور تخم ریزی تو کسان کرتا ہے اور ایک خود خدا کرتا ہے۔ ہم اور ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی تخم ریزی اور آبپاشی سے ہیں۔ خدا کے لگائے ہوئے پودا کو کون اُکھاڑ سکتا ہے۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

[1] الانبیاء: ۷۰

ایک خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ

انبیاء بھی قینچی کا کام کرتے ہیں۔ ایک طرف سے قطع کرتے ہیں اور دوسری طرف پیوست کرتے ہیں۔

کسی شخص نے کہا کہ صحابہؓ کے کپڑے میلے کچیلے ہوتے تھے۔ پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ فرمایا:۔

یہ جھوٹ ہے۔ میلے کچیلے ہونا اور بات ہے اور پیوند ہونے اور بات ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ[1]۔ پس پاک صاف رہنا ضروری ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں فرمایا۔ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[2]

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۴ تا ۱۶ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

۸ نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

کتب مسیح موعود کو پڑھتے رہو

مونگھیر سے محمد رفیق صاحب بی۔ اے اور محمد کریم صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ دونوں نے نماز فجر کے وقت حضرت اقدس سے بیعت کی بیعت کر چکے۔ تو حضور نے فرمایا کہ

ہماری کتابوں کو خوب پڑھتے رہو تاکہ واقفیت ہو اور کشتی نوح کی تعلیم پر ہمیشہ عمل کرتے رہا کرو اور ہمیشہ خط بھیجتے رہو۔

مخالف باپ کے لئے دُعا کی نصیحت

ظہر کے وقت حضور نے ایک نو وارد صاحب سے ملاقات کی اور ان کو تاکید کی کہ وہ اپنے والد کے حق میں جو سخت مخالف ہیں دُعا کیا کریں۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور میں

[1] المدثر: ۶ [2] الواقعہ: ۸۰

دُعا کیا کرتا ہوں اور حضور کی خدمت میں بھی دُعا کے لئے ہمیشہ لکھا کرتا ہوں۔حضرت اقدس نے فرمایا کہ

توجہ سے دُعا کرو۔ باپ کی دُعا بیٹے کے واسطے اور بیٹے کی باپ کے واسطے قبول ہوا کرتی ہے۔اگر آپ بھی توجہ سے دُعا کریں تو اس وقت ہماری دُعا کا بھی اثر ہوگا۔

مسیح موعودؑ کی صداقت کے متعلق خوابیں

لاہور سے ایک شخص کا خط آیا کہ اُسے خواب میں حضرت اقدس کی نسبت بتلایا گیا ہے کہ آپ سچے ہیں۔اُس شخص کی ارادت ایک فقیر کے ساتھ تھی جو کہ داتا گنج بخش کے مقبرہ کے پاس رہا کرتا ہے۔اُس شخص نے اس فقیر سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ مرزا صاحب کی اتنے عرصہ سے ترقی ہونا اُن کی سچائی کی دلیل ہے۔ پھر ایک اور مست فقیر وہاں تھا۔اُس نے کہا کہ بابا ہمیں بھی پوچھ لینے دو۔ دوسرے دن اُس نے بتلایا کہ خدا نے کہا ہے کہ مرزا مولا ہے۔ پہلے نقیر نے کہا کہ مولانا کہا ہوگا کہ وہ تیرا اور میرا اور ہم جیسے سب کا مولا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

آجکل خواب اور رُؤیا بہت ہوتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے چاہتا ہے۔ کہ لوگوں کو خوابوں کے ذریعہ اطلاع دے۔خدا تعالیٰ کے فرشتے اس طرح پھرتے ہیں۔ جیسے آسمان میں ٹڈی ہوتی ہے۔وہ دلوں میں ڈالتے پھرتے ہیں کہ مان لو مان لو۔

پھر ایک اور شخص کا حال بیان کیا جس نے حضور کے ردّ میں کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تو خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ تُو تو ردّ لکھتا ہے۔ اور اصل میں مرزا صاحب سچے ہیں۔

ساعت کا علم کسی کو نہیں

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے اور ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ

اصل قیامت کا علم تو سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی نہیں اور وہاں ساعۃ کا لفظ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ عورتوں کے حمل کی میعاد نو ماہ دس دن ہوتی ہے جب نو ماہ پورے ہو جائیں تو اب باقی دس دنوں میں کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ کونسے دن وضع حمل ہوگا۔ گھر کا ہر ایک فرد بچہ جننے کی گھڑی کا منتظر رہتا ہے اسی لئے قیامت کا نام ساعۃ رکھا ہے کہ اس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ خدا تعالےٰ کی کتابوں میں اس کی جو علامات ہیں ممکن ہے کہ اُن سے کوئی آدمی قریب قریب اس زمانہ کا پتہ بھی دیدے مگر اس ساعۃ کی کسی کو خبر نہیں ہے جیسے وضع حمل کی ساعت کی کسی کو خبر نہیں۔ ایک ڈاکٹر سے بھی پوچھو تو وہ بھی کہیگا نو ماہ اور دس دن۔ مگر جونہی ۹ماہ گذریں پھر فکر رہتی ہے کہ دیکھیں کون سے دن اور کونسی گھڑی ہو۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال کے بعد قیامت قریب ہے۔ اب چھ ہزار سال تو گذر گئے ہیں۔ قیامت تو قریب ہوگی۔ مگر اس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔

کشمیر سے ایک پُرانا صحیفہ

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط سُنایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کشمیر سے ایک پُرانا صحیفہ ایک پادری نے حاصل کیا ہے جو کہ دو ہزار سال کا ہے۔ اس میں مسیحؑ کی آمد اور اس کے منجی ہونے کی پیشگوئی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بعض وقت پادری لوگ عیسوی مذہب کی عظمت دل نشین کرانے کے واسطے ایسی مصنوعات سے کام لیتے ہیں ہمارے نزدیک اس کا معیار یہ ہے کہ اگر اس صحیفہ میں تثلیث کا ذکر ہو تو سمجھنا

چاہیئے کہ مصنوعی ہے کیونکہ خود عیسویت کی ابتدا میں تثلیث کا عقیدہ نہ تھا بلکہ بعد میں وضع ہوا ہے۔

عیسیٰ اصل ہے یا یسُوع

پھر اس امر پر تذکرہ ہوتا رہا کہ قدیم اور اصل لفظ عیسیٰ ہے یا یسوع۔ حضور نے فرمایا کہ پُرانا نام عیسیٰ ہی ہے۔ تمام عرب میں عیسیٰ کا لفظ ہے۔ یسوع کا ذکر پُرانے عرب اشعار میں بھی نہیں پایا جاتا۔ چونکہ عیسیٰ نبی تھے اس لئے مصلحتاً انہوں نے کسی موقعہ پر عیسیٰ کو بدل کر یسُوع بنا لیا ہو۔ یہ بھی تعجب ہے کہ آج تک کسی اور نبی کا نام نہیں اُلٹا۔ صرف انہی کا اُلٹا اور مذہب انہیں کا اُلٹا۔ ایسا ہی کسی کا شعر ہے ؎

نہو کیونکر ہمارا کام اُلٹا　　　ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا

اس کے بعد حکیم نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ ساری اناجیل میں کہیں عیسیٰ کا نام نہیں آیا۔ یسوع کا آیا ہے۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷ بابت ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۹ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اعجاز احمدی

حسب معمول نماز مغرب کے بعد حضور شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے اور جو مضمون مشمولہ قصائد عربی[1] آج کل زیر تحریر ہے اس کے متعلق زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس کی نسبت دل گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ (مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا) آپ بھی دیکھیں گے تو پتہ لگ جائیگا۔ جس طرح کلمہ کی گواہی دی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی بھی گواہی دی جاتی ہے کہ یہ منجانب اللہ ہے۔ یہ حالت بھی ہوتی رہی ہے کہ ذرا اونگھ آئی اور ایک شعر الہام ہوگیا۔ اسی طرح کئی اشعار

---

[1] مراد اعجاز احمدی۔ (مرتب)

اس میں الہامی ہیں۔ وحی جلی بھی ہوتی ہے اور خفی بھی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ دل میں مضمون پڑ جاتا ہے اور میں لکھتا جاتا ہوں۔ گویا یہ میری طرف سے نہیں ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) خدا تعالیٰ کی مدد سے اس قدر یقین ہے کہ یہ کاروبار ایک دن میں ہو سکتا تھا۔ دیر تو اس لئے لگتی ہے کہ دوبارہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کاپی وغیرہ بھی صحیح کرنا فرض ہے۔ ہر ایک بات میں دیکھا گیا ہے کہ سب سامان خدا تعالیٰ نے اوّل سے ہی کئے ہوئے ہیں قصیدوں میں واقعات کا نبھانا مشکل امر ہوا کرتا ہے۔ شاعر ایسا نہیں کر سکتے۔ اُن کو قافیہ اور ردیف کے لئے بالکل بے جوڑ باتیں اور الفاظ لانے پڑتے ہیں (اس مقام پر عربی کے دو فقرے مقامات حریری کے پڑھے۔ جن میں محض تلازم شعر کے لئے بالکل بے تعلق باتیں ذکر کی ہوتی تھیں[1] اس کے مقابل پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ[2] کو دیکھو۔

نومبائعین اور احمدیوں کیلئے پنجوقتہ دعا کرنا

آج کے مبائعین میں سے ایک نے کچھ اظہار محبت کے کلمات کہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ جو بڑے بڑے مولوی تھے اُن کے لئے خدا نے دروازے بند کر دیئے اور آپ کے لئے کھول دیئے۔ خدا تعالیٰ کا آپ لوگوں پر بہت

---

[1] ۔ الحکم میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے:۔

"قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت کے دعویٰ پر بعض نادان آریہ اور عیسائی کہدیتے ہیں کہ مقامات حریری وغیرہ بھی فصیح و بلیغ ہیں مگر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان میں یہ دعویٰ کہاں کیا گیا ہے اور ان کتابوں میں کہاں پر یہ بتصریح لکھا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تحدی کے مقابلہ میں ہیں اور علاوہ ازیں ان کو قرآن کے مقابلہ میں پیش کرنا بالکل لغو ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں حقائق و معارف کو بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کتابوں میں صرف لفظوں کا اتباع کیا گیا ہے واقعات سے کوئی غرض ہی نہیں رکھی گئی" (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۰ء)

[2] الاخلاص: ۲، ۳

بڑا احسان ہے۔ دعا کی درخواست پر فرمایا کہ
میں اپنے دوستوں کیلئے پنجوقتہ نمازوں میں دُعا کرتا ہوں اور میں تو سب کو ایک سمجھتا ہوں۔

ایک پنجابی نظم

اس کے بعد ایک امرتسری دوست نے اپنی پنجابی نظم سُنائی۔ جس میں اُنہوں نے اپنے ایک خواب کا ذکر اور حضرت اقدس کی زیارت کا شوق اور بیعت کی کیفیت اور حضرت اقدس کے فیوض و برکات کا ذکر دردِ دل اور دلکش پیرایہ میں کیا ہوا تھا۔ حضرت اقدس خود بار بار زبان مبارک سے فرماتے تھے کہ

درد اور رقت سے لکھا ہوا ہے۔

سید احمد صاحب کے شروع کردہ کام کا اتمام

ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ
ہند میں دو واقعہ ہوئے ہیں۔ ایک سید احمد صاحب کا اور دوسرا ہمارا۔ ان کا کام لڑائی کرنا تھا انہوں نے شروع کر دی مگر اس کا اتمام ہمارے ہاتھوں مقدر تھا جو کہ اب اس زمانہ میں بذریعہ قلم ہو رہا ہے۔ اسی طرح عیسٰی علیہ السلام کے وقت جو نامرادی تھی۔ وہ چھ سو برس بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے رفع ہوئی۔ خدا تعالیٰ کبھی فرماتا ہے کہ وہ کامیابی اب ہوئی۔

دجّال کا یک چشم ہونا

دجّال کے یک چشم ہونے پر فرمایا کہ
میں نے اس کی نسبت یہ بھی سُنا یا دیکھا ہے کہ اس کی دونو آنکھیں ہی عیب دار

ہوں گی۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ ایک چشم گل اور دیگر بالکل۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے دو کتابوں پر غور کرنی تھی ایک توریت، دوسرے قرآن مجید۔ سو قرآن مجید کے متعلق ۲۵-۲۶ تو آنکھ رہی نہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے اور توریت پر بھی کچھ دھندلی سی نظر ہے کہ اُسے اپنی تائید میں برائے نام رکھتے ہیں۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷-۲۸ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

اعجاز احمدی

فجر کے وقت مولوی محمد علی صاحب شاعر سیالکوٹی سے فرمایا کہ

آپ کو مختلف مقامات دیہات میں تبلیغ کے لئے پھرنا ہوگا۔

جسے مولوی صاحب موصوف نے بطیب خاطر منظور کیا۔

ظہر کی نماز سے پیشتر حضرت اقدس نے مضمون زیر قلم[1] پر فرمایا کہ

کلام کا معجزہ آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک چار ہزار برس ہوئے ہیں۔ سوائے قرآن مجید کے اور کسی نے نہیں دکھایا اور نہ کسی نے دیکھا چونکہ یہ معجزہ ایک ہی کتاب کے متعلق ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر زور ڈالا جائے کہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ کیا ان مخالف لوگوں کے پاس قلم نہیں؟ وقت نہیں یا الفاظ نہیں؟ میرا تو ایمان ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا نشان ہے اور ایک آفتاب کی طرح نظر آتا ہے۔ میں اُسے بیان نہیں کرسکتا۔ خدا تعالیٰ ہی نے سب کچھ کروایا۔ ورنہ ہم تو سب کچھ چھوڑ بیٹھے تھے۔

مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى[2]

---

[1] مُراد اعجاز احمدی (مرتب)

[2] الانفال: ۱۸

مخالفین کے مخالفانہ اشتہارات ترقی میں مانع نہیں
کشتی نوح کی اشاعت کثرت سے کیجائے

خواجہ کمال الدین صاحب نے نماز مغرب سے پیشتر حضرت اقدس کا نیاز حاصل کیا اور پشاور اور کوہاٹ کا ذکر سنایا کہ وہاں پر اکثر اشتہارات جو کہ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ میں حضور کی مخالفت میں شائع ہوئے ہیں۔ اس نظر سے پڑھے جاتے ہیں کہ گویا وہ حضور کے اشتہارات ہیں۔ اسی مغالطہ سے سرحد کے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق یہ خیالات ذہن نشین ہیں کہ نعوذ باللہ جناب نے روزے اپنے خدام کو معاف کر دیئے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی ہے اور کہا ہے کہ نعوذ باللہ وہ ایک جھوٹے نبی تھے میں اُن سے افضل ہوں۔ غرض یہ اشتہار اس وضع اور عنوان سے لکھے ہوئے ہیں کہ عوام الناس کو دھوکا لگتا ہے اور یہی خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کا مضمون اور آپ کی تحریر ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

کشتی نوح وہاں کثرت سے تقسیم کر دی جائے۔ یہی کافی ہے۔

خواجہ صاحب نے کہا کہ ایک ذی وجاہت شخص کو میں نے دیکھا ہے کہ اس نے اُسے پڑھ کر کہا کہ کتاب (کشتی نوح) تو عمدہ ہے اگر آخر میں مکان کے چندہ کا ذکر نہ ہوتا۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ کیا تم سے بھی ایک پیسہ مرزا صاحب نے مانگا ہے یا تم نے دیا ہے؟ حضرت مرزا صاحب نے تو اُن لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو اُن سے تعلق ابنیت کا رکھتے ہیں۔ کیا اگر ایک باپ اپنے بیٹوں سے دو ہزار اس لئے طلب کرے کہ اُسے ایک مکان بنانا ہے۔ تو کیا یہ فعل اس کا قابل اعتراض ہوگا؟ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ سب باتیں تو ہیں لیکن اندر ہی اندر ترقی ہو رہی ہے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس

طرح کے اشتہارات جو مخالفین کی طرف سے شائع ہوتے ہیں یہ خدا تعالےٰ کی کارروائی میں مضر معلوم نہیں ہوتے کیونکہ جب تک تپش نہ ہو۔ بارش نہیں ہوتی۔ ہم سب پر بدظنی نہیں کرتے انہیں میں سے لوگ نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ کئی خط اس طرح کے آتے ہیں کہ ہم پہلے مخالف تھے۔ گالیاں دیتے تھے مگر اب ایک راہ چلتے سے اشتہار دیکھ کر بیعت کرتے ہیں۔ اس سے پیشتر بھی یہ کارروائیاں چُپ چاپ نہیں ہوئیں۔ مکہ میں کیا ہوتا رہا۔ خدا تعالےٰ تماشا دیکھتا ہے۔ کیا کفار امن سے رہتے تھے۔ وہ بھی ہمیشہ ہر وقت لڑائیوں اور فسادوں میں رہتے تھے۔ ابو جہل ہی کو دیکھو کہ بدر کی جنگ میں مباہلہ بھی کر لیا۔ اللّٰھم من کان منّا اقطع للرحم افسد فی الارض فاحنہ الیوم۔ یعنی ہم دونوں میں سے جو زیادہ قطع رحم کرتا ہے اور زمین میں فساد ڈالتا ہے اس کو آج ہی ہلاک کر۔ پھر اسی دن وہ قتل ہو گیا۔ اس کو تو یہی خیال تھا۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فساد برپا کر دیا ہے۔ بھائی کو بھائی سے جُدا کر دیا ہے اور ہر روز کا فتنہ برپا ہے۔ لوگ آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے ناحق اُن کو چھیڑ دیا ہے۔ ان کا اسی بنا پر یہ خیال تھا کہ یہ ضرور مفسد ہے۔ ایک فتنہ لعنت ہوتا ہے اور ایک فتنہ رحمت ہوتا ہے۔ کوئی نبی نہیں آیا جس نے فتنہ نہیں ڈالا۔ ہمیشہ نوبت جدائی اور فساد کی پہنچتی رہی۔ پھر آخر انہیں میں سے جو نیک تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو لے آتا رہا۔ دنیا میں ہمارے اس سلسلہ کے متعلق گھر گھر شور ہے۔ بعض آدمی رافضیوں سے بڑھ گئے ہیں۔ لعنت کی تسبیح رات دن پھیرتے ہیں اور انہی مخالفوں میں سے بعض ایسے نکلے ہیں کہ جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ ہم تو اللہ تعالےٰ سے شرمندہ ہیں۔ ہماری طرف سے کوشش ہی کیا ہوئی ہے۔ آسمان پر ایک جوش ہے وہی کشاں کشاں لوگوں کو لا رہا ہے۔

عیسائیوں کا مذہب کچھ نہیں

اس کے بعد ایک شخص نظم سُناتے رہے ایک مقام پر عیسائیوں کے ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لوگ اتنا فلسفہ اور ہیئت پڑھ کر ڈوبے ہوئے ہیں۔ بوڑھوں کا بھی کچھ مذہب ہوتا ہے کہ کچھ بات پیش کرتے ہیں مگر یہ تو بالکل ہی ڈوبے ہوئے ہیں۔

خواب میں گالیاں دینے کی تعبیر مغلوبیت ہے

پھر ایک صاحب نے ایک خواب سُنایا۔ ایک شخص اُسے گالیاں دے رہا ہے حضور نے تعبیر فرمائی کہ

خواب میں جو شخص گالیاں دینے والا ہوتا ہے وہ مغلوب ہوتا ہے اور جس کو گالی دی جاتی ہے وہ غالب ہوتا ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۸ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۱۱ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

دینی کاموں کے لئے دن رات ایک کردو

ظہر کے وقت حضور تشریف لائے اور احباب کو فرمایا کہ

یہ وقت بھی ایک قسم کے جہاد کا ہے۔ میں رات کے تین تین بجے تک جاگتا ہوں اس لئے ہر ایک کو چاہیئے کہ اس میں حصہ لے اور دینی ضرورتوں اور دینی کاموں میں دن رات ایک کر دے۔

کلام کا نشان دائمی ہوتا ہے

کلام کی فصاحت اور بلاغت پر فرمایا کہ

دوسری قسم کے جس قدر نشانات ہوتے ہیں وہ تو غائب ہو جاتے ہیں۔ مگر اس طرح کا نشان ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ بھلا اب موسیٰؑ کے سانپ کو کوئی دکھا سکتا ہے؟ مگر کلام

کا معجزہ اور نشان ایسا ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے ہمیشہ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور نتیجہ نکالتے ہیں کہ فلاں شخص (مردِ خدا) نے یہ کلام بطور نشان کے پیش کیا۔ اور مخالف کچھ نظیر نہ لا سکے اور کچھ جواب نہ بن آیا۔

حافظ محمد یوسف کی نیش زنی

نماز مغرب سے پیشتر میر ناصر نواب صاحب نے امرتسر سے آکر بیان کیا کہ حافظ محمد یوسف صاحب ملے تھے اور اُن سے باتیں ہوئیں آخر وہ نیش زنی پر اُتر آئے

حضرت اقدس نے فرمایا۔

اگر ہم کاذب ہیں تو ہم ادنیٰ سے ادنیٰ جو آدمی ہے اُس سے بھی بدتر ہیں۔ کاذب کی حقیقت ہی کیا ہوتی ہے۔

فارقلیط اور احمدؐ

نماز کے بعد مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے بیان کیا کہ ایک شخص نے فارقلیط کے بارے میں یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کے معنے میگزین میں حق و باطل میں تمیز کرنے والا کے کئے گئے ہیں۔ پھر یہ معنے لفظ احمد پر کیسے چسپاں ہو سکتے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فارقلیط سے مراد احمد ہے لفظ احمد کی پیشگوئی کا ذکر کتب سابقہ میں کہاں ہے؟

خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نے فرمایا کہ

ہمارے ذمہ ضروری نہیں ہے کہ موجودہ کتب توریت وغیرہ سے یہ لفظ نکال کر دکھائیں جب قرآن مجید نے ان کتب کو محرف و مبدل قرار دیا ہے تو ہم کہاں سے نکالیں؟ جب فارقلیط ہی محرف ہے تو ممکن ہے کوئی اور بھی لفظ ہو جس کے معنے احمد کے ہوں۔

لسان العرب میں لکھا ہے کہ فارقلیط لفظ فارق اور لیط کا مرکب ہے۔ فارق بمعنی فرق کرنے والا اور لیط بمعنے شیطان۔ یعنی شیطان کو الگ کر دینے والا۔ دوسری یہ بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام فارقلیط بھی ہے کیونکہ آپ صاحب فُرقان ہیں۔ اور فُرقان کے معنے فرق کرنے والا کے ہیں۔ اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم میں لفظ شیطان ہے جو لیط کا معنے ہے۔ اس طرح آپ کا نام فارقلیط بھی ہوگیا۔ اور احمد کے معنے بہت تعریف کرنے والا کے ہیں تو آپ سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔ جو توحید کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کی شیطنت کو دُور کرے۔ فارقلیط بننے کے واسطے احمد ہونا ضروری ہے۔ احمد وہ ہے جو دُنیا میں سے شیطان کا حصّہ نکال کر خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنے والا ہو۔ فارقلیط کا منشار دوسرے الفاظ میں احمد ہے۔

کرشن اور رامچندر کے بتوں کی پرستش

مدراس سے ایک ہندو عقیدت مند آئے۔ حضور نے اُن سے دریافت فرمایا کہ

آپ کے شہر میں کرشن اور رامچندر اور پتھر کے بتوں وغیرہ کی بھی پرستش ہوتی ہے؟

لالہ صاحب نے جواب دیا کہ ہاں لوگ کرتے ہیں مگر میں نہیں کرتا۔

مدراس سے ہندو کا آنا بھی نشان ہے

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

اب ان کا دُور دراز مقام سے آنا بھی یاتون من کل فج عمیق کا مصداق ہے اگر ایسے نشانوں کو ہم جمع کریں تو دس ہزار سے بھی زیادہ نکلتے ہیں اور گواہ بھی محمد حسین کافی ہے۔

آتھم کا رجُوع

آتھم کے تذکرہ پر فرمایا:۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ میں نے اسی وقت مباحثہ میں سُنا دیا تھا کہ اس مباحثہ اور پیشگوئی کی بنیاد یہ ہے کہ آتھم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دجّال رکھا۔ تو اسی وقت آتھم نے توبہ توبہ کر کے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا کہ مرزا صاحب مجھے ناحق مارتے ہیں میں نے تو دجّال نہیں کہا (مولوی عبدالکریم صاحب نے کہا مجھے یہ الفاظ خوب یاد ہیں) کیا یہ اس کا عمل رجوع تھا یا نہیں"۔

لنڈن میں جھوٹے مسیح پگٹ کے بعد سچے مسیح کا قدم ہوگا

مفتی محمد صادق صاحب نے ایک خط مسٹر پگٹ مدعی مسیح کو لندن میں لکھ کر مزید حالات اس کے دعویٰ کے دریافت کئے تھے۔ جس کے جواب میں اس کے سکرٹری نے دو اشتہار اور ایک خط روانہ کیا تھا وہ حضرت اقدس کو سُنائے۔ پگٹ کے اشتہار کا جو عنوان انگریزی لفظوں میں تھا۔ اس کے معنے ہیں کشتی نوح۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

اب ہماری بھی کشتی نوح۔ جھوٹی پر غالب آجائے گی۔ یورپ والے کہا کرتے تھے کہ جھوٹے مسیح آنے والے ہیں۔ سو اوّل لنڈن میں جھوٹا مسیح آگیا۔ اس کا قدم اس زمین میں اوّل ہے بعد ازاں ہمارا ہوگا جو کہ سچا مسیحؑ ہے۔ اور یہ جو حدیثوں میں ہے کہ دجّال خدائی اور نبوت کا دعویٰ کرے گا تو موٹے رنگ میں اب اس قوم نے وہ بھی کر دکھایا۔ ڈوئی امریکہ میں نبوت

سلہ۔ الحکم کے الفاظ یہ ہیں:۔

"پگٹ نے مفتی محمد صادق صاحب کو اُن کے خط کے جواب میں دو نوٹس بھیجے۔ جو پڑھ کر سُنائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

معقول باتوں کی قدر ہوتی ہے اور وہ رہ جاتی ہیں۔ لیکن جاہلانہ باتوں کی رونق دو تین سطروں میں جاتی رہتی ہے۔ جھوٹے نبیوں اور مسیحوں کا قدم پہلے لندن میں رکھا گیا اور سچے مسیح کی آواز اس کے بعد لندن میں پہنچے گی۔ (الحکم ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۲ء)

کا دعویٰ کر رہا ہے اور پگٹ لنڈن میں خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اور اپنے آپ کو خدا کہتا ہے۔ پگٹ کا خدا ہونا دوسرے لفظوں میں یہ گویا انجیل کی شرح آئی ہے۔ اسے ایک فائدہ ہوا ہے کہ مسیح کو خدا ماننے سے چھوٹ گیا۔ کیونکہ آپ جو ساری عمر کے لئے تو خدا ہو گیا۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۸-۲۹ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

۱۲ نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

آخری زمانہ کی علامات کثرت زلازل بھی ہے

بعد نماز مغرب مفتی محمد صادق صاحب نے سُنایا کہ ایک انگریزی رسالہ میں لکھا ہے کہ ان ایام میں دنیا میں مختلف مقامات پر بڑی کثرت سے زلزلے آ رہے ہیں اور آتشین مادے زمین سے نکل رہے ہیں اور زمین اونچی ہوتی جا رہی ہے۔ فرانس کے محققین نے لکھا ہے کہ دنیا کی قدیم سے قدیم تواریخ میں زمین کے اس عظیم تغیر کی کہیں خبر نہیں ملتی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یُوں تو زمین سے ہمیشہ کانیں نکلتی رہتی ہیں اور آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں مگر اب خصوصیت سے ان زلزلوں کا آنا اور زمین کا اُٹھنا یہ آخری زمانہ کی علامتوں میں سے ہے اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا[1] اسی کی طرف اشارہ ہے۔ زمانہ بتلا رہا ہے کہ وہ ایک نئی صُورت اختیار کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ خاص تصرفات زمین پر کرنا چاہتا ہے۔

اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ[2]

حکیم نورالدین صاحب نے عرض کی کہ لوہا آجتک اس کثرت سے زمین سے نکلا ہے کہ اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک اُور ہمالیہ پہاڑ بن جائے۔ لوہے کی کانوں کی آج تک تہہ نہیں ملی کہ کہاں تک نیچے ہی نیچے نکلتا آتا ہے۔

[1] الزلزال: ۳ [2] الحدید: ۲۶

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے بھی سونا اور چاندی کو چھوڑ کر اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ[1] ہی فرمایا ہے۔ (یعنی یہی بنی نوع انسان کے لئے زیادہ نفع رساں ہے)

اعجازی کلام کا نشان

پھر کلام کے معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ

صفحۂ روزگار میں یاد رکھنے کے لئے جیسے یہ نشان ہوتا ہے اور کوئی نہیں۔ یہ بھی ایک ختم نبوت کا نشان تھا۔ اب بھی قرآن شریف کو جو کوئی دیکھے گا تو اسے معجزہ ہی نظر آئے گا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کا سونٹا بھی اسی شان کا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ وہ بھی کسی صندوق میں آج تک محفوظ چلا آتا اور یہودی لوگ اس کی زیارت کرواتے کہ یہ موسیٰؑ کا سونٹا ہے جسے انہوں نے سانپ بنایا تھا۔ یہی حال مسیحؑ کے مریضوں کی صحت کا ہے۔ اب تو عیسائی لوگ پچھتاتے ہوں گے کہ کاش عیسیٰ علیہ السلام کوئی کتاب ہی بنا کر چھوڑ جاتے۔ مگر یہ خاصہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کسی نبی کا نہیں۔

نیّت پر ثواب

مدراس سے جو اللہ صاحب آئے ہوئے تھے ان کی نسبت حضرت اقدس اور حکیم صاحب اور مولوی صاحب یہ تذکرہ کرتے رہے کہ اس شخص کے دل میں کیا شوق ہے۔ کہ اتنی دور دراز مسافت طے کر کے زیارت کے لئے آیا ہے۔ حالانکہ یہ شخص نہ ہماری باتیں سمجھ سکتا ہے نہ انگریزی جانتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت پر ثواب دے دیتا ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۰ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

[1] الحدید : ۲۶

۱۳؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

نوتعلیمیافتہ ملحدین خدا سے بے تعلق ہیں

بعد نماز مغرب نئی روشنی کے تعلیم یافتہ جو کہ خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے احکام کو جواب دیئے بیٹھے ہیں۔ ان کے ذکر پر حضور نے فرمایا کہ

وہ خدا جس میں ساری راحتیں مخفی ہیں وہ اُن سے بالکل دُور ہو گیا ہے۔ جیسے کروڑہا کوس دُور ہے۔ اس صورت میں اُن کا پھر خدا تعالےٰ سے کیا تعلق؟ اور جن کو یہ مہذب کہتے ہیں اُن کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔ (گویا خدائی کا منصب و قالب سب اُن کو دے دیا ہے) حُبِّ دنیا اور حُبِّ جاہ نے اُن کو اندھا کر دیا ہے۔

ایک شخص نے ذکر کیا کہ علیگڈھ کے ایک طالب علم نے اپنی قینی میں ایک مضمون لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی گناہ سے خالی نہ تھے۔ اگرچہ اور انبیاء سے بلند تر ہیں۔ جن کے گناہ اُن سے زیادہ تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

اصل میں یہ لوگ مذہب سے خارج ہیں۔ خدا تعالےٰ کا خوف مطلق نہیں۔ صرف کُنبہ کا ہے۔

وہابی حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں

اس کے بعد حضرت اقدس نے وہابیوں کے اخلاق اور ادب رسُولؐ پر اپنا ایک ذکر سنایا کہ ایک دفعہ جب آپ امرت سر میں تھے تو غزنوی گروہ کے چند مولویوں نے آپ کو چائے دی۔ چونکہ حضرت اقدس کے دائیں ہاتھ میں بچپن سے ضرب آئی ہوئی ہے اور ہڈی کو صدمہ پہنچا ہوا ہے۔ آپ نے بائیں ہاتھ سے پیالی لی۔ تو اس پر غزنوی صاحبان نے فوراً بلا وجہ دریافت کئے کہنا شروع کیا کہ یہ خلافِ سنّت ہے۔ آپ نے اُن کو سمجھایا کہ آداب

اور رُوحانیت بھی سنت ہے۔ پھر اُن کو اصل وجہ بتلادی گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے اپنی تصنیفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف کی ہے اس قدر نہ چاہیئے تھی۔ ہم تو اُن کو اسی قدر مانتے ہیں جس قدر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ یُونس بن متی سے بھی زیادہ نہیں ہے۔ فرمایا:۔

جسمانی طور پر جس قدر ترقیات ابتک ہوئی ہیں کیا وہ پہلے زمانوں میں تھیں؟ اسی طرح رُوحانی ترقیات کا سلسلہ ہے کہ ہوتے ہوتے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا خاتم النبیین کے یہی معنے ہیں۔ جب ان (وہابیوں) کی یہ حالت ہے تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کونسی سچی محبت کر سکتے ہیں اور کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟

فرمایا کہ

میرا دل ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوا۔ اور مجھے یہ خواہش کبھی نہیں ہوتی۔ کہ مجھے وہابی کہا جائے اور میرا نام کسی کتاب میں وہابی نہ نکلیگا۔ میں ان کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں۔ ہمیشہ لفاظی کی بُو آتی رہی ہے۔ یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے۔ مغز بالکل نہیں ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے خود حدیث کی نسبت اپنے اشاعت السنتہ میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک صاحبِ الہام یا اہلِ کشف صحیح حدیث کو ضعیف یا ضعیف کو صحیح قرار دے سکتا ہے کیونکہ وہ کشفی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصحیح کرالیتا ہے۔ مگر تاہم میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ میں اپنے کشوف یا الہامات پر تمسّک نہیں کرتا۔ جب تک قرآن اور سنت اور صحیح حدیث اس کے ساتھ نہ ہو۔ محمد حسین صاحب سے پوچھا جائے کہ جب عبداللہ صاحب غزنوی احادیث میں اس طرح دخل دے سکتے ہیں تو پھر حَکَمْ نے کیا گناہ کیا ہے کہ اُسے ہر ایک رطب و یابس ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

﴿ ﴿ ﴿

خدا کے واسطے دوستی دیرپا ہوتی ہے

شحنۂ ہند نے جو مخالفت مولوی محمد حسین صاحب کی کی ہے۔ اس پر فرمایا کہ

جو لوگ اپنی نفسانی اغراض کے پرستار ہوتے ہیں ان میں دوستی نہیں ہوتی۔ اگر ہو تو جلد جاتی رہتی ہے۔ خدا کے واسطے دوستی ہو تو وہ باقی رہتی ہے۔ وہ ذات پاک قدوس ہے۔ وہی دلوں میں پاکیزگی بھرتا ہے اور سینوں کو کدورتوں سے صاف کرتا ہے۔

تقویٰ اور استقامت اختیار کرو

شیخ فضل حق صاحب نومسلم پشاور سے آئے تھے۔ اُن کی موجودہ حالت پر فرمایا کہ

اوائل میں جو سچا مسلمان ہوتا ہے اُسے صبر کرنا پڑتا ہے۔ صحابہؓ پر بھی ایسے زمانے آئے ہیں کہ پتے کھا کھا کر گذارہ کیا۔ بعض وقت روٹی کا ٹکڑا بھی میسر نہیں آتا تھا۔ کوئی انسان کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کرسکتا جب تک خدا تعالےٰ بھلائی نہ کرے۔ جب انسان تقویٰ اختیار کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اس کے واسطے دروازہ کھول دیتا ہے۔ مَن یتّق اللّٰہَ یجعل لہٗ مخرجًا و یرزقہ من حیثُ لَا یحتسبُ[1]۔ خدا تعالےٰ پر سچا ایمان لاؤ۔ اس سے سب کچھ حاصل ہوگا۔ استقامت چاہیئے۔ انبیاء کو جس قدر درجات ملے ہیں۔ استقامت سے ملے ہیں۔ خالی خشک نمازوں اور روزوں سے کیا ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد تین احباب نے بیعت کی۔ حضرت اقدس نے اُن کو فرمایا:۔

جو بیعت کی ہے اس پر آخر دم تک قائم رہو۔ تب خدا تعالےٰ راضی ہوتا ہے۔

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

ہم کسی کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کریگا۔

[1] الطلاق: ۳-۴

وہ اس کو نجات دے گا۔ اس لئے تقویٰ اختیار کرو۔

فرمایا:۔

ہماری جماعت دراصل مطعون تو ہو چکی ہے کہ مخالفین کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اس طرح سے طاعون اپنا کام اس میں کر چکی ہے۔

سمجھانے کیلئے فرضی مثال

ایک صاحب نے حکیم صاحب[ؓ] کی معرفت کہا کہ اگر بعض واقعات حقہ کو ناول کے پیرایہ میں بیان کیا جائے تو یہ امر معیوب تو نہیں۔ فرمایا:۔

اس میں معصیت نہیں ہے۔ مطالب کو سمجھانے کے واسطے ہمیشہ زید و بکر کا ذکر فرضی طور پر رکھ لیتے ہیں۔ خود تعزیرات ہند میں مثالیں موجود ہیں۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۰ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

اس زمانہ کا جہاد

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے۔ مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے رخصت طلب کی اور عرض کیا کہ میں جا کر صرف چند روز گھر پر رہوں گا پھر دِہ بہ دِہ پھر کر پنجابی نظم کے پیرایہ میں حضور کے سلسلہ کی تبلیغ اور اتمام حجت کروں گا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

یہ بہت عمدہ کام ہے اور اس زمانہ کا یہی جہاد ہے جو لوگ پنجابی سمجھتے ہیں۔ آپ

ؓ۔ مراد حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مرتب)

اُن کے لئے بہت مفید کام کرتے ہیں۔

نجات کا مستحق

سید سرور شاہ صاحب نے مدراس سے آنے والے ہندو لالہ بڈھا پا کی طرف سے یہ عرض کی کہ لالہ کو انہوں نے ایک سوال کیا کہ اسلام کے سوا غیر مذاہب کے لوگ جو نیکی کرتے ہیں کیا اُن کو نجات ہے کہ نہیں؟ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نجات اپنی کوشش سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوا کرتی ہے۔ اس فضل کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنا جو قانون ٹھہرایا ہوا ہے وہ اسے کبھی باطل نہیں کرتا۔ وہ قانون یہ ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] اور مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ[2]۔ اگر اس پر دلیل پوچھو تو یہ ہے کہ نجات ایسی شیئی نہیں ہے کہ اس کے برکات اور ثمرات کا پتہ انسان کو مرنے کے بعد ملے۔ بلکہ نجات تو وہ امر ہے کہ جس کے آثار اسی دُنیا میں ظاہر ہوتے ہیں کہ نجات یافتہ آدمی کو ایک بہشتی زندگی اسی دُنیا میں مل جاتی ہے۔ دوسرے مذاہب کے پابند بکلّی اس سے محروم ہیں اگر کوئی کہے کہ اہلِ اسلام کی بھی یہی حالت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اسی لئے اس سے بے نصیب ہیں کہ کتاب اللہ کی پابندی نہیں کرتے۔ اگر ایک شخص کے پاس دوا ہو اور وہ اُسے استعمال نہ کرے اور لاپروائی دکھلائے تو وہ بہر حال اس کے فوائد سے محروم رہیگا یہی حال مسلمانوں کا ہے کہ اُن کے پاس قرآن مجید جیسی پاک کتاب موجود ہے مگر وہ اس کے پابند نہیں ہیں۔ مگر جو لوگ خدا تعالیٰ کے کلام سے اعراض کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ انوار و برکات سے محروم رہتے ہیں۔ پھر اعراض بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک صوری، ایک معنوی۔ یعنی ایک تو یہ ہے کہ ظاہری اعمال میں اعراض ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اعتقاد میں اعراض ہو۔ اور انسان کو انوار و برکات سے حصہ نہیں مل سکتا جبتک وہ اسی طرح

[1] آل عمران: ۳۲ [2] آل عمران: ۸۶

عمل نہ کرے جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ [1] بات یہی ہے کہ خمیر سے خمیر لگتا ہے اور یہی قاعدہ ابتداء سے چلا آتا ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ کے ساتھ انوار و برکات تھے جن میں سے صحابہؓ نے بھی حصہ لیا۔ پھر اسی طرح خمیر کی لاگ کی طرح آہستہ آہستہ ایک لاکھ تک ان کی نوبت پہنچی۔ اور اس سے بڑھ کر دلیل یہ ہے کہ سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں برکات نہیں ہیں اور اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں رکھا ہوا کیا ہے، ہندوؤں کو دیکھو وہ بُت پرست ہیں۔ عیسائیوں نے ایک عاجز انسان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم بُت پرست نہیں ہیں تو جب ہم اس کی تفتیش کریں گے تو ثابت کر دیں گے۔ آریہ لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ خود کلامِ خدا کا متبع نہ ہونا اور یہ دعویٰ کرنا کہ میں خدا سے مل جاؤں گا۔ یہ بھی گمراہی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ اے لوگو تم سب اندھے ہو۔ مگر جسے میں آنکھیں دوں۔ جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کے کلام کے سوا نجات پاؤں گا۔ وہ بھی مُشرک ہے۔ نجات کی کُنجی تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کے لئے چاہے۔ اس کے دروازے کھولدے خدا تعالیٰ بار بار یہی فرماتا ہے کہ رسُول کی پیروی کرو۔ اگر ایک باغ ہو اور اس میں لاکھوں پھل ہوں۔ مگر جبتک باغبان اجازت نہ دے تو کوئی اس میں سے ایک پھل بھی نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح بازاروں میں کئی قسم کی اشیاء ہوتی ہیں اور ہزاروں ہوتی ہیں مگر مالک کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں لے سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو حاصل کرنے کا یہی ایک طریق ہے اور یہ آدم علیہ السلام سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ اس میں بحث کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر ایک نور اور معرفت کی نظیر اور جگہ مل ہی نہیں سکتی۔

پاک دل ہونا بھی معجزہ ہے

فرمایا۔ انسان کا سب سے پہلا معجزہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے تقویٰ بخشے جو دل پلید ہوتے ہیں۔ اُن کا بیان کرنا ہی بے فائدہ ہے۔ اگر کوئی ہمارے پاس آکر ایک

[1] التوبۃ: ۱۱۹

کاغذ کا کبوتر بنا کر دکھا دے تو کیا اُسے ہم کرامت سمجھ لیں گے؟ بات یہی ہے کہ انسان کی زندگی پاک ہو۔ فراست ہو اور تقویٰ ہو۔[1]

(البدر جلد ا نمبر ۴ صفحہ ۳۱ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۱۵ نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

تائیدات الٰہیہ کا ذکر

ظہر کے وقت حضرت اقدس ان تائیدات الٰہی کا ذکر فرماتے رہے جو ان ایام میں حضور کے شامل حال ہوتی جاتی ہیں اور باعث فتح نصرت و اقبال بن رہی ہیں (یعنی اعجاز احمدی کی معجزانہ تصنیف اور اس کے بالمقابل مخالفوں کی شرمساری) بعد ادائے نماز

---

[1] البدر کی باقی ڈائری الحکم کی نسبت مفصل ہے۔ لیکن مضمون کا یہ معجزہ والا حصہ الحکم میں مفصل یوں درج ہے:۔

"دوسرا سوال یہ تھا کہ معجزہ کی قسم کے بعض امور اور لوگ بھی دکھاتے ہیں۔ فرمایا۔ میں قصوں کو نہیں سُنتا۔ یہ جو فرانس یا کسی اَور جگہ کے قصے سُنائے جاتے ہیں یہ کافی نہیں سب سے پہلا معجزہ تو یہ ہے کہ انسان پاک دل ہو۔ بھلا پلید دل کیا معجزہ دکھا سکتا ہے جب تک خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا دل نہ ہو تو کیا ہے؟ ضروری ہے کہ متقی ہو اور اس میں دیانت ہو اگر یہ نہیں تو پھر کیا ہے؟ تماشے دکھانے والے کیا کچھ نہیں کرتے جالندھر میں ایک شخص نے بعض شعبدے دکھائے اور اس نے کہا کہ میں مولویوں سے اُن کی بابت کرامت کا فتویٰ لے سکتا ہوں مگر وہ خود جانتا تھا کہ اُن کی اصلیت کیا ہے۔ بعد میں وہ اس سلسلہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے توبہ کی۔

جن ملکوں کے قصے بیان کئے جاتے ہیں۔ وہاں اگر معجزے دکھانے والے ہوتے۔ تو یہ فسق و فجور کے دریا وہاں نہ ہوتے۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دل پہ ایک (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۶۷-۶۸

مغرب حضور شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے

میگنیشیا اور طاعون

اور بعض مریضوں کے حالات اور ان میں فوری تیز جلابوں سے جو عمدہ نتائج پیدا ہوئے تھے اُن کا ذکر حکیم نورالدین صاحب کرتے رہے۔ حضرت اقدس نے اس کی تائید میں فرمایا کہ

جب بمبئی میں طاعون کثرت سے پھیلی تو وہاں سے زین الدین محمد ابراہیم صاحب انجنیئر نے مجھے لکھا تھا کہ یہ ایک بارہا تجربہ شدہ اور مفید علاج دیکھا گیا ہے کہ طاعون کے آثار نمودار ہوتے ہی ۵ یا ۶ تولہ کے قریب میگنیشیا سالٹ مریض کو پلا دیا گیا ہے تو اُسے پھر بفضلِ خدا ضرور آرام آگیا ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۱ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء)

۱۷ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

کتاب اعجاز احمدی کا ذکر

ظہر کے وقت حضرت اقدس نے کچھ عرصہ مجلس فرمائی۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی ایک نظر اعجاز احمدی پر کر رہے تھے۔ چونکہ یہ کتاب رات کو چھپی تھی۔ اس لئے بعض جگہ سہو کاتب سے غلطی رہ گئی تھی اور بعض جگہ نقطہ وغیرہ لگانا یا دُور کرنا رات کو اندھیرے

بقیہ حاشیہ: پاک اثر ڈالتے ہیں اور اس کی ہستی کا یقین دلاتے ہیں مگر یہ شعبدے انسان کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کا خداشناسی اور معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی پاک تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہوتے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۲ء)

میں رہ گیا تھا اس کا ذکر ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ کوئی غلطی نہیں ہوا کرتی کیونکہ ساتھ ہی ترجمہ ہے۔ اگر کوئی لفظ عربی ہے اور نقطہ وغیرہ کی غلطی ہے تو نیچے دیا ہوا ترجمہ اُس کی صحت کرتا ہے اور اگر ترجمہ میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو پھر اصل عبارت عربی موجود ہے۔ اس سے اس کی صحت ہو جاتی ہے۔

طاعون سے متقی محفوظ رہیں گے

نماز مغرب کے بعد اعجاز احمدی کے بارے میں اور اس کے اثر کے متعلق مختلف احباب ذکر کرتے رہے۔ پھر سید عبداللہ صاحب عرب نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ میرے اطراف میں درد ہوتا رہتا ہے۔ طاعون کا خطرہ ہے۔ اگر حضور اپنا کُرتہ عطا فرمائیں تو میں اُسے پہنے رہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم کرتہ تو دے دیں گے مگر بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا کُرتہ نہ ہو تو پھر کوئی شئے کام نہیں آتی۔ دیکھو میں جانتا ہوں کہ گو بار بار اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری اور میری جماعت کی اس ذلت کی موت سے حفاظت فرمائے گا مگر رسمی مسلمان یا رسمی بیعت والے کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے جبتک کہ ہمارے ساتھ والے کو حقیقی تقویٰ نصیب نہ ہو۔ ایک مسلمان نے ایک دفعہ ایک یہودی کو کہا کہ تو مسلمان ہو جا۔ اس یہودی نے کہا کہ تو اگرچہ مسلمان ہے مگر تو کوئی عمدہ آدمی نہیں ہے۔ اس لئے تم صرف صورت پر ناز نہ کرو بلکہ حقیقت کام آتی ہے۔ سُنو۔ ہمارے ہاں ایک دفعہ ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام خالد رکھا گیا جس کے معنے ہیں ہمیشہ رہنے والا اور پھر اسی دن اسے دفن کر آئے۔ وہ مر گیا اور خالد کا لفظ اس لڑکے کے کوئی کام نہیں آیا۔ اسی طرح ہمیشہ انسان کے کام میں حقیقت اور رُوحانیت ہی کام دے گی۔

میرا دل ہرگز یہ قبول نہیں کرتا کہ ہماری جماعت میں جو سچا تقویٰ اور طہارت بھی رکھتا

ہو اور جسے خدا تعالیٰ سے سچا تعلق بھی ہو تو پھر خدا اُسے ذلت کی موت مارے۔ اگرچہ طاعون مختلف وقتوں میں آتی رہی ہے مگر ہر زمانہ کا حکم الگ الگ ہے۔ بعض وقتوں میں ایسا کوئی آدمی نہ تھا جو اس وقت تم میں بول رہا ہے۔ پس ایسے وقت خدا تعالےٰ فرق کرنا چاہتا ہے اور وہی شخص فائدہ اُٹھائے گا جو خدا تعالےٰ کے منشاء کو سمجھ کر سچا تقویٰ اختیار کرے گا اور خدا سے کوئی فرق نہ رکھے گا۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں خوب سمجھا دیا ہے کہ جو دل سعی اور فرق کرنے والے ہیں۔ ان سے یہ عذاب خدا تعالیٰ نے پھیر دیا ہے۔ اس لئے ایک متقی کب اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ اگر ہماری جماعت میں کوئی موت طاعون کی ہو تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس میں کوئی نوع غفلت کی تھی۔ میرے وہم اور خیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی کہ خدا تعالےٰ پر بدظنی کی جائے کہ وہ مخلف الوعد ہو۔

پس راتوں کو اُٹھ کر روؤ۔ دعائیں مانگو اور اس طرح سے اپنے ارد گرد ایک دیوار رحمت بنالو۔ خدا تعالےٰ رحیم کریم ہے وہ اپنے خاص بندہ کو ذلت کی موت کبھی نہیں مارتا (اگر خدانخواستہ ہماری جماعت میں سے کسی کو ذلت کی موت آئی تو لوگ اعتراض کریں گے کیونکہ اگر ہم اشتہار نہ دیتے تو کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملتا مگر اب تو ہم نے خود مشتہر کیا ہے اس لئے لوگ ضرور اعتراض کریں گے)۔ پس تم کو چاہیئے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ مجھے امید ہے کہ جو پورے درد والا ہوگا اور جس کا دل شرارت سے دُور نکل گیا ہے خدا اُسے ضرور بچائے گا۔ توبہ کرو۔ توبہ کرو۔ مجھے یاد ہے۔ ایک مرتبہ مجھے الہام ہوا تھا۔

"آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"

حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کا بندہ ہوگا اسے طاعون نہیں ہوگی اور جو شخص ضرر اُٹھائے گا۔ اپنے نفس سے اُٹھائے گا۔ اگر تم خدا سے صفائی نہیں کرتے تو کوئی طبیب تمہارا علاج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوا فائدہ بخش سکتی ہے۔ یہ ذمہ داری صرف خدا کا فعل ہے۔ دل کا پاک و صاف کرنا بھی ایک موت ہوتی ہے جبتک انسان محسوس نہ کرے کہ میں اب وہ نہیں ہوں

جو پہلے تھا تب تک اُسے سمجھنا چاہیئے کہ میں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جب اُسے معلوم ہو کہ میں اب گندی زندگی۔ جہالت اور طول امل سے بہت دُور آگیا ہوں۔ تو سمجھے کہ اب میں نے تقویٰ پر قدم رکھا ہوا ہے۔ نفس بہت دھوکے دیتا ہے۔ بیگانے مال کی خواہش رکھتا ہے حسد سے دوسرے کے مال کا زوال اور نقصان چاہتا ہے تو یہ باتیں آخری اور نفس سے نکلنے کی ہوتی ہیں۔ اور یہ وہی آخری وقت ہے۔ خدا کا خوف ایسی شئے ہے کہ انسان کو خصّی کر دیتا ہے۔

ایک رؤیا اور طاعون

نماز عشاء کے بعد حضور پھر تھوڑی دیر کے لئے شہ نشین پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ

مجھے رؤیا ہوا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی سر سے ننگا میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آیا ہے اس سے مجھے سخت بدبُو آتی ہے۔ میرے پاس آکر کہتا ہے کہ میرے کان کے نیچے طاعون کی گلٹی نکلی ہوئی ہے میں اُسے کہتا ہوں کہ پیچھے ہٹ جا۔ پیچھے ہٹ جا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ تفہیم الٰہی کوئی نہیں ہوئی۔

(البدر جلد ا نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

اعجاز احمدی اور مخالفین

حضرت اقدسؑ ۸ بجے کے قریب سیر کے لئے تشریف لائے اور قادیان کی مشرقی طرف چلے۔ اعجاز احمدی کا ذکر ہوتا رہا۔ کہ یہ مخالف اب اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ ان بعض یہ کہیں گے کہ اگر ہم چاہیں تو اس کا جواب لکھ سکتے ہیں۔ اس پر نواب محمد علی خاں صاحب

نے ایک ڈاکٹر صاحب کا ذکر سُنایا کہ دہلی میں ایک مولوی نے اعجاز المسیح کو دیکھ کر یہی کہا تھا کہ اگر چاہیں تو ہم اس کا جواب لکھ سکتے ہیں مگر کون وقت ضائع کرے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ وہی مثال ہے کہ ایک شخص نے مشتہر کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے جو شیر کو مار لیتی ہے بشرطیکہ وہ چاہے۔[1] فرمایا یہی حیلہ کریں گے اگر ہم چاہتے تو جواب لکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ارادہ نہیں کرتے۔ یہی ان کا حیلہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ

اعجاز احمدی کا اردو حصہ بھی ہمارے تمام رسالوں کا نچوڑ ہے۔ پھر فرمایا کہ

ابھی کیا خبر ہے کہ ہماری جماعت کے کون کون پوشیدہ لوگ ان کے درمیان ہیں۔ وقت آئے گا۔ تو سب آجائیں گے۔ اس کی مثال ایک شرابی کی مثال ہے کہ وہ جب تک بیہوش ہوتا ہے تو سب کچھ کہتا رہتا ہے پھر جب ہوش آئے تو سنبھل جاتا ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی حسد اور تعصب کی شراب کی بیہوشی ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کی ذلّت

ایک شخص نے ذکر کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اگر آخر کار ہماری جماعت میں داخل ہوں تو ان تصانیف اور دیگر تحریروں میں اُن کی جو گت بن چکی ہے وہ صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گی۔ حضور نے فرمایا کہ

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے۔
"فرمایا۔ اُن کی مثال تو اس شخص کی سی ہے۔ جس نے مشتہر کیا کہ میری بکری شیر کو مارتی ہے اور جب لوگوں نے اس کو دیکھنا چاہا تو کہہ دیا کہ جب اس کا ارادہ ہو اس وقت مارتی ہے۔ اس وقت اس کا ارادہ نہیں۔ بس اس قسم کے حیلہ حوالے کریں گے"
(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

یہ تمام ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ خدا کی شان ہے کہ اس کے جو ارادے ہمیں ذلت پہنچانے کے تھے وہ تمام اس پر الٹ پڑے خود اس کی اپنی جماعت میں اس کی عزت نہ ہوئی۔

فرمایا۔ خدا کی قدرتیں عجیب ہیں جس کو چاہے۔ عزت عنایت کرے۔ یہ تمام اس کی لہریں ہیں۔ انسان کی غلطی ہے کہ اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتا ہے۔ جس قدر وہ لذات چاہتا ہے خدا تعالیٰ قادر ہے کہ حلال ذریعہ سے پہنچا دے۔ کوئی دوست کسی کی ایسی پاسداری نہیں کرتا جیسے وہ کرتا ہے۔ اُس کے خلقِ اسباب میں عجیب مزا آتا ہے۔ قتل کے مقدمہ پر نظر ڈالو کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے سب میں پھوٹ ڈال دی۔ میرا تو یہ خیال ہے۔ کہ اگر حاکم کے سامنے بھی آدمی جا دے تو اُسے ہرگز نہ کوسے کیونکہ اگر خدا کو یہ راضی کرتا ہے تو خدا خود اس حاکم کے دل کو اس کی طرف پھیر دے گا۔ سب کچھ اسی کے پنجہ میں ہے جسے جس طرف چاہے پھیر دے۔ اس رنگ میں ایک مزا وجودی مذہب کا آجاتا ہے مگر اُن کا قدم ذرا آگے پھسلا ہوا ہے لیکن اگر یہاں تک قدم نہ پڑے تو پھر توحید کا بھی مزا نہیں آتا۔

طاعون ٹیکہ اور خدا پر بھروسہ

فرمایا۔ دراصل لوگوں کو شبہات پڑ گئے ہیں۔ اس لئے وہ گناہ سے پرہیز نہیں کرتے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ غفلت کا حصہ رہ جاتا ہے۔ خدا اب چاہتا ہے کہ یہ لوگ سمجھ لیں جس طرح نوحؑ کے زمانہ میں اُن کے بیٹے نے کہا تھا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لُوں گا۔ اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم طاعون سے بچنے کے لئے ٹیکہ کی پناہ میں آجائیں گے مگر نہیں جانتے کہ سب سے زیادہ ضروری شئے **خدا کی ہستی پر یقین** ہے۔ **بغیر اس یقین کے اعمال میں برکات ہرگز پیدا نہیں ہوتیں۔**

خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ چلو ذرا ہم بھی چلتے چلیں۔ اگر لوگ آج ہی توحید پر قائم ہو

جائیں تو آج ہی یہ بلا (طاعون) جاتی رہتی ہے۔ خدا تعالےٰ انسان کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ کہ وہ توحید پر قائم ہیں کہ نہیں۔ بہت سے عمل توکل کے برخلاف اور توحید کے برخلاف ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کسی طرح سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے مگر وہ اس میں جھوٹا ہوتا ہے۔ اور یہی فسق ہے آج کل جس قدر اسباب پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ اس کی نظیر زمانہ سابق میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ان وقتوں میں بھی فسق و فجور ہوتا تھا۔ مگر خدا کا خوف بھی دلوں میں ہوتا تھا۔ ایک وقت آتا ہے کہ لوگ یا مسیح الخلق عدوانا کہیں گے مگر اس وقت وہ سب ناس ہی نہ جائیں گے جیسے رایت النّاس ید خلون فی دین اللّٰہ افواجًا[1] مگر ایسے وقت پر ان لوگوں کو ایمان چنداں فائدہ نہیں دیتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل یوم الفتح لاینفع الذین کفروا ایمانھم[2]۔ اس سے طلوع الشمس من مغربھا کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ توبہ قبول نہ ہوگی۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے بخشے تو بخشے۔ ان کی توبہ کوئی حقیقت نہ رکھے گی۔ یہ امر خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہوگا۔ جیسے فرمایا۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ[3]۔ مگر مومنوں کے حق میں فرمایا۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ[3]

طاعون مامور اور لوگوں کو سیدھا کرنے کیلئے ایک تازیانہ ہے

فرمایا۔ طاعون بھی مامور ہے۔ اس کا کیا قصور ہے۔ جیسے اگر ایک شخص سپاہی ہو تو خواہ اُسے اپنے حقیقی بھائی کے نام وارنٹ ملے۔ اُسے اس کو گرفتار ہی کرنا پڑے گا کیونکہ فرض منصبی ہے۔ میں تو خدا تعالےٰ کا شکر کرتا ہوں کہ لوگوں کو سیدھا کرنے کا اب وقت آگیا ہے۔ خدا کی رحمت عظیم ہے کہ اپنی طرف سے خود ہی ایک تازیانہ مقرر کر دیا۔ کہ یہ لوگ غافل نہ رہیں۔ اب یہ لوگ سالک نہ ہوئے بلکہ مجذوب ہوئے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود دستگیری کی۔ ہماری جماعت میں ہماری طرف سے نصائح کا سلسلہ تو جاری تھا مگر اس کا اثر کچھ کم ہی ہوتا تھا۔ اب اس نے طاعون کا تازیانہ چلایا کیونکہ طاعون کو دیکھ کر ان لوگوں کے دل متاثر ہونگے اور ان نصائح کو خوب سمجھیں گے۔ اب ان لوگوں کے لئے ایک عمدہ موقعہ اولیاء اور اصفیاء

[1] النصر: ۳ [2] السجدۃ: ۳۰ [3] ھود: ۱۰۹

بچنے کا ہے ورنہ آرام کے زمانہ میں ان نصائح کا کیا اثر ہوتا۔ بعض وقت انسان مار کھانے سے درست ہوتا ہے اور بعض وقت مار دیکھنے سے۔ زنا کی سزا کے لئے بھی خدا نے کہا ہے کہ لوگوں کو دکھا کر دی جائے۔ اسی طرح دوسروں کو تازیانہ پڑ رہا ہے اور ہماری جماعت دیکھ رہی ہے۔ بہت سے آدمی تھے جنہوں نے ہمارے منشاء اور ارادہ کو آج تک نہیں سمجھا تھا مگر اب خدا دوسروں کو تازیانہ لگا کر ان کو سمجھا رہا ہے۔ طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طائفہ میں کوئی کسر ہو گی۔ اس کی اصلاح اس طرح سے ہو جائیگی کہ وہ دوسرے کو سزا ملتی دیکھ کر اپنی اصلاح کریں گے اور اس میں کل مومنوں کو بھی نہیں کہا بلکہ ایک طائفہ کو کہا ہے۔

ایک خواب

اس کے بعد فرمایا:۔

رات میں نے خواب میں کچھ بارش ہوتی دیکھی ہے۔ یونہی ترشح سا ہے اور قطرات پڑ رہے ہیں مگر بڑے آرام اور سکون سے ہے۔

ایمان کی حفاظت سرگرمی سے ہوتی ہے

فرمایا:۔

سرگرمی انسان کے اندر ہو تو ایمان رہتا ہے ورنہ نہیں۔ کافور کے ساتھ کالی مرچ اس لئے رکھتے ہیں کہ کافور نہ اُڑے۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ کالی مرچ میں تیزی ہوتی ہے وہ اُسے اُڑنے سے بچائے رکھتی ہے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۴-۳۵ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] النور: ۳

۱۸ نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

بہشتی مقبرہ کے متعلق رؤیا

فجر کی نماز کے بعد فرمایا کہ

نماز فجر سے کوئی ۲۰ یا ۲۵ منٹ پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک زمین خرید لی ہے کہ اپنی جماعت کی میتیں وہاں دفن کیا کریں تو کہا گیا کہ اس کا نام **بہشتی مقبرہ** ہے۔ جو اس میں دفن ہوگا بہشتی ہوگا۔

کشمیر سے کسرِ صلیب سے متعلق رؤیا

پھر اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ کشمیر میں کسرِ صلیب کے لئے یہ سامان ہوا ہے کہ کچھ پرانی انجیلیں وہاں سے نکلی ہیں۔ میں نے تجویز کی کہ کچھ آدمی وہاں جائیں اور وہ انجیلیں لائیں تو ایک کتاب اُن پر لکھی جائے۔ یہ سُن کر مولوی مبارک علی صاحب تیار ہوئے کہ میں جاتا ہوں۔ مگر اس مقبرہ بہشتی میں میرے لئے جگہ رکھی جائے۔ میں نے کہا کہ خلیفہ نورالدین کو بھی ساتھ بھیج دو۔

یہ خواب حضرت اقدس نے سُنایا اور فرمایا کہ

اس سے پیشتر میں نے تجویز کی تھی کہ ہماری جماعت کی میتوں کے لئے ایک الگ قبرستان یہاں ہو سو خدا تعالیٰ نے آج اس کی تائید کر دی اور انجیل کے معنے بشارت کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہاں سے کوئی بڑی بشارت ظاہر کرے اور جو شخص وہ کام کر کے لائے گا وہ قطعی بہشتی ہوگا۔

(بوقت ظہر و عصر)

ایک نشان

چند ایک احباب مع مولوی عبدالستار صاحب جو آج تشریف لائے تھے اُن سے حضور

نے ملاقات فرمائی۔اُن کے تحفے تحائف لے کر جو اُنہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کئے تھے۔ فرمایا کہ

اِن کا آنا بھی ایک نشان ہے اور اس الہام یاتیک من کل فجّ عمیق کو پُورا کرتا ہے۔

کشمیر میں قبر مسیح سے متعلق گفتگو

مغرب کی نماز باجماعت ادا کر کے حضرت اقدس حسب معمول مسجد کے شمال مغربی کونہ میں بیٹھ گئے۔اور قبر کی خواب پر حضرت اقدس اور اصحاب کبار تذکرہ کرتے رہے[1]۔

حضور نے فرمایا کہ

کشمیر میں مسیح کی قبر معلوم ہونے سے بہت قریب ہی فیصلہ ہو جاتا ہے۔اور سب جھگڑے طے ہو جاتے ہیں۔اگر فراست نہ بھی ہو تو بھی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ آسان بات کونسی ہے۔اب آسمان پر جانے کو کون سمجھے۔جو باتیں قرین قیاس ہوتی ہیں وہی صحیح نکلتی ہیں ابھی تک خدا کے اعلام سے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوا تھا (مگر اب خود ہی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا) اب تخم ریزی تو ہوئی ہے امید ہے کہ کچھ اور امور بھی ظاہر ہوں گے۔عادت اللہ اسی طرح

---

[1] ۔ قبر والے خواب پر تذکرہ سے پہلے الحکم میں ایک اَور واقعہ کا ذکر ہے جو یہ ہے۔

مولوی عبداللہ صاحب کشمیری کی حالت طبع کا ذکر آگیا کہ اُن کو اضطراب بہت ہے۔فرمایا کیوڑہ اور گاؤزبان بہت مفید ہے۔اور فرمایا

کیوڑہ تو میرے پاس بہت اعلیٰ درجہ کا ہے جو سید رضوی صاحب نے حیدرآباد دکن سے بھیجا ہے مگر گاؤزبان نہیں۔کیوڑہ میں لائے دیتا ہوں۔

چنانچہ حضور اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد کیوڑہ کی بوتل لے آئے۔

(خدا اُن کی عمر دراز کرے) یہ ہمدردی، یہ ہمت جس میں سستی اور غفلت نام کو نہیں کسی عام انسان کا خاصہ نہیں ہو سکتی۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

ہے۔ یہ خواب بالکل سچا ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی آمیزش نہیں ہے۔ مجھے اُس وقت خواب میں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بڑا عظیم الشان کام ہے جیسے کسی کو لڑائی پر جانا ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ ہماری فراست نے خطا نہیں کی۔ یہ عقدہ اللہ تعالیٰ حل کردے تو صدہا برسوں کا کام ایک ساعت میں ہو جائے اور عیسائیوں اور ان مولویوں کے گھروں میں ماتم پڑ جائے۔

ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور پھر تو سارے انگریز رجوع باسلام ہو جائیں۔ فرمایا۔

دُنیا میں ایک حرکت ہے۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ جیسے تسبیح کا دھاگا ٹوٹ کر ایک دانہ نکل جائے تو باقی بھی نہیں ٹھہرتے۔ خواہ پادری پیٹتے ہی رہ جائیں۔ تمام انگریز ٹوٹ پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے داؤ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین[1]

پھر ڈوئی کا اخبار آپ نے سُنا اور فرمایا کہ

پگٹ کی شہرت ڈوئی سے بہت زیادہ ہے

(البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۵ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۹ نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

(بوقت سیر)

یَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا[2]۔ اس آیت پر فرمایا کہ

ان مولویوں کو حسرت ہی ہوگی کہ اُبْعَثُ کا لفظ کیوں آیا۔ کاش اُنْزَلُ کا لفظ ہوتا۔

پگٹ مظہر شیطان

اس کے بعد پگٹ کا ذکر ہوا کہ

ان لوگوں کو اس لئے دعویٰ کرنے کی جرأت ہو جاتی ہے کہ قوم نے مان لیا ہے کہ وُہ

[1] آل عمران: ۵۵ [2] مریم: ۳۴

وقت قریب ہے کہ مسیح آئے ورنہ اگر قوم کی کثرت رائے اس طرف ہوتی کہ وہ وقت دُور ہے تو یہ دعویٰ نہ کرتا۔ شیطان کے بھی مظہر ہوتے ہیں۔ شیطان نے اس زمانہ میں اپنے مظہر کے لئے پگٹ کو ہی پسند کیا ہے۔

تصویر یعنی فوٹو کا جواز اور اس کی ضرورت

فرمایا:۔

فی زمانہ تصویر کی ان لوگوں کے بالمقابل کس قدر حاجت ہے۔ ہر ایک رزم بزم میں آج کل تصویر سے اثر ڈالا جاتا ہے۔ پگٹ کی بھی تصویر شائع ہوئی ہے۔ فوٹو کے بغیر آجکل جنگ (رُوحانی) ناقص ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح کے ہتھیار مخالف تیار کریں۔ تم بھی ویسے ہی تیار کرو۔ اس سے فوٹو کا جواز ثابت ہے۔ بندوقوں اور توپوں سے جنگ کرنے کا جواز بھی اسی طرح کیا گیا ہے ورنہ آگ سے مارنا تو حرام ہے۔ جہاں ضرورت حقہ محرک اور مستدعی ہوتی ہے یا اس کے متعلق الہام ہوتا ہے اس مقام پر تصویر کی حُرمت کی سند پیش کرنا حماقت ہے۔ جبرائیل نے خود حضرت عائشہؓ کی تصویر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائی۔

مولوی محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسی ہی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا۔

ایک حرمت حقیقی ہوتی ہے ایک غیر حقیقی۔ جو غیر حقیقی ہوتی ہے وہ اسباب داعیہ حقہ سے اُٹھ جاتی ہے۔

ایک سائل

سَیر کے دوران راستہ میں ایک سائل بلک بلک کر سوال کر رہا تھا۔ فرمایا۔

ایک یہ بھی انسان ہے اور ہم بھی ایک انسان ہیں۔ کس طرح یہ ہر ایک دروازہ پر گرتا اور سوال کرتا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتا تو ایسا کبھی نہ رہتا۔ ؎

مے تواند شد مسیحا مے تواند شد یہود

پگٹ کے نام کا سِرّ

پھر فرمایا:-

پگٹ کے نام کا جو سر ہے اس میں خنزیر کے معنے پائے جاتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ یہ عیسائیوں کا خدا آسمان پر جاتا ہے کہ زمین میں دفن ہوتا ہے۔ دراصل خدا تعالےٰ کو ان لوگوں پر سخت غیرت ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ ایسے لوگ ہوں۔ اس حساب سے تو موسیٰؑ اور دوسرے کل نبی معاذ اللہ (اس (پگٹ) کے بندے ہوئے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک ہی سلطنت کے نیچے دو مدعی۔ ایک جھوٹا ایک سچا۔ جیسے طاعون ہمارے لئے مفید پڑی ہے۔ ویسے ہی پگٹ نے گردن نکالی ہے۔ جو کچھ اول مقرر ہو چکا ہے ضرور ہے کہ وہ تمام ظاہر ہو جاوے۔

ڈوئی کے ذکر پر فرمایا:۔

جو دولت کی مشکلات میں پھنسا ہے۔ اسے دین میں کب راہ مل سکتی ہے۔

زندوں کا توسل جائز ہے

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں تشریف فرما ہوئے۔ ایک سوال پوچھا گیا کہ آیا دعا کے بعد یہ کلمات کہنے کہ یا الٰہی تو میری دعا کو بطفیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبول فرما۔ جائز ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

شریعت میں توسلِ احیاء کا جواز ثابت ہوتا ہے بظاہر اس میں شرک نہیں ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے۔[1]

[1] حاشیہ (اگلے صفحہ پر)

لفظ اُدٰی کی حقیقت

فرمایا:-

قرآنی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اُدٰی کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ اول کوئی مصیبت واقع ہو۔ اسی طرح الہام اٰنہٗ اُدی القریۃ چاہتا ہے کہ ابتداء میں خوفناک صورتیں ہوں۔ اصحاب کہف کی نسبت بھی یہی فاْوٗا الی الکھف[1] اور واٰوینٰھما الی ربوۃٍ[2] ان تمام مقامات سے یہی مطلب ہے کہ قبل اس کے کہ خدا تعالیٰ آرام دے۔ مصیبت اور خوف کا نظارہ پیدا ہوگا اور لولا الاکرام لھلک المقام بھی اسی کے ساتھ چلتا ہے۔

اوائل عمر کی بیعت

ایک لڑکے کی بیعت کے ذکر پر فرمایا کہ

اوائل عمر کے لوگوں کی بیعت میں مجھے تردد ہوتا ہے۔ جبتک انسان کی عمر چالیس برس کی نہ ہو تب تک ٹھیک انسان نہیں ہوتا۔ اوائل عمر میں تلون ضرور آتا ہے۔ میرا ارادہ نہیں ہوتا کہ ایسی حالت میں بیعت لوں مگر بدیں خیال کہ دل آزارگی نہ ہو۔ بیعت لے لیتا ہوں۔ انسان جب چالیس برس کا ہوتا ہے تو اُسے موت کا نظارہ یاد آجاتا ہے اور جس کے قریب ابھی موت کا خوف ہی نہیں اس کا کیا اعتبار۔

مسلمان بادشاہوں نے عربی زبان کی ترویج نہ کی

اس کے بعد یہ ذکر ہوتا رہا کہ آجتک بہت تھوڑے ایسے گذرے ہیں جنہوں نے

حاشیہ: الحکم میں یوں ہے کہ

"فرمایا۔ احیاء کا توسل جائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعہ بارش کی دعا کی گئی تھی۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

[1] الکھف: ۱۷ [2] المؤمنون: ۵۱

اس امر کو محسوس کیا اور حسرت کی کہ کیوں ہندوستان کے شاہانِ اسلام نے اس ملک میں سوائے عربی کے دوسری زبانوں کو رواج دیا۔ حالانکہ عربی ایک بڑی وسیع زبان تھی جس میں ہر ایک مطلب مکمل طور پر بیان ہو سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ اسلام کی ایک بڑی امداد ہوتی مگر نہ معلوم کہ کیوں کسی کو خیال نہ آیا۔ اس سے ایک نقص یہ بھی پیدا ہوا کہ ہندوستان کی اسلامی ذریّت کو اس وجہ سے کہ ان کو اپنی مذہبی زبان کا علم نہیں۔ قرآن شریف اور دیگر علوم عربیہ سے بہت کم مَس ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام بھی ان باتوں کی تائید فرماتے رہے اور فرمایا کہ

یہ اُن سے ایک مصیبت ہوئی۔

رسالت اور نبوت پر تقریر

اس کے بعد رسالت اور نبوت کے مضمون پر حضرت اقدس علیہ السلام فارسی میں تقریر فرماتے رہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

اللہ تعالیٰ مے فرماید مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[1] لٰكِنْ اینجا برائے استدراک آمدہ ست چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ کس را پدر نیست۔ پس ہماں اعتراض کہ بر او دشمنان کردہ شدہ وگفتہ کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ[2] بر آنحضرت لازم مے آید گویا کہ خدا تعالیٰ تصدیق معترض مے کند برائے ازالہ ایں وہم فرمودہ است وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[3] یعنی ہیچ ابدال و قطب و اولیاء بجز ختم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نخواہد شد۔ حکام را ہمیں حالت است کہ اگر بر کاغذ مُہر سرکاری نشود صحیح نمے دانند۔ ہر کسے را کہ الہام و مکالمہ الٰہی مے شود از مہر رسول مے شود و ازیں معنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمہ را پدر است۔ در یک معنے نفی نبوت مے شود و در یک معنے اثبات نبوت مے شود اگر بگوئیم کہ سلسلہ افادات نبوی منقطع

[1] الاحزاب: ۴۱ [2] الکوثر: ۴ [3] الاحزاب: ۴۱

تشدہ و اکنوں کسے را الہام و مکالمہ و مخاطبہ الہٰی نمے شود ہمہ اسلام تباہ مے شود۔ سلسلہ ما را ایں مثال است کہ اگر کسے در آئنہ صورت مے بیند آنچہ در شیشہ نظر مے آید چیزے دیگر نیست ہماں است کہ پیشِ شیشہ ہست۔ ایں مرداں دریں آیت کریمہ غور نمے کنند و من خوب مے دانم کہ ایں ہمہ عقیدہ مے دارد کہ سلسلہ مکالمات الٰہیہ منقطع شدہ است۔ کلام بمعنٰی وحی است در قرآن ہم ذکر الہام نامدہ بلکہ ذکر وحی آمدہ و قطعیت الہام و وحی یک معنے دارد و نمے پندارند کہ اگر ایں سلسلہ منقطع شود باقی از برکاتِ اسلام چہ مے ماند۔ پس ہمیں معنے است کہ گفتم در مثالِ آئنہ و ظل کہ ظل ہمہ نقوشِ اصل در خود دارد و ظلِ نبوت ہمیں طور است البتہ آں نبوت منقطع است کہ بلا توسل و سلسلہ رسول اللہ آید و ہر کسے کہ ازیں انکار مے کند کافر میشود و از دین خارج مے شود اگر دین بایں طور مردہ است کدام توقع نجات باید داشت اگر انسان اندریں عالم تکمیل معرفت نکند چہ دلیل دارد کہ در روز آخرۃ خواہد کرد بجز ایں صورت کہ ما پیش مے کنیم دیگر صورت نیست من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی[1]۔ از بسیار مقامات قرآن معلوم مے شود کہ ایں امت خیر امت ہست پس کدام خیر است کہ در امت موسوی الہام مکالمہ وغیرہ مے شدی و در ایں امت نمے شود و کدام مشابہت ایشاں را بامت موسوی خواہد بود۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تکمیل کنندہ ایں عالم اند یعنی کمال ایں عالم بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ختم شدہ و ایں معنے ختم نبوت است کہ کسے دیگر نبی نمے شود حتی کہ مُہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر نبوت او نشود چنانچہ مثال آں دریں دنیا دیدہ بود کہ ہیچ پروانہ سرکاری تصدیق نمے شود حتی کہ مہر سرکاری بر او نبود۔ پس ازیں آیت معلوم مے شود کہ اللہ تعالےٰ بطور جسمانی نفی ابوت مے فرماید و بطور رُوحانی اثبات نبوت میکند بہر حال ایمان باید آورد کہ برکات و افادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری است۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[2]۔ دریں آیت معنیٰ محبت چیست؟ ایں معنے ہرگز نیست کہ خدا بر کسے را کہ محبت میکند دریں عالم او را کور مے دارد۔ اگر ایں دو نال

[1] بنی اسرائیل: ۷۳ [2] اٰل عمران: ۳۲

راعقل بودے میدانندے۔ انسان ہمہ باشد کہ طالبِ مغز شود نہ کہ پوست ہمہ ابدال طالب مغز شدہ اند ایمان ہمیں است کہ ایشاں نخواہند کہ چشم آنہا بینا شود نہ کور۔ باعث مغضوب نشدن اہلِ اسلام چیست ہمیں کہ از زبان میگویند کہ ایمان آوردیم و در دل ہیچ شیئے نیست و ہمیں معنے ایں آیت است ما قدروا اللہ حق قدرہٖ[1] و ہمیں نابینائی کہ ذکر کردیم موجب فسق و فجور است و برائے ہمیں بینائی خداوند تعالےٰ ایں سلسلہ را قائم کردہ است کہ باز آں بینائی کہ رفتہ ہست پیدا شود خدا مے خواہد . . . . کہ ثابت کند آں نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ است و افادۂ آں ہم زندہ است اگر ایں نبود کدام فرق در نصاریٰ و اسلام است، آں مُردہ و ایں مُردہ۔ آں قصہ و حکایت است ایں ہم قصہ و حکایت است اندریں صورت فیصلہ چگونہ شود خدا تعالےٰ ارادہ فرمائید کہ آں برکات سماویہ بنمائد و اگر مَردے مثل آں (نبی صلے اللہ علیہ وسلم) نمے آید چگونہ بنمائد ایں ہمہ کار خدا است ما بندگانیم در ہیچ امید فتح و شکست نداریم او خوب مے داند کہ کدام شوریدہ است بہر مصلحتے کہ خواہد خواہد کرد۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۵ و ۶ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۲۰ نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

پگٹ کے متعلق دعا۔ رؤیا۔ الہام

فرمایا:۔

رات کو میں نے پگٹ کے متعلق دعا کی اور صبح بھی کی۔ مجھے یہ دکھایا گیا کہ کسی نے مجھے چار پانچ کتابیں دی ہیں جن پر لکھا ہوا تھا۔ تسبیح تسبیح تسبیح۔ بعد اس کے الہام ہوا۔ اللہ شدید العقاب انہم لایحسنون۔ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موجودہ حالت خراب ہے اور یا یہ کہ آئندہ توبہ نہ کریں گے۔ اور یہ معنے بھی اس

[1] الانعام: ۹۲

کے ہیں لا یؤمنون باللہ اور یہ مطلب بھی اس سے ہے کہ اس نے یہ کام اچھا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ پر یہ افترار اور منصوبہ باندھا اور اللہ شدید العقاب ظاہر کرتا ہے کہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ حقیقت میں یہ بڑی شوخی ہے کہ خدائی کا دعویٰ کیا جائے۔

چکڑالوی

چکڑالوی کا ذکر آنے پر معلوم ہوا کہ اُس نے نماز میں بھی کچھ ردّ و بدل کی ہے۔ التحیات اور درود شریف کو نکال دیا ہے اور بھی بعض تبدیلیاں کی ہیں۔ حضرت اقدس نے چکڑالوی کے فتنہ کو خطرناک قرار دیا اور آپ کی رحمت اور حمیت اسلامی نے تقاضا کیا کہ اس کے متعلق ایک اشتہار بطور محاکمہ کے لکھا جاوے جس میں یہ دکھایا جائے کہ اس نے اور مولوی محمد حسین نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو صراط مستقیم پر رکھا ہے۔

فرمایا:۔

نبی ہمیشہ دو چیزیں لے کر آتے ہیں۔ کتاب اور سُنّت۔ ایک خدا کا کلام ہوتا ہے اور دوسرے سُنّت۔ یعنی اس کتاب پر خود عمل کر کے دکھا دیتے ہیں۔ دُنیا کے کام بھی بغیر اس کے نہیں چل سکتے۔ دقیق مسائل جو اُستاد بتاتا ہے۔ پھر اس کو حل کر کے بھی دکھا دیتا ہے۔ پس جیسے کلام اللہ یقینی ہے۔ سنت بھی یقینی ہے۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں صراط مستقیم پر کھڑا رکھا ہے۔ وہابیوں نے افراط کی اور قرآن پر حدیث کو قاضی ٹھہرایا اور قرآن کو اس کے آگے مستغیث کی طرح کھڑا کر دیا اور چکڑالوی نے تفریط کی کہ بالکل ہی حدیث کا انکار کر دیا۔ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ ہم کو خدا تعالیٰ نے حَکَم ٹھہرایا ہے۔ اس لئے ہم ایک اشتہار کے ذریعہ اس غلطی کو ظاہر کریں گے اور مضمون پیچھے لکھیں گے۔ اول خویش بعد درویش

جس راہ پر خدا تعالیٰ نے ہم کو چلایا ہے اس پر اگر غور کیا جائے تو ایک لذت آتی ہے قرآن شریف نے کیا ٹھیک فیصلہ فرمایا۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ[1] یہ ایک قسم کی پیشگوئی ہے جو ان وہابیوں کے متعلق ہے اور سنّت کی نفی کرنے والوں کے لئے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[2]۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۵ و ۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

لنڈن میں اول ولد الاسلام

حضرت اقدس اول شیخ رحمت اللہ صاحب سے اُن کے حالاتِ سفر دریافت فرماتے رہے پھر حضور نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ پگٹ سے ملنے گئے تھے۔ شیخ صاحب نے سُنایا کہ ہم نے بہت کوشش کی مگر وہ ہم سے ملا نہیں۔ شیخ صاحب کو ایک اور فرزند اُن کی یورپین منکوحہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اور جس کا نام حضرت اقدس کے ارشاد کے مطابق عبداللہ رکھا گیا ہے۔ اس کے حالات دریافت فرمانے کے بعد فرمایا کہ

لنڈن میں وہ اوّل ولد الاسلام ہے۔

بعد ازاں طاعون اور ٹیکہ کا ذکر ہوتا رہا۔ حضور نے فرمایا۔

آخرکار آسمانی ٹیکہ ہی رہ جائے گا۔*

(البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

حاشیہ: * جمعہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء کی ڈائری الحکم نے بہت ہی مختصر لکھی ہے مگر جو مضمون اس میں لکھا ہے اس کا البدر میں کوئی ذکر نہیں لہٰذا وہ الحکم سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"جمعہ پڑھ کر فرمایا کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] الجاثیہ: ۷، [2] اٰل عمران: ۳۲

۲۵؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

بعد ادائے نماز مغرب لوگوں کا دستور ہے کہ وہ پروانہ وار گرتے ہیں اور ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک قدم آگے ہو جاؤں تاکہ حضرت اقدس کے دہن مبارک سے جو کلمات طیبات نکلتے ہیں وہ اچھی طرح سُن سکوں۔ یہ کشمکش دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ

آپس میں مل جل کر بیٹھ جاؤ جس قدر تم آپس میں محبت کرو گے اسی قدر اللہ تعالےٰ تم سے محبت کرے گا۔

مضمون زیر قلم کی نسبت ایک استفسار پر فرمایا کہ

یونہی امتحاناً میں نے دیکھنا چاہا تھا کہ کچھ لکھ سکتا ہوں کہ نہیں مگر چند ہی حرف لکھنے کے بعد سر کو چکر آ گیا اور میں گرنے کے قریب ہو گیا۔

مصری اخبار اللواء کے اعتراض کا جواب

مصر کے اخبار اللواء نے کشتی نوح میں مندرجہ آیت[1] کا ذکر کرکے اعتراض کیا تھا کہ یہ لوگ قرآن کو نہیں سمجھتے اور ان کو پتہ نہیں کہ ما من داءٍ الا ولہٗ دواءٌ حدیث میں ہے اس پر ایمان نہیں لاتے۔ حضور نے فرمایا کہ

اس نے ہمارے مطلب کو نہیں سمجھا اور پہلی آیت کو دیکھ کر صرف اپنے اندرونی بغض کی وجہ سے ایک شاعرانہ مذاق میں مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ ہم دواؤں سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷

رات میں نے محمد حسین چکڑالوی کے متعلق جو مضمون لکھا تھا تو میں نے دیکھا کہ یہ دونو (یعنی چکڑالوی اور مولوی محمد حسین) میرے سامنے موجود ہیں تو میں نے اُن کو کہا کہ خسفت القمر والشمس فی رمضان فبایّ اٰلآء ربّکما تکذّبٰن۔ اور اٰلآء سے مراد میں خود ہوں۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴؍نومبر ۱۹۰۲ء)

[1] لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولٰنا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون[2] (مرتب)

[2] التوبۃ: ۵۱

کب انکار کرتے ہیں۔ ہم تو قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شئے میں فوائد رکھے ہیں۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس (طاعون) کے متعلق ہمیں قبل از وقت سمجھا دیا ہے کہ یہ اس کا حقیقی علاج ہے اور یہ امر اس نے ہمیں بطور نشان کے دیا ہے تو اب ہم نشان کو کیسے مشتبہ کریں اور جب اللہ تعالےٰ کوئی نشان دے تو اس کی بے قدری کرنا صرف معصیت ہی نہیں بلکہ کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ ؎

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

حفظ مراتب کا لحاظ ان لوگوں کے وہم وگمان میں بھی کبھی نہیں آتا یا افراط ہے یا تفریط۔

خیر اب اس کے مقابلہ میں بھی لکھنے کا عمدہ موقعہ مل گیا ہے۔ بہتر ہے کہ ایک اشتہار میں مختصراً اپنے دعاوی اور دلائل لکھ دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بہانے ڈھونڈتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب تبلیغ کا کوئی عمدہ ذریعہ نہ تھا تو اللہ تعالےٰ اسی طرح دشمنوں کے ہاتھوں سے تبلیغ کراتا تھا۔ کوئی شاعر آتا تو شعر کہہ جاتا۔ لوگ بُرے بُرے پیرایوں میں آپؐ کا ذکر کرتے مگر سعید رُوحیں انہیں کے الفاظ سے آپؐ کی طرف کھچی چلی آتیں۔ یہ ہمیشہ سنت اللہ ہے۔

عذاب سے حفاظت

بٹالہ میں طاعون کا ذکر سُنکر فرمایا کہ

یہ سرزمین بہت گندی ہے خوف ہے کہیں تباہ نہ ہو جائے۔ اللہ کا رحم ہے اس شخص پر جو امن کی حالت میں اسی طرح ڈرتا ہے جس طرح کسی مصیبت کے وارد ہونے پر ڈرتا ہے جو امن کے وقت خدا تعالےٰ کو نہیں بھُلاتا۔ خدا تعالےٰ اُسے مصیبت کے وقت نہیں بھُلاتا اور جو امن کے زمانہ کو عیش میں بسر کرتا ہے اور مصیبت کے وقت دعائیں کرنے لگتا ہے تو اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ جب عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو توبہ

کا دروازہ بند ہو جاتا ہے پس کیا ہی سعید وہ ہے جو عذاب الٰہی کے نزول سے پیشتر دُعا میں مصروف رہتا ہے۔ صدقات دیتا ہے اور امر الٰہی کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرتا ہے۔ اپنے اعمال کو سنوار کر بجالاتا ہے یہی سعادت کے نشان ہیں۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح سعید اور شقی کی شناخت بھی آسان ہوتی ہے۔

فرمایا:۔

اصل میں انسان جُوں جُوں اپنے ایمان کو کامل کرتا ہے اور یقین میں پکا ہوتا جاتا ہے تُوں تُوں اللہ تعالےٰ اس کے واسطے خود علاج کرتا ہے۔ اس کو ضرورت نہیں رہتی کہ دوائیں تلاش کرتا پھرے وہ خدا تعالیٰ کی دوائیں کھاتا ہے اور خدا تعالےٰ خود اس کا علاج کرتا ہے بھلا کوئی دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ فلاں دوا سے فلاں مریض ضرور ہی شفا پا جائے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دوا اُلٹا ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے بعض وقت تشخیص میں غلطی ہوتی ہے بعض وقت دواؤں کے اجزاء میں غلطی ہو جاتی ہے۔ غرض حتمی علاج نہیں ہو سکتا۔ ہاں خدا تعالےٰ جو علاج فرماتا ہے وہ حتمی ہوتا ہے۔ اس سے نقصان نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات ذرا مشکل ہے۔ کامل ایمان کو چاہتی ہے اور یقین کے پہاڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ تعالےٰ خود معالج ہوتا ہے مجھے یاد ہے ایک دفعہ دانت میں سخت درد تھا۔ میں نے کسی سے دریافت کیا کہ اس کا کیا علاج ہے۔ اس نے کہا کہ موٹا علاج مشہور ہے علاجِ دنداں اخراجِ دنداں۔ اس کا یہ فقرہ میرے دل پر بہت گراں گذرا کیونکہ دانت بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے۔ اسے نکال دینا ایک نعمت سے محروم ہونا ہے اسی فکر میں تھا کہ غنودگی آئی اور زبان پر جاری ہوا۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ[1]۔ اس کے ساتھ ہی معاً درد ٹھہر گیا۔ اور پھر نہیں ہوا۔ غرضیکہ لوگ اعتراض کے واسطے دوڑتے ہیں حقیقت کے واسطے نہیں دوڑتے اور نہ اسے دیکھتے ہیں۔ اعتراض کی صورت کوئی نظر آجائے تو اس کے واسطے عید ہو جاتی ہے۔ ہم نے کشتی نوح میں کہاں لکھا ہے

[1] الشعراء: ۸۱

کہ دوائیں لغو محض ہیں۔ ٹیکہ نہ کروانے کی صاف وجہ لکھی ہے کہ چونکہ ہمیں آسمانی ٹیکہ لگایا گیا ہے جو کہ ایک نشان ہے اس لئے اس مادی علاج کو خدا تعالےٰ کے نشان میں مشترک کر کے ہم شرک کے مرتکب ہونا نہیں چاہتے۔ حقائق اپنے اپنے محل پر ہی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے روزہ کیسے خدا تعالےٰ کی رضا اور ثواب کا موجب ہے لیکن اگر کوئی عید کے دن روزہ رکھے تو کیا وہ ثواب کا مستحق ہوگا یا کسی عذاب کا؟ ان لوگوں نے ہمارے متعلق ذرا سوچ سے کام نہیں لیا اگر تقویٰ اور نیک نیتی سے کام لیتے اور سوچتے تو اتنا غوغانہ کرتے بلکہ ان کو حق سمجھ آجاتا۔ اور وہ ہلاک نہ ہوتے۔ خدا تعالےٰ نیک نیت کو ضائع نہیں کرتا۔

موضع مُدّ میں میاں محمد یوسف صاحب کا بائیکاٹ

حضرت اقدس کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ موضع مُدّ میں محمد یوسف صاحب کا پانی بند کرنے اور تعلقات لین دین، گفتگو، سلام پیام سب ترک کرنے کی تحریک جاری ہے۔ اس لئے اُن کے گھرانے کو سخت تکلیف ہے۔ فرمایا کہ

خدا تعالےٰ آسمان پر دیکھتا ہے اُن کو اس کا اجر دے گا اور تکلیف دینے والوں کو سزا دے گا۔ یونہی ان کو چھوڑتا نہیں۔

جنّوں کے متعلق جواب

جنّات کے وجود اور اُن کی معرفت اشیاء منگوانے اور کھانے کا سوال ہوا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

اس پر ہمارا ایمان ہے۔ عرفان نہیں۔ نیز جنّات کی ہمیں اپنی عبادات، معاشرت تمدّن اور سیاست وغیرہ امور میں ضرورت ہی کیا ہے۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا عمدہ فرمایا ہے۔ من حسن اسلام المرءِ

ترکہ مالا یعنیہ۔ انسانی عمر بہت تھوڑی ہے۔ سفر بڑا کڑا اور لمبا ہے۔ اس واسطے زادراہ لینے کی تیاری کرنی چاہیئے۔ بیہودہ محض اور لغو کاموں میں پڑے رہنا مومن کی شان سے بعید ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی صلح کرو۔ اور اسی پر بھروسہ کرو۔ اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں۔ بات یہ ہے کہ نرے الفاظ اور باتوں سے کچھ نہیں بنتا۔ جبتک خدا تعالےٰ اپنے فضل سے دلوں میں نہ گاڑ دے۔ خدا تعالےٰ پر بھروسہ کرنا ہی ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یہ عالمگیر موت جو آتی ہے۔ اس کا علاج بجز ایمان کے صیقل کرنے اور یقین کی جلا کے ہرگز ممکن نہیں۔

متقی طاعون سے محفوظ رہے گا

یہ (طاعون) زمینی چیز نہیں ہے کہ زمین اس کا علاج کر سکے۔ یہ آسمان سے آتی ہے۔ اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ رجز من السّمآء ہے۔ سابقہ انبیاء کے وقت بھی یہ بطور عذاب کے ایک نشان ہوتا رہا ہے۔ پس اس کا علاج یہی ہے کہ اپنے ایمان کو اس کی انتہائی غایت تک پہنچا دو۔ اس کے آنے سے پیشتر خدا تعالیٰ سے صلح کرو۔ استغفار کرو۔ توبہ کرو۔ دعاؤں میں لگو۔ اس (مرض طاعون) کی کوئی دوائی نہیں ہے۔ مرض ہو تو دوا ہو۔ یہ تو ایک عذاب الٰہی اور قہر ایزدی ہے۔ بجز تقویٰ کے اس کا اور کیا علاج ہے۔ یاد رکھو کہ اگر گھر بھر میں ایک بھی متقی ہوگا تو خدا تعالےٰ اس کے سارے گھر کو بچائے گا۔ بلکہ اگر اس کا تقویٰ کامل ہے تو وہ اپنے محلے کا بھی شفیع ہو سکتا ہے۔ اگرچہ متقی مر بھی جائے تو وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے مگر ایسے وقت میں جبکہ یہ موت ایک قہر الٰہی کا نمونہ ہے اور بطور نشان کے دنیا پر آئی ہے۔ میرا دل ہرگز شہادت نہیں دیتا کہ کوئی متقی اس ذلت کی موت سے مرے متقی ضرور بچایا جائے گا۔

جماعت کو کشتی نوح میں مذکورہ تعلیم پر عمل کرنیکی نصیحت

میں نے بارہا اپنی جماعت کو کہا ہے کہ تم نرے اس بیعت پر ہی بھروسہ نہ کرنا۔ اس کی

حقیقت تک جب تک نہ پہنچو گے تب تک نجات نہیں. قشر پر صبر کرنے والا مغز سے محروم ہوتا ہے اگر مُرید خود عامل نہیں تو پیر کی بزرگی اُسے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ جب کوئی طبیب کسی کو نسخہ دے اور وہ نسخہ لے کر طاق میں رکھ دے تو اُسے ہرگز فائدہ نہ ہوگا کیونکہ فائدہ تو اس پر لکھے ہوئے عمل کا نتیجہ تھا۔ جس سے وہ خود محروم ہے۔ کشتی نوح کا بار بار مطالعہ کرو اور اس کے مطابق اپنے آپ کو بناؤ۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[1]۔ یوں تو ہزاروں چور۔ زانی بدکار۔ شرابی۔ بدمعاش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر کیا وہ درحقیقت ایسے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ امتی وہی ہے جو آپ کی تعلیمات پر پُورا کاربند ہے۔ یہ طاعون کوئی مرض نہیں ہے۔ صرف لوگوں کو سیدھا کرنے کے لئے آئی ہے۔ تم اس کے سیدھا کرنے سے سیدھے نہ بنو بلکہ خدا تعالیٰ کے واسطے سیدھے ہو جاؤ تاکہ شرک سے بَری رہو۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے صرف غریب لوگ ہی مَرتے ہیں۔ یہ ایک اور بدقسمتی ہے۔ بجائے عبرت پکڑنے کے اُلٹا اعتراض کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صرف بیماری ہے اس کو نماز، روزے اور نیکی بدی سے کیا تعلق ہے ڈاکٹروں سے علاج کروانا چاہیئے۔ غرضیکہ بے باکی کی یہاں تک نوبت پہنچی ہوئی ہے اور طاعون تو خدا کا ایک آئنہ ہے جس میں خدا اپنا چہرہ دکھائے گا۔ یاد رکھو کہ طاعون کا نام خدا نے رحمت نہیں رکھا کہ اس سے مرنے والا شہید ہو۔ یہ تو زمانہ تحدی کا ہے۔ بطور نشان کے آئی ہے۔ مومن اور غیر مومن میں فرق کر کے جائے گی۔ اس کا نام رجز ہے اور میرے الہام میں بھی اسے غضب کہا گیا ہے۔ آج سے تیرہ سو برس پیشتر قرآن مجید میں اس کی خبر ہے اخرجنا لهم دابة من الارض تكلمهم[2] الخ یعنی جب گمراہی اور ضلالت کا زمانہ ہوگا۔ ایسے وقت میں لوگوں کا ایمان خدا پر صرف بچّوں کے کھیل کی طرح ہوگا۔ تب ہم اُن میں ایک کیڑا نکالیں گے جو اُن کو کاٹیگا۔ غرض یہ (طاعون) خدا تعالیٰ کا ایک قہر ہے جس سے بچنے کیواسطے ہر ایک کو لازم ہے کہ اپنی نجات کا آپ سامان کرے۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۸-۳۹ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] الشمس : ۱۰ [2] النمل : ۸۳

۲۶ نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

طاعون کا ذکر

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ چند ایک نو وارد احباب نے بیعت کی۔ اس کے بعد طاعون کے ذکر پر فرمایا:۔

جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور جو لاپروا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس سے لاپروا ہے۔ اب اس وقت بھی جو نہ سمجھے تو اس کی قسمت ہی بَد ہے۔

بیعت میں تین نوجوان ایسے بھی شامل تھے جو کہ صرف ایک دن کی رخصت پر آئے تھے۔ عصر کے وقت قادیان پہنچے اور اگلے روز انہوں نے کیمپ میں حاضر ہونا تھا اُن کے اس اخلاص اور محبت پر فرمایا کہ

باوجودیکہ فوجی نوکر ہیں مگر خدا تعالیٰ نے دین کی محبت دل میں ڈال دی ہے۔ صدق اور اخلاص لے کر آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر ایک کو یہ نصیب کرے۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ میرے سر میں درد رہتا ہے۔ گرمی کے وقت سخت تکلیف رہتی ہے۔ دعا فرمائی جائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ علاج بھی کیا ہے؟ اس نے عرض کی۔ ہاں کیا ہے مگر فائدہ نہیں ہوا۔ فرمایا کہ

ہڈیوں کا شوربہ پیا کرو۔ ہڈیاں ایسی لیں جن میں کچھ گوشت چمٹا ہوا ہو۔ ان کو اُبال کر شوربہ ٹھنڈا کرو کہ چربی جم جائے۔ اس چربی کو نکال دو۔ یا ایک رُومال پانی میں تر کرکے شوربہ اس میں چھانو کہ چربی اس میں لگ جائے اور خالص شوربہ رہ جائے وہ پیا کرو۔ ہم دعا بھی کریں گے۔

مخالفت پر صبر کرنے کی تلقین

پھر اُس شخص نے عرض کی کہ میرے گاؤں میں ایک مولوی جو مدرسہ میں ملازم ہے سخت مخالف ہے اور مجھے بہت تکلیف دیتا ہے حضور دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس کی تبدیلی

وہاں سے کر دے۔ حضرت اقدس نے اس موقعہ پر تبسم فرمایا اور پھر اسے اس طرح سمجھایا کہ اس جماعت میں جب داخل ہوئے ہو تو اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تکالیف نہ پہنچیں تو پھر ثواب کیونکر ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ[۱۳] برس دُکھ اٹھائے۔ تم لوگوں کو اس زمانے کی تکالیف کی خبر نہیں اور نہ وہ تم کو پہنچیں ہیں مگر آپ نے صحابہؓ کو صبر ہی کی تعلیم دی۔ آخر کار سب دشمن فنا ہو گئے۔ ایک زمانہ قریب ہے کہ تم دیکھو گے کہ یہ شریر لوگ بھی نظر نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اس پاک جماعت کو دُنیا میں پھیلائے۔ اب اس وقت یہ لوگ تمہیں تھوڑے دیکھ کر دُکھ دیتے ہیں مگر جب یہ جماعت کثیر ہو جائے گی تو یہ سب خود ہی چُپ ہو جائیں گے۔ اگر خدا تعالےٰ چاہتا تو یہ لوگ دُکھ نہ دیتے اور دُکھ دینے والے پیدا نہ ہوتے مگر خدا تعالیٰ اُن کے ذریعہ سے صبر کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ تھوڑی مدت صبر کے بعد دیکھو گے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو شخص دُکھ دیتا ہے یا تو توبہ کر لیتا ہے یا فنا ہو جاتا ہے۔ کئی خط اس طرح کے آتے ہیں کہ ہم گالیاں دیتے تھے اور ثواب جانتے تھے لیکن اب توبہ کرتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں۔ صبر بھی ایک عبادت ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ صبر والوں کو وہ بدلے ملیں گے جن کا کوئی حساب نہیں ہے یعنی ان پر بے حساب انعام ہوں گے۔ یہ اجر صرف صابروں کے واسطے ہے۔ دوسری عبادت کے واسطے اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ جب ایک شخص ایک کی حمایت میں زندگی بسر کرتا ہے تو جب اُسے دُکھ پر دُکھ پہنچتا ہے تو آخر حمائت کرنے والے کو غیرت آتی ہے اور وہ دُکھ دینے والے کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت خدا تعالےٰ کی حمائت میں ہے اور دُکھ اُٹھانے سے ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ صبر جیسی کوئی شے نہیں ہے۔

یہ زمانہ مامور من اللہ کے آنیکا ہے

زمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

عجیب بات ہے کہ ہندو بھی کہتے ہیں کہ یہ زمانہ ایک بڑے اوتار کا ہے۔ نواب

صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ نزول مسیح میں کوئی شخص چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھتا (یعنی جس قدر مکاشفات اور اخبار ہیں وہ تمام چودھویں صدی تک کی خبر دیتی ہیں) ترقی قمر بھی ۱۴ تک ہی معلوم ہوتی ہے جیسے قرآن شریف میں ہے قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ[1]

ایک حافظ نے درخواست کی کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کی میری منزل ٹھہر جائے مگر ناکامیاب ہی رہتا ہوں۔ دعا فرمائیے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

قرآن خود یہ خاصیت رکھتا ہے کہ اس نقص کو رفع کر دے۔ محبت سے پڑھتے رہو ہم بھی دعا کریں گے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۹ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

اعجاز احمدی کے متعلق جعفر زٹلی کے اعتراض کا جواب

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں تشریف فرما ہوئے۔ جعفر زٹلی نے اپنے اخبار میں لکھا تھا کہ یہ بیان غلط ہے کہ اعجاز احمدی ۵ دن میں تیار ہوئی بلکہ اس کا مسودہ ایک عرصہ سے تیار ہو رہا تھا۔ صرف مُدّ کے واقعات کا تھوڑا سا مضمون ان ایام میں بنا لیا ہے۔ اس سفید جھوٹ پر حضرت تبسّم فرماتے رہے۔ اور تعجب کرتے رہے کہ ان لوگوں کو اس قدر جھوٹ پر جھوٹ کی کس طرح جرأت ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ

ہر ایک بات کے واسطے فیصلہ ہوتا ہے جب تک خدا تعالیٰ ان لوگوں پر اوّل سبقت نہ کرے ہم بھی نہیں کرتے۔

[1] یٰسٓ : ۴۰

تین چیزوں پر دلائل کی بنیاد

اس کے بعد حضرت اقدس نے ارادہ ظاہر فرمایا کہ

اگر طبیعت درست ہو جائے تو نزول مسیح کو مکمل کر کے ایک رسالہ بزبان فارسی تحریر کیا جائے جس میں دلائل کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی جائے جن کو ہر ایک نبی پیش کرتا رہا ہے اوّل نصوص۔ دوسرے معجزات۔ تیسرے عقل۔

پھر فرمایا:۔ مشکل یہ ہے کہ عادت بھی ایک زنگ ہے۔ جب دل پر بیٹھ جائے۔ تو ہزارہا دلائل ہوں ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جیسے ایک ہندو کے دل میں گنگا کی جو عظمت بیٹھی ہے اس سے دلائل پوچھو تو کچھ نہ دے گا صرف عادت کے طور پر اس کی بزرگی ہی مانتا جائے گا۔ اسی طرح نزول مسیح کے بارے میں ان لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ یہی مانتے ہیں کہ اسی جسم کے ساتھ آسمان سے آئے گا۔ یہ مرض بھی دق کی طرح لگا ہے۔ لیکن میں اس پر خوش ہوں کہ میرا خدا ہر ایک شئے پر قادر ہے وہ اس مرض کے دفعیہ کے ہزارہا سامان پیدا کرے گا۔

جمعہ کی تعطیل کے لئے ایک میموریل دربار دہلی کی تقریب پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں پیش کرنے کی تجویز حضرت اقدس نے کی ہے جو کہ عنقریب شائع ہو گا۔

اس کے بعد ترقی جماعت کا ذکر ہوا کہ

یہ ایک عظیم الشان امر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین سالوں میں ظاہر کیا ہے۔ ان تین سالوں سے پیشتر ہماری جماعت صرف کئی سو تھی اور اب ان تین سالوں میں ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی۔ باوجودیکہ ہر طرف سے مزاحمت ہوتی رہی۔ مخالفت میں

کوئی فرق نہیں رکھا اور ناخنوں تک زور لگایا۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۸ و ۹ صفحہ ۳۹ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

(بوقت سیر)

ٹیکہ طاعون کے خطرناک نتائج

۸ بجے کے قریب حضرت اقدس تشریف لائے اور احباب کے ہمراہ سیر کو چلے۔ گذشتہ شب سول ملٹری گزٹ اور پایونیئر کے حوالہ سے ٹیکہ طاعون کے خطرناک نتائج جو حضرت اقدس کو سنائے گئے تھے کہ ملکوال میں ۱۹ موتیں ٹیکہ لگنے کے باوجود ہوئیں اس پر فرمایا کہ

یہ بھی خدا تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے۔ ہماری کشتی نوح میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آسمانی ٹیکہ کے علاوہ اور اس کے مقابلہ پر کسی اور طرح سے زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے تو ہمارا دعویٰ جھوٹا۔

اس ٹیکہ کے انتظام پر گورنمنٹ کا لاکھوں روپیہ صرف ہوتا ہے (مگر نتیجہ ظاہر ہے)

اس میں بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہماری کشتی نوح پر بڑے بڑے متعصب اخباروں نے حتی کہ مصر کے اللواء نے بھی مخالفت میں مضمون درج کیا۔ کیا ان کی رُوسیاہی ہوئی یا نہیں؟ حق کا رعب ایسا ہوتا ہے کہ منہ بند ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ اللواء کیا لکھے گا اور اب بھی شرمندہ ہوگا یا نہیں؟ ایک دو دن اور ٹھہر جائیں اور دیکھ لیں۔ ذرا طبیعت ٹھیک ہو جائے تو ان موتوں کے مفصل حالات دریافت کرکے پھر اللواء کو پیش کئے جائیں۔ یہ اس کے لئے ایک بڑا تازیانہ ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طاقتیں ہیں اور اسی کا کام ہے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے چمکانے اور ہمارے اس سلسلہ کی تائید

ہیں اس قدر کثرت کے ساتھ زور دے رہا ہے۔ پھر بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں یہ بھی ایک عادت اللہ ہے کہ مکذبین کی تکذیب خدا تعالیٰ کے نشانات کو کھینچتی ہے جب اُن کی تکذیب ٹھنڈی ہو جائے گی تو یہ نشانات بھی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ برسات میں جس قدر گرمی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر بارش زور سے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت کا نظارہ دکھلا دیا ہے۔ اُس نے کیا کیا کچھ کیا ہے۔ ہماری تائید میں آسمان کو چھوڑا نہ زمین کو، مگر اِن لوگوں نے کسی سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ ہمیشہ سے ان لوگوں کا خیال تھا کہ صدی کے سر پر کوئی آیا کرتا ہے۔ اس صدی میں سے بیس سال گذر گئے مگر آجتک ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اب تو قیامت کا سامنا باقی ہے اور تو کوئی کسر باقی نہیں۔ ایک مخالف نے ایک دفعہ مجھے خط لکھا کہ آپ کی مخالفت میں لوگوں نے کچھ کمی نہیں کی۔ مگر ایک بات کا جواب ہمیں نہیں آتا کہ باوجود اس مخالفت کے آپ ہر بات میں کامیاب ہی ہوتے جاتے ہیں۔ یہ تائید کیوں ہوتی ہے؟ ایمان کی لذت بھی یہی ہے کہ خدا کی نصرتوں کو انسان آنکھوں سے دیکھ لے تب آنکھیں کھلتی ہیں۔ جب انسان سمجھ لیتا ہے کہ سچ یہی ہے تو پھر اس پر مرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔ جبتک[1] خدا تعالےٰ کی نصرتیں چمک کر ظاہر نہیں ہوتیں اس وقت تک تو تذبذب میں رہتا ہے مگر جب اُن کی چمکار نظر آتی ہے تو سینہ کی غلاظتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ یہ کتنی خوشی کی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے اب اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کا تزکیہ نفس کرنے لگا ہے۔ اولیاء خدا تعالیٰ کے وفادار بندے ہی ہوا کرتے ہیں اَور کون ہوتے ہیں۔

[1] الحکم میں اس جگہ مزید مضمون بیان ہوا ہے جو البدر میں نہیں۔ البدر کی باقی ڈائری الحکم کی نسبت زیادہ مفصل ہے مگر ذیل کا مضمون اس میں نہیں۔ الحکم میں لکھا ہے کہ حضور نے فرمایا "دو پہلو غور کے لائق ہیں اوّل یہ کہ بیس سال ہوئے جبکہ ہمارے پاس ایک بھی شخص نہ تھا اور اس وقت پیشگوئی ہو رہی تھی کہ تیرے ساتھ ایک جماعت کثیر ہوگی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فرمایا۔ یہ بھی ایک الہام ہے کہ

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔

طاعون بھی ایک آگ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بہشتی ایک دفعہ دوزخ کی سیر کو جائیں گے اور ایک پیر آگ پر رکھیں گے کہ آگ کس طرح جلاتی ہے تو آگ کہیگی۔ اے مومن ذرا پیچھے ہٹ جا تُو تو مجھے بجھاتا ہے۔

ایک رؤیا

عصر کی نماز سے پیشتر آپ نے تھوڑی دیر مجلس فرمائی اور ایک خواب بیان فرمایا۔ جو حضور نے قریباً دو ہفتے قبل دیکھا تھا۔ وہ خواب یہ ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

میں ایک مقام پر کھڑا ہوں۔ ایک شخص آکر چیل کی طرح جھپٹا مار کر میرے سر سے ٹوپی لے گیا۔ پھر دوسری بار حملہ کر کے آیا کہ میرا عمامہ لے جائے مگر میں اپنے دل میں مطمئن ہوں کہ نہیں لے جاسکتا۔ اتنے میں ایک نحیف الوجود شخص نے اُسے پکڑ لیا۔ مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ یہ شخص دل کا صاف نہیں ہے۔ اتنے میں ایک اور شخص آگیا۔ جو قادیان کا رہنے والا تھا۔ اس نے بھی اُسے پکڑ لیا۔ میں جانتا تھا کہ موخرالذکر ایک مومن متقی ہے پھر اسے عدالت میں لے گئے تو حاکم نے اسے جاتے ہی ۴ یا ۶ یا ۹ ماہ کی قید کا حکم دیا۔

غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت

ایک شخص نے بعد نماز مغرب بیعت کی اور عرض کیا کہ الحکم میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ

دوم۔ مخالفوں کو بار بار کہا جاتا ہے کہ جسقدر شرارتیں اور مکر و فریب تم کرسکتے ہو کرو، پھر ہم اس کو بڑھا کر دکھا دیں گے۔ جیسے فرمایا۔ اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح وانتھیٰ امر الزمان۔ الیس ھٰذا بالحق۔ یعنی اس وقت ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ ہماری جماعت اور ہمارا سلسلہ سچا نہ تھا۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

غیر از جماعت کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ فرمایا
ٹھیک ہے۔ اگر مسجد غیروں کی ہے تو گھر میں اکیلے پڑھ لو۔ کوئی حرج نہیں۔ اولا تھوڑی سی صبر کی بات ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کی مسجدیں برباد کر کے ہمارے حوالہ کر دے گا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کچھ عرصہ صبر کرنا پڑا تھا۔

ہندوؤں کا طاعون سے زیادہ مرنا

موجودہ حالت میں ہندوؤں کے طاعون سے زیادہ مرنے پر فرمایا کہ
اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا[1] یعنی ہم دُور دُور سے زمین کو گھٹاتے چلے آتے ہیں۔ یہ عادت اللہ ہے کہ اول عذاب ایسے لوگوں سے شروع ہوتا ہے جو دُور دُور ہوتے ہیں اور ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں۔ بیوقوف یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف انہیں کے لئے ہے ہمارے لئے نہیں مگر عذاب لپک کر اُن تک پہنچتا ہے جن کو خبر نہیں ہوتی اور بے پروا ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی اس میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ لوگ اور شوخی کریں لوگوں کو اس طاعون کی خبر نہیں ہے۔ وہ مجھے لکھتے ہیں اور اشتہاروں میں شائع کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک مرض ہے جس کا علاج ہو سکتا ہے۔ اب ان پر لازم ہے کہ ڈاکٹروں سے علاج کروائیں۔ آخر سول نے لکھ دیا کہ ہم کہاں تک اس پر پردہ ڈالیں خود گورنمنٹ کو بھی اس ٹیکہ سے تکلیف پہنچی ہے۔

طاعون کی اقسام

فرمایا۔
طاعون تین قسم کی ہے ایک خفیف جس میں صرف گلٹی نکلتی ہے اور تپ نہیں ہوتا۔ دوسری اس سے تیز کہ اس میں گلٹی کے ساتھ تپ بھی ہوتا ہے۔ تیسری سب سے تیز اس میں تپ نہ گلٹی۔ بس آدمی سویا اور مر گیا۔ ہندوستان کے بعض دیہات میں ایسا ہی ہوا ہے

[1] الرعد : ۴۲

کہ دس آدمی رات کو سوئے تو صبح کو مرے ہوئے پائے گئے۔ اس کا اصل باعث طعن ہے۔ یہ لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں مگر ان کو پتہ لگ جائے گا۔ جو مخالف بکواس کیا کرتے ہیں اُن پر یک لخت پتھر نہیں پڑا کرتے اوّل ان کو دُور سے آگ دکھائی جاتی ہے تاکہ وہ توبہ کریں

مخالفوں کا کہنا کہ ہمیں طاعون کیوں نہیں ہوتی

شیخ نور احمد صاحب نے عرض کی حضور اب بھی مخالف کہتے ہیں کہ ہمیں طاعون کیوں نہیں ہوتی۔ فرمایا:-

قرآن میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ لوگ خود عذاب طلب کرتے تھے۔ کمبخت یہ نہیں کہتے کہ دُعا کرو کہ ہمیں ہدایت ہو جائے طاعون ہی مانگتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ دہریہ ہیں۔ خدا پر ان لوگوں کو ایمان نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ اس وقت اپنا چہرہ دکھلانا چاہتا ہے۔ اس وقت جس قدر عیاشی و فسق و فجور حقوق العباد میں خصم وغیرہ ہو رہے ہیں کیا اس کی کوئی حد ہے۔ ہمیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکانداروں کی طرح ایک دوکاندار ہے۔ مگر عنقریب خدا تعالےٰ اُن کو بتلا دے گا کہ دکان تو ہے مگر خدا تعالےٰ کی دُکان ہے ایک صریح کشمکش آسمان سے ہے اور صریح خدا تعالیٰ کے ارادے معلوم ہیں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

میرا ایک پُرانا الہام ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ اَمْرَکَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ براہین کے وقت سے اسے دیکھو کہ کیسا برابر ایک سلسلہ چلا آرہا ہے۔ میں اس امر پہ ایک دفعہ غور کرتا رہا کہ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ ان دونو الہاموں میں کیا مناسبت ہے تو معلوم ہوا کہ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جب اس قدر لوگ آویں گے تو اُن کے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی چاہیئے تو آگے بتلایا کہ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ یعنی وہ کھانے دانے بھی اپنے ہمراہ لائیں گے۔ قادیان کے لوگ خوب واقف ہیں کہ اس وقت کیا حالت تھی کیا یہ انسان کا کام ہے کہ مدتِ دراز کے بعد جو بات ہونے والی تھی وہ اس

قدر پیشتر بتلائی گئی۔ اس لئے جو شخص آتا ہے اور جو تحفہ اور نذر وہ لاتا ہے ہر ایک ایک نشان ہوتا ہے اور اگر اس طرح سے ہم حساب کریں تو نشانات پچاس لاکھ تک پہنچتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی خانگی تکالیف کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ

پورے طور پر خدا تعالیٰ پر توکل یقین اور امید رکھو تو سب کچھ ہو جائے گا۔ اور ہمیں خطوط سے ہمیشہ یاد کراتے رہا کرو۔ ہم دعا کریں گے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۷ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

تقویٰ

۸ بجے کے قریب حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لائے۔ طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کا وجود ثابت ہو رہا ہے۔ مجھے تو اسی میں مزا آتا ہے۔ ساری جڑھ تقویٰ اور طہارت ہے۔ اسی سے ایمان شروع ہوتا ہے اور اسی سے اس کی آبپاشی ہوتی ہے۔ اور نفسانی جذبات دبتے ہیں۔

سلسلہ کی ترقی

پھر اعجاز احمدی اور اپنے سلسلہ کی بے نظیر ترقی پر فرمایا کہ

اگر کذاب کا یہ حال ہے تو پھر صدق کی مٹی پلید ہے۔ ان لوگوں میں ایسی کمزوریاں ابھی ہیں جن پر ایک سخت انقلاب آئے گا جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوسفیان ایک بڑا ضعیف القلب اور کم فراست والا آدمی تھا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ

پر فتح پائی تو اسے کہا کہ تجھ پر واویلا۔*

اس نے جواب میں کہا کہ اب سمجھ آگئی ہے کہ تیرا خدا سچا ہے۔ اگر ان بُتوں میں کچھ ہوتا تو یہ ہماری اس وقت مدد کرتے۔ پھر جب اسے کہا گیا کہ تو میری نبوت پر ایمان لاتا ہے۔ تو اُس نے تردد ظاہر کیا اور اس کی سمجھ میں توحید آئی نبوت نہ آئی۔ بعض مادے ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں فراست کم ہوتی ہے۔ جو توحید کی دلیل تھی وہی نبوت کی دلیل تھی۔ مگر ابوسفیان اس میں تفریق کرتا رہا۔ اسی طرح سعید لوگوں کے دلوں میں اثر پڑ جائیگا سب ایک طبقہ کے انسان نہیں ہوتے۔ کوئی اوّل جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ کوئی اوسط درجہ کے کوئی آخر درجہ کے۔

میری ایک پرانی وحی ہے۔ یخرّون علی الاذقان سجّدًا ربّنا اغفر لنا انّا کنّا خاطئین۔ یعنی پیچھے آنے والے یہ کہیں گے۔ ان کے لئے آگے خوشخبری بھی ہے لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔[1] محمد حسین کو فرعون کہا گیا ہے اور نذیر حسین کو ہامان۔ ھامان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ اسی طرح نذیر حسین بے نصیب گیا۔ اور میرا استنباط ہے کہ جس طرح فرعون نے اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ[2] کہا تھا ویسے ہی یہ (محمد حسین) بھی کہیگا۔ محی الدین صاحب ابن عربی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں کہ فرعون جہنم میں جائیگا یہ ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جہنم میں ڈالا۔ شائد یہ رعایت اس کے ساتھ اس لئے ہو کہ

* ۔ الحکم سے:۔
"معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں ابھی ایسی رُوحیں بھی ہیں کہ جب ان کی آنکھیں کُھلیں گی جب ایک انقلاب نظر آئے گا۔ جیسے ابوسفیان میں فراست کم تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو کہا گیا تو اب بھی نہیں سمجھتا؟ تجھ پر واویلا۔ تجھے ابتک پتہ نہیں لگا کہ یہ انسانی ہاتھ کا کام نہیں۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰؍ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] یوسف: ۹۳ [2] یونس: ۹۱

اس نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا۔ پرورش کیا۔ تعلیم دلوائی، تربیت کی۔ مگر ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دوسرے کی تربیت کا ذریعہ نہیں ملا۔ صرف خدا تعالیٰ نے ہی کی۔

نماز اور استغفار غفلت دل کا علاج ہیں

سیر سے واپس ہوتے ہوئے ایک حافظ صاحب نے آپ سے مصافحہ کیا۔ اور عرض کی کہ میں نابینا ہوں۔ ذرا کھڑے ہو کر میری عرض سُن لیں۔ حضور کھڑے ہو گئے۔ اُس نے کہا میں آپ کا عاشق ہوں اور چاہتا ہوں کہ غفلت دور ہو۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

نماز اور استغفار دل کی غفلت کے عمدہ علاج ہیں۔ نماز میں دعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ مجھ میں اور میرے گناہوں میں دوری ڈال۔ صدق سے انسان دعا کرتا رہے۔ تو یہ یقینی بات ہے کہ کسی وقت منظور ہو جائے۔ جلدی کرنی اچھی نہیں ہوتی۔ زمیندار ایک کھیت بوتا ہے تو اسی وقت نہیں کاٹ لیتا۔ بے صبری کرنے والا بے نصیب ہوتا ہے۔ نیک انسان کی یہ علامت ہے کہ وہ بے صبری نہیں کرتا۔ بے صبری کرنے والے بڑے بڑے بے نصیب دیکھے گئے ہیں۔ اگر ایک انسان کنواں کھودے اور بیس ہاتھ کھودے۔ اور ایک ہاتھ رہ جائے تو اس وقت بے صبری سے چھوڑ دے تو اپنی ساری محنت کو برباد کرتا ہے اور اگر صبر سے ایک ہاتھ اور بھی کھود لے تو گوہر مقصود پالے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ذوق اور شوق اور معرفت کی نعمت ہمیشہ دکھ کے بعد دیا کرتا ہے۔ اگر ہر ایک نعمت آسانی سے مل جائے تو اس کی قدر نہیں ہوا کرتی۔ سعدی نے کیا عمدہ کہا ہے۔

؎ گر نباشد بدوست راہ بردن
شرط عشق است در طلب مردن

مخالفت نفس بھی عبادت ہے

مخالفت نفس بھی ایک عبادت ہے۔ انسان سویا ہوا ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اور سولے مگر وہ مخالفت نفس کر کے مسجد چلا جاتا ہے۔ تو اس مخالفت کا بھی ایک ثواب ہے اور ثواب نفس کی مخالفت تک ہی محدود ہوتا ہے۔ ورنہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو پھر ثواب نہیں۔ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آدمی عارف ہو جاتا ہے تو اس کی عادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب نفس مطمئنہ ہو گیا تو ثواب کیسے رہا۔ نفس کی مخالفت کرنے سے ثواب تھا۔ وہ اب رہی نہیں۔

قرآن شریف میں ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ[1] ۔ پ۲۷۔ یعنی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور اس کا درجہ ثواب کا نہ رہا تو یہ بات بے صبری سے نہیں ملتی۔ **انسان کو یہانتک صبر کرنا چاہیئے کہ اس کا دل یقین کر لے کہ میرے جیسا کوئی صابر نہیں۔** آخر خدا تعالےٰ مہربان ہو کر دروازہ کھول دیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو تمام عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ عبادات ترک کر دیتا ہے بلکہ یہ معنے ہیں۔ کہ ... ... عبادات کی بجا آوری میں اُسے جو تکلیف ہوتی تھی وہ ساقط ہو جاتی ہے۔ اب عبادات محبوبات نفس میں شامل ہو گئیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ اس کی محبوبات نفس تھیں۔ ایسا ہی نماز روزہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ جیسا وفادار اور کوئی نہیں۔ دوستی اور اخلاص کا حق جیسے وہ ادا کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ انسان بڑے جوش والا ہے۔ وہ صبر سے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ جلدی بے صبر نہیں ہونا چاہیئے۔

صحبت کا اثر

فرمایا:۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وقتاً فوقتاً ہمارے پاس آتے رہیں اور کچھ دن یہاں

[1] الرحمٰن: ۴۷

سا کریں۔ انسان کا دماغ جیسے خوشبو سے حصہ لیتا ہے ویسے ہی بدبُو سے بھی حصہ لیتا ہے۔ اسی طرح زہریلی صحبت کا اثر اس پر ہوتا ہے۔

مخالفین کی موجودہ حالت پر فرمایا کہ

مکہ معظمہ کی حالت کا تو کسی نے معائنہ نہیں کیا مگر اب اِس وقت کی حالت دیکھ کر پتہ لگتا ہے کہ ایسا ہی حال اُس وقت تھا۔

مکہ کے دو عمر

ابوجہل کو فرعون کہا گیا ہے مگر میرے نزدیک وہ تو فرعون سے بڑھ کر ہے۔ فرعون نے تو آخر کہا۔ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ[1] مگر یہ آخر تک ایمان نہ لایا۔* مکہ میں سارا فساد اسی کا تھا اور بڑا متکبر اور خودپسند عظمت اور شرف کو چاہنے والا تھا۔ اس کا اصل نام بھی عمرو تھا۔ اور یہ دو نو عمر مکہ میں تھے۔ خدا کی حکمت کہ ایک عمر کو کھینچ لیا اور ایک بے نصیب رہا۔ اس کی رُوح تو دوزخ میں جلتی ہوگی اور حضرت عمرؓ نے ضد چھوڑ دی تو بادشاہ ہو گئے۔

وَانْحَرْ کے حکم کا مطلب

فرمایا:۔

جیسے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ[2] آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے ایسا ہی میرا بھی الہام ہے۔

یہ کم بخت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جسمانی اور رُوحانی طور پر ہر دو طرح ابتر

---

* ۔ الحکم سے :۔ "(مرتے وقت) سر کاٹنے والے کو کہا کہ ذرا گردن لمبی کرکے کاٹنا تاکہ دوسروں سے یہ سر بڑا دکھائی دے۔ گویا مرتے دم تک تکبر نہ چھوڑا۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] یونس : ۹۱ [2] الکوثر : ۴

قرار دیتے ہیں حالانکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ[1] یہاں کوثر کا قرینہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ[2] ہے۔ نحر اولاد کے لئے ہوتا ہے کہ جب عقیقہ ہوتا ہے تو قربانیاں دیتے ہیں۔ پس اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نہ رُوحانی ہوئی نہ جسمانی تو نحر کس کے لئے آیا؟

عبداللہ غزنوی کا الہام

اس وقت قرآن کی عظمت بالکل دلوں میں نہیں رہی۔ عبداللہ غزنوی صاحب کا بھی ایک کشف ہے جو اس کے متعلق تھا کہ اس میں ان کو الہام ہوا تھا کہ ھٰذا کتابی دعبادی۔ فاقرأ کتابی علیٰ عبادی۔

حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے غصہ والے ہوتے تھے۔ اب غصہ مسلمان ہونے سے دُور ہوگیا۔ فرمایا۔ دور تو نہیں ہوا۔ مقتصد ہوگیا ہے اور اب اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے۔*

(البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۵۰-۵۱ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء)

* البدر میں ۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء کی شام کی ڈائری درج نہیں۔ الحکم میں "دربار شام" کے عنوان سے مندرجہ ذیل ڈائری درج ہے:-

برطانیہ اور کابل

فرمایا:- گورنمنٹ انگلشیہ نے بڑی آزادی دے رکھی ہے اور ہر قسم کا امن ہے۔ مگر کابل میں تو لوگ ایک طرح سے اسیر اور مقید ہیں۔ وہ باہر جانا چاہیں تو ان پر کئی قسم کی پابندیاں ہیں اور بیہودہ نگرانیاں کی جاتی ہیں۔ خدا تعالےٰ نے اس سلسلہ کو اسی لئے اس مبارک سلطنت کے ماتحت رکھا۔

فرمایا۔ جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں وہ مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں۔

[1] الکوثر: ۲ [2] الکوثر: ۳

یکم دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

(بوقت سیر)

حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے۔ آتے ہی فرمایا کہ

آج ہی کے دن سیر ہے کل سے انشاء اللہ روزہ شروع ہوگا۔ تو چار پانچ دن تک سیر بند رہے گی تاکہ طبیعت روزے کی عادی ہو جائے اور تکلیف محسوس نہ ہو۔

مخالفین کیطرف سے اعجاز احمدی کا جواب لکھنے کی تیاری

اعجاز احمدی کی نسبت ایڈیٹر صاحب الحکم نے سُنایا کہ شحنہ ہند نے لکھا ہے کہ شروع سال میں اس کا جواب اعجازی طور پر شائع ہوگا اور اس نے تین ہزار روپیہ لوگوں سے طلب کیا ہے کہ اس روپے سے وہ کتاب تصنیف کر کے شائع کرے اور دس ہزار روپے انعام حاصل کرے اس طرح سے تیرہ ہزار روپیہ لینا چاہتا ہے

حضرت نے فرمایا۔

کیمیاگر دھوکہ باز اسی طرح سے نادانوں کو دھوکہ دے کر لُوٹا کرتے ہیں۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ[1]

مخالفت کے ذکر پر فرمایا کہ

اس سے تحریک ہو کر نشان ظاہر ہوتے ہیں اور مخالفوں کی تحریک ایسی ہے جیسے کَل (مشین) سے کنواں نکالا جائے ورنہ موافقین جو آمنّا کہہ کر چُپ کر گئے۔ ان

فرمایا۔ جو خدا کی پروا نہیں کرتا وہ برباد ہو جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے اکال کیا یہ آثار اچھے نہیں۔ اللہ تعالےٰ بعض اوقات انصاف پسند کافر کو ظالم کلمہ گو کے مقابلہ میں پسند کرتا ہے۔ اس سلسلہ کے لئے گورنمنٹ انگلشیہ کے سوا دوسری حکومتیں سخت مضر ہیں ان میں امن نہیں ہے۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] البقرۃ : ۲۴

سے کیا تحریک ہوسکتی ہے۔ اعجاز احمدی سے خود لوگ اس نتیجہ پہنچ جائیں گے کہ قرآن دانی اور عربیت کی اصل جڑھ انہیں لوگوں میں (احمدیہ مشن میں) ہے۔ کیونکہ وہ نتیجہ نکال لیں گے کہ جن کی عربی دانی یہ ہے کہ اس کی مثل لوگ نہیں لا سکتے تو ضرور ہے کہ قرآن دانی بھی انہیں میں ہو۔

اعجاز احمدی میں بہت سی پیشگوئیاں بھی ہیں۔ اور اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ[1]۔ اس میں مِن مثلہ کے معنے بھی اکثر مفسرین نے کئے ہیں کہ اگر مقابلہ میں کوئی لکھ کر لائیں تو پیشگوئیاں بھی اسی طرح ہوں جیسے قرآن شریف میں ہیں۔※

※ یکم دسمبر ۱۹۰۲ء کی ڈائری کا مندرجہ بالا مضمون جو "البدر" میں سے لیا گیا ہے۔ یہ "الحکم" میں موجود نہیں مگر اسی ڈائری کے اسی مضمون کا جو حصہ "الحکم" میں ہے۔ وہ "البدر" میں موجود نہیں لہٰذا اسے حاشیہ میں دیا جا رہا ہے:۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

فرمایا۔ مخالف مامور کی عمر کو بڑھاتے ہیں اور وہ گویا سلسلہ نبوت کی رونق کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کی مخالفت سے تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ جب مخالفت اُٹھ جاتی ہے تو گویا مامور بھی اپنا کام کر چکتا ہے اور وہ فتح یاب ہو کر اُٹھایا جاتا ہے۔

دیکھو جب تک کفار مکہ کی مخالفت کا زور شور رہا۔ اس وقت تک بڑے بڑے اعجاز ظاہر ہوئے لیکن جب اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح[2] کا وقت آیا اور یہ سورۃ اُتری تو گویا آپ کے انتقال کا وقت قریب آگیا۔ فتح مکہ کیا تھی آپ کے انتقال کا ایک مقدمہ تھی۔ غرض ان مخالفانہ تحریکوں سے بڑے بڑے فائدے ہوتے ہیں اور ہماری جماعت ان مخالفوں ہی میں سے نکل کر آتی ہے اور اگر یہ مخالفت نہ ہوتی تو اس زور شور سے تحریک اور تبلیغ نہ ہوتی۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] البقرۃ: ۲۴ [2] النصر: ۲

وجودی

فرمایا:-

ایک ذرہ حرکت اور سکون نہیں کر سکتا جب تک آسمان پر اول حرکت نہ ہو۔ ذلت وجودی کی اس سے ہے کہ وہ اس مقام پر لغزش کھا جاتا ہے۔ طریق تادب یہ تھا کہ وہ اس مقام پر ٹھہر جاتے اور جو فرق عبد اور معبود کا ہے اس سے آگے نہ بڑھتے۔ مگر وہ ایسے طریق پر ہیں کہ عملی حالت میں رہ جاتے ہیں۔ نماز روزہ سے آخرکار فارغ ہو بیٹھتے ہیں۔ بھنگ وغیرہ مُسکرات استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ دہریت میں اور ان میں انیس بیس کا فرق ہے اور ان کی بیباکی دلالت کرتی ہے کہ اس فرقہ میں خیر نہیں ہے۔ عیسائیوں نے ایک کو خدا بنا کر آگ لگائی اور انہوں نے ہر ایک وجود کو خدا بنایا۔ ہندوؤں پر بھی ان کا بد اثر پہنچا ہے۔ حرمت کی پروا نہیں ہے۔ اس لئے مناہی وغیرہ سب جائز رکھتے ہیں۔ صورت پرست ہوتے ہیں نامحرموں پر بدنظری کرتے ہیں۔ اس زمانہ کا بگاڑ سخت ہے۔

تقویٰ

اصل تقویٰ جس سے انسان دھویا جاتا ہے اور صاف ہوتا ہے اور جس کے لئے انبیاء آتے ہیں وہ دنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ کوئی ہوگا جو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[1] کا مصداق ہوگا۔ پاکیزگی اور طہارت عمدہ شیئے ہے۔ انسان پاک اور مطہر ہو۔ تو فرشتے اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ لوگوں میں اس کی قدر نہیں ہے ورنہ ان کی لذات کی ہر ایک شیئے حلال ذرائع سے ان کو ملے۔ چور چوری کرتا ہے کہ مال ملے لیکن اگر وہ صبر کرے تو خدا تعالیٰ اُسے اَور راہ سے مالدار کر دے۔ اسی طرح زانی زنا کرتا ہے اگر صبر کرے تو خدا تعالیٰ اس کی خواہش کو اَور راہ سے پُوری کر دے جس میں اس کی رضا حاصل ہو۔ حدیث میں ہے کہ کوئی چور چوری نہیں کرتا مگر اس حالت میں کہ وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور

[1] الشمس : ۱۰

کوئی زانی زنا نہیں کرتا مگر اس حالت میں کہ وہ مومن نہیں ہوتا۔ جیسے بکری کے سر پر شیر کھڑا ہو تو وہ گھاس بھی نہیں کھا سکتی تو بکری جتنا ایمان بھی لوگوں کا نہیں ہے*۔ اصل جڑ اور مقصود تقویٰ ہے۔ جسے وہ عطا ہو تو سب کچھ پا سکتا ہے بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ انسان صغائر اور کبائر سے بچ سکے۔ انسانی حکومتوں کے احکام گناہوں سے نہیں بچا سکتے۔ حکام ساتھ ساتھ تو نہیں پھرتے کہ اُن کو خوف رہے۔ انسان اپنے آپ کو اکیلا خیال کر کے گناہ کرتا ہے ورنہ وہ کبھی نہ کرے اور جب وہ اپنے آپ کو اکیلا سمجھتا ہے اس وقت وہ دہریہ ہوتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے دیکھتا ہے ورنہ اگر وہ یہ سمجھتا تو کبھی گناہ نہ کرتا۔ تقویٰ سے سب شئے ہے۔ قرآن نے ابتدا اسی سے کی ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین[1] سے مراد بھی تقویٰ ہے۔ کہ انسان اگرچہ عمل کرتا ہے مگر خوف سے جُرأت نہیں کرتا کہ اُسے اپنی طرف منسوب کرے اور اُسے خدا کی استعانت سے خیال کرتا ہے اور پھر اسی سے آئندہ کے لئے استعانت طلب کرتا ہے۔ پھر دوسری سُورت بھی ھدًی للمتقین[2] سے شروع ہوتی ہے۔ نماز، روزہ زکوٰۃ وغیرہ سب اسی وقت قبول ہوتا ہے۔ جب انسان متقی ہو۔ اس وقت خدا تمام داعی گناہ کے اُٹھا دیتا ہے۔ بیوی کی ضرورت ہو۔ تو بیوی دیتا ہے۔ دوا کی ضرورت ہو تو دوا دیتا ہے۔ جس شئے کی حاجت ہو وہ دیتا ہے اور ایسے مقام سے روزی دیتا ہے

*۔ الحکم میں یہ عبارت یُوں ہے:۔

"حدیث میں آیا ہے کہ چور چوری نہیں کرتا جبکہ مومن ہو۔ یہ بالکل سچی بات ہے بکری کے سر پر اگر شیر ہو تو اس کو حلال کھانا بھی بھول جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ کسی دوسرے کے کھیت میں جائے۔ اسی طرح پر اگر خدا تعالیٰ کا خوف ہو۔ تو ممکن نہیں۔ کہ گناہ کرے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷۔ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] الفاتحہ: ۵ [2] البقرۃ: ۳

کہ اُسے خبر نہیں ہوتی۔

ایک اور آیت قرآن شریف میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا [۱] پ۲۴ ع۱۸۔ اس سے بھی مراد متقی ہیں۔ ثم استقاموا یعنی ان پر زلزلے آئے۔ ابتلا آئے۔ آندھیاں چلیں مگر ایک عہد جو اس سے کر چکے۔ اس سے نہ پھرے۔ پھر آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہوں نے ایسا کیا۔ اور صدق اور وفا دکھلائی تو اس کا اجر یہ ملا۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ یعنی اُن پر فرشتے اُترے اور کہا کہ خوف اور حزن مت کرو۔ تمہارا خدا متولی ہے۔ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اور بشارت دی کہ تم خوش ہو اس جنت سے۔ اور اس جنت سے یہاں مراد دنیا کی جنت ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ [۲] پھر آگے ہے نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ [۳] دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے ولی اور متکفل ہیں۔

اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِّلْمُؤْمِنِ

بعض لوگ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ کی آیت کے معارض ایک حدیث پیش کیا کرتے ہیں الدنیا سجنٌ للمومن۔ اس کے اصل معنے یہ ہیں کہ مومن کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ [۴]۔ مقتصد سے مراد نفس لوامہ والے ہیں اور یہ (دنیا کی) تکالیف نفس لوامہ تک ہی ہوتی ہیں۔ کہ اس میں انسان کے ساتھ کشاکش نفس امارہ کی ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ راحت اور آرام کی یہ بات اختیار کر اور لوامہ وہ نہیں کرتا۔ اس وقت انسان مجاہدہ کرتا ہے اور نفس امارہ کو زیر کرتا ہے اور اسی طرح جنگ ہوتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ امارہ شکست کھا جاتا ہے اور پھر نفس مطمئنہ رہ جاتا ہے۔ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً [۵] پ۳۰ ع۱۴۔ یعنی تو میری جنت میں داخل ہو جا اور اسی وقت ہو جا۔ اور

۱ حٰمٓ السجدۃ: ۳۱ ۲ الرحمٰن: ۴۷ ۳ حٰمٓ السجدۃ: ۳۲ ۴ فاطر: ۳۳ ۵ الفجر: ۲۸، ۲۹

مومن کی جنت تو خدا ہے یعنی جب وہ خدا کے بندوں میں داخل ہوا۔ تو خدا تو انہیں میں ہے اور وہ اس کے عباد میں آگیا تو اب اس حالت میں وہ سخن کہاں رہا؟ ایک مرتبہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ تکالیف میں ہوتا ہے جیسے جب کنواں کھودا جائے۔ تو اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ پانی نکل آئے۔ مطمئنّہ ہونا اصل میں پانی نکالنا ہے۔ جب پانی نکل آیا۔ اب کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس آیت میں ظالم سے مراد نفسِ امارہ والے اور مقتصد سے مراد نفسِ لوامہ والے اور سابق بالخیرات سے مراد نفسِ مطمئنّہ والے ہیں۔ پُوری تبدیلی زندگی میں جب تک نہ آوے تب تک جنگ رہتی ہے اور لوامہ تک یہ جنگ ہے جب یہ ختم ہوئی تو پھر دارالنعیم میں آجاتا ہے۔ اس وقت اس کا ارادہ خدا کا ارادہ اور اس کی مرضی خدا کی مرضی ہوتی ہے اور وہ اُن باتوں میں لذّت اُٹھاتا ہے۔ جن سے خدا خوش ہوتا ہے۔ ایک عارف جس کی خدا سے ذاتی محبت ہوجائے تو اگر خدا اُسے بتلا بھی دے کہ تو دوزخی ہے خواہ عبادت کر خواہ نہ کر تو اس کی خوشی اسی میں ہوگی کہ خواہ دوزخ میں جاؤں مگر میں ان عبادات سے رُک نہیں سکتا۔ جیسے افیونی کو جب افیون کی عادت ہوجاتی ہے تو اُسے کیسی ہی تکالیف ہوں اور خواہ وہ گھلتا ہی جائے مگر افیون کو نہیں چھوڑتا۔ جس طرح دنیا میں نوجوانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کو ایک دُھن جب لگ جائے تو خواہ والدین کتنا روکیں منع کریں مگر وہ کسی کی نہیں سُنتے اور اس دُھن کی خوشی میں تکالیف کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ ایسا ہی اس مومن عارف کامل کا حال ہوتا ہے کہ اُسے اس بات کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اجر ملیگا یا نہیں۔ یہ مقام آخری مقام ہے۔ جہاں سلوک کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ اور اس کے سوا چارہ نہیں۔ اس حالت میں اس کا جوش کسی سہارے پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جبتک انسان کسی سہارے سے کام کرتا ہے تو ممکن ہے شیطان اُس میں کسی وقت دخل دیوے۔ مگر یہاں ذاتی محبت کے مقام میں سہارا نہیں ہوتا۔ جیسے ماں اور بچے کے جو تعلقات ذاتی محبت کے ہیں اُن میں انسان تفرقہ نہیں ڈال سکتا۔

ماں کی فطرتی محبت ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ مثل مشہور ہے۔ "ماں مارے اور بچہ ماں ماں پکارے"۔ اسی طرح اہل اللہ خدا کی مار کھا کر کہاں جا سکتے ہیں۔ بلکہ مار پڑے تو وہ ایک قدم اور بڑھاتے ہیں۔ دوسرے تعلقات میں خدا کی محبت کا جلال زور کے ساتھ نازل نہیں ہوتا۔ جیسے انسان کسی کو اپنا نوکر سمجھتا ہے اور خیال ہوتا ہے۔ کہ یہ نوکری اسی لئے کرتا ہے۔ کہ اس کی اُجرت ملے تو اس کی طرف محبتِ کامل کا التفات نہیں ہوتا اور وہ ایک نوکر شمار ہوتا ہے۔ مگر جب کوئی شخص خدمت کرتا ہے اور آقا کو معلوم ہو کہ یہ نوکری کی خواہش سے نہیں کرتا تو آخر کار بیٹوں میں شمار ہوتا ہے۔

خدا بڑا خزانہ ہے۔ خدا بڑی دولت ہے۔

استغفار

غفلت غیر معلوم اسباب سے ہے۔ بعض وقت انسان نہیں جانتا اور ایک دفعہ ہی زنگ اور تیرگی اس کے قلب پر آجاتی ہے۔ اس لئے استغفار ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ زنگ اور تیرگی نہ آوے۔ عیسائی لوگ اپنی بیوقوفی سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے سابقہ گناہوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اصل معنے اس کے یہ ہیں کہ گناہ صادر ہی نہ ہوں ورنہ اگر استغفار سابقہ صادر شدہ گناہوں کی بخشش کے معنے رکھتا ہے تو وہ بتلاویں۔ کہ آئندہ گناہوں کے نہ صادر ہونے کے معنوں میں کونسا لفظ ہے۔ غفر اور کفر کے ایک ہی معنے ہیں۔ تمام انبیاء اس کے محتاج تھے۔ جتنا کوئی استغفار کرتا ہے اتنا ہی معصوم ہوتا ہے۔ اصل معنے یہ ہیں۔ کہ خدا نے اُسے بچا لیا۔ معصوم کے معنے مستغفر کے ہیں۔

عیسویت کی ترقی پر فرمایا کہ

جو ترقی انہوں نے کرنی تھی وہ کر چکے۔ پُورے طور پر انسان کو خدا بنا لیا۔ اگر انسان

خدا بن سکتا ہے تو پگٹ سے کیوں ناراض ہیں بہت خدا مل جائیں گے تو طاقت زیادہ ہوگی۔

بغیر عذر کے دعوت رد کرنا اچھی بات نہیں

ایک خادم نے عرض کی کہ ایک تقریب پر اس کے ہاں خوشی ہے اور کچھ کھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ حضور بھی شام کو تشریف لاکر کھانا وہیں تناول فرمادیں تو عین سعادت ہے۔ فرمایا:-

دعوت راحت کے واسطے ہوتی ہے۔ مجھے ایسی مرض ہے کہ دن کے آخری حصہ میں وہ عود کرتی ہے اور میں بالکل چل پھر نہیں سکتا۔ اسی لئے دیکھتے ہو کہ پھرنے کا وقت صبح کا رکھا ہے۔ ابھی ابھی نماز سے پیشتر پاؤں سرد ہو رہے تھے۔ تو میں دوا پی کر آیا ہوں خیال آتا ہے کہ گھڑی گھڑی کیا کہوں کہ سرد ہو رہا ہوں۔ اس لئے افتاں خیزاں آجاتا ہوں۔ اسلئے شام کو میں جا نہیں سکتا۔ ورنہ دعوت کا رد کرنا تو اچھی بات نہیں ہے مگر جب بیمار ہو تو انسان مجبور ہے۔

ماہ رمضان کی عظمت اور اُس کے رُوحانی اثرات

مغرب کی نماز سے چند منٹ پیشتر ماہِ رمضان کا چاند دیکھا گیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مغرب کی نماز گذار کر مسجد کی سقف پر چاند دیکھنے تشریف لے گئے اور چاند دیکھنے کے بعد پھر مسجد میں تشریف لائے۔ فرمایا کہ

رمضان گذشتہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل گیا تھا۔

شھر رمضان الذی انزل فیه القراٰن[۱] سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے۔ اور صوم تجلیٔ قلب کرتا ہے۔

---

[۱] البقرۃ : ۱۸۶

تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔ پس اُنزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ[1] میں یہی اشارہ ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ روزہ کا اجر عظیم ہے لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جوانی کے ایام میں میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ روزہ رکھنا سنّت اہل بیت ہے۔ میرے حق میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان مناّ اھل البیت۔ سلمان یعنی الصلحان کہ اس شخص کے ہاتھ سے دو صلح ہوں گی۔ ایک اندرونی دوسری بیرونی۔ اور یہ اپنا کام رفق سے کرے گا۔ نہ کہ شمشیر سے اور میں جب مشرب حسین پر نہیں ہوں کہ جس نے جنگ کی بلکہ مشرب حسن پر ہوں کہ جس نے جنگ نہ کی تو میں نے سمجھا کہ روزہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ میں نے چھ ماہ تک روزے رکھے۔ اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ انوار کے ستونوں کے ستون آسمان پر جا رہے ہیں۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ انوار کے ستون زمین سے آسمان پر جاتے تھے یا میرے قلب سے۔ لیکن یہ سب کچھ جوانی میں ہو سکتا تھا۔ اور اگر اس وقت میں چاہتا تو چار سال تک روزہ رکھ سکتا تھا۔ ؎

نشاط نوجوانی تا بہ سی سال
چہل آمد فرو ریزد پر و بال

اب جب سے چالیس سال گزر گئے دیکھتا ہوں کہ وہ بات نہیں۔ ورنہ اول میں بٹالہ تک کئی بار پیدل چلا جاتا تھا اور پیدل آتا اور کوئی کسل اور ضعف مجھے نہ ہوتا اور اب تو اگر ۵۔۶ میل بھی جاؤں تو تکلیف ہوتی ہے۔ چالیس سال کے بعد حرارت غریزی کم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ خون کم پیدا ہوتا ہے اور انسان کے اوپر کئی صدمات رنج و غم کے گزرتے ہیں۔ اب کئی دفعہ دیکھا ہے کہ اگر بھوک کے علاج میں زیادہ دیر ہو جائے تو طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے۔

[1] البقرة ۱۸۶

احکام الٰہی کے دو اقسام

خدا تعالیٰ کے احکام دو قسموں میں تقسیم ہیں۔ ایک عباداتِ مالی، دوسرے عباداتِ بدنی۔ عباداتِ مالی تو اسی کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جن کے پاس نہیں وہ معذور ہیں اور عباداتِ بدنی کو بھی انسان عالمِ جوانی میں ہی ادا کر سکتا ہے ورنہ ساٹھ سال جب گذرے تو طرح طرح کے عوارضات لاحق ہوتے ہیں۔ نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر بینائی میں فرق آجاتا ہے۔ (کسی نے) یہ ٹھیک کہا ہے کہ پیری و صد عیب۔ اور جو کچھ انسان جوانی میں کر لیتا ہے اس کی برکت بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا۔ اسے بڑھاپے میں بھی صدہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں ؎

موئے سفید از اجل آرد پیام

انسان کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ حسبِ استطاعت خدا کے فرائض بجا لاوے۔ روزہ کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ[1] یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو تمہارے واسطے بڑی خیر ہے۔

فدیہ اور توفیق روزہ

ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے تاکہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شئے خدا تعالیٰ ہی سے طلب کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کر سکتا ہے۔ تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک خوب ہے کہ (انسان) دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ۔ اور اُس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل

[1] البقرۃ : ۱۸۵

کو خدا تعالےٰ طاقت بخش دے گا۔

اگر خدا تعالےٰ چاہتا تو دوسری امتوں کی طرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اُس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالےٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا تعالےٰ اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے۔ تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی راہ میں دلاور ثابت کر دے۔ جو شخص کہ روزے سے محروم رہتا ہے۔ مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو تو خدا تعالےٰ اسے ہرگز ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے کہ اگر کسی شخص پر (اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے) روزہ گراں ہے۔ اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے۔ اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا شخص جو خدا تعالےٰ کی نعمت کو خود اپنے اُوپر گراں گمان کرتا ہے۔ کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور میں اس کا منتظر تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے روزہ نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزے سے محروم نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جُو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جس طرح اہل دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش کرتے ہیں اور تکلفات شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ صحیح نہیں۔ تکلفات کا باب بہت وسیع ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس (تکلف) کی رُو سے ساری عمر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے

مگر خدا اس کی نیت اور ارادہ کو جانتا ہے۔ جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا تعالیٰ اسے ثواب سے زیادہ بھی دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابلِ قدر شئے ہے۔ حیلہ جُو انسان تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شئے نہیں جب میں نے چھ ماہ روزے رکھے تھے تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیاء کا مجھے (کشف میں) ملا۔ اور انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں اپنے نفس کو اس قدر مشقت میں ڈالا ہوا ہے، اس سے باہر نکل۔ اسی طرح جب انسان اپنے آپ کو خدا کے واسطے مشقت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کی طرح رحم کرکے اُسے کہتا ہے کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہوا ہے۔

یہ لوگ ہیں کہ تکلف سے اپنے آپ کو مشقت سے محروم رکھتے ہیں۔ اس لئے خدا ان کو دوسری مشقتوں میں ڈالتا ہے اور نکالتا نہیں اور دوسرے جو خود مشقت میں پڑتے ہیں اُن کو وہ آپ نکالتا ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا تعالیٰ اس کے نفس پر شفقت کرے کیونکہ انسان کی شفقت اس کے نفس پر اس کے واسطے جہنم ہے اور خدا تعالیٰ کی شفقت جنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو کہ جو آگ میں گرنا چاہتے ہیں تو اُن کو خدا تعالیٰ آگ سے بچاتا ہے۔ اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ سلم ہے۔ اور یہ اسلام ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش آئے۔ اس سے انکار نہ کرے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی عصمت کی فکر میں خود لگتے تو واللہ یعصمک من الناس[1] کی آیت نازل نہ ہوتی۔ حفاظتِ الٰہی کا یہی سِر ہے۔

(اُوپر کی تقریر فارسی زبان میں تھی میں نے افادۂ عام کی خاطر اُردو میں ترجمہ کرکے لکھی۔ ایڈیٹر)

(البدر جلد ا نمبر ۷ صفحہ ۵۰ تا ۵۲۔ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] المائدۃ: ۶۸

۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

مولوی ثناء اللہ کی حیلہ جوئی

عصر کے وقت جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات پیش کی گئی کہ ثناء اللہ لکھتا ہے کہ میری موت کی پیشگوئی کرو تو حضور نے فرمایا کہ

یہ حیلہ ہے ورنہ وہ جانتا ہے کہ ہم حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ موت کی پیشگوئی نہ کریں گے اس لئے دیدہ دانستہ لکھتا ہے۔ ورنہ ہم نے جو لکھ دیا ہے وہ خود حسب شرائط شائع کر دے کہ جو کاذب ہے وہ پیشتر مر جائے۔ اُسے اس طرح لکھنے سے کیوں خوف آتا ہے۔ اس طرح نہ لکھنا اور ہمیں لکھنا کہ پیشگوئی کریں۔ یہ صرف حیلہ جوئی ہے۔

(البدر جلد اوّل نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۱۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء)

۳؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

لفظ ذنب اور استغفار کے معنے

نماز مغرب کے بعد

ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلم تھرڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان عیسائی پرچہ ایپی فینی سے ایک مضمون سُناتے رہے۔ . . . . جو کسی نے لفظ ذنب کے معانی پر مخالفانہ رنگ میں لکھا ہے کہ لفظ ذنب ایک ایسا لفظ ہے جو کہ قرآن میں کبائر گناہ پر بولا گیا ہے اور مرزا صاحب اس کے معانی کو وسعت دے کر جب یہ لفظ نبیوں کے حق میں آوے تو اس کے اور معنے کرتے ہیں اور جب عوام الناس پر بولا جائے تو اور معنے کرتے ہیں اور یہ لفظ اپنے معانی پر استعمال ہوتا ہے کہ گذشتہ گناہ جو انسان

کر چکا ہے اس کی معافی طلب کی جائے، اس سے اس نے استدلال کیا ہے کہ ضرور ہے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گناہ سرزد ہوئے ہوں۔

اس کے جواب میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اگر استغفار کے یہ معنے ہیں کہ گذشتہ گناہوں سے معافی ہو تو پھر بتلائیں کہ آئندہ گناہوں سے محفوظ رہنے کے لئے کونسا لفظ ہے۔ گناہ سے حفاظت یعنی عصمت تو انسان کو استغفار سے ملتی ہے کہ انسان خدا تعالےٰ سے چاہے کہ اُن قویٰ کا ظہور اور بروز ہی نہ ہو۔ جو معاصی کی طرف کھینچتے ہیں۔ کیونکہ جیسے انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ گذشتہ گناہ اس کے بخشے جائیں اسی طرح اس بات کی ضرورت بھی ہے کہ آئندہ اس کے قویٰ سے گناہ کا ظہور و بروز نہ ہو۔ یہ مسئلہ بھی قابل دعا کے ہے۔ ورنہ یہ کیا بات ہے کہ جب گناہ میں مبتلا ہو تو اس وقت تو دعا کرے اور آئندہ گناہوں سے محفوظ رہنے کی دُعا نہ کرے۔ اگر انجیل میں یہ دُعا نہیں ہے تو پھر وہ کتاب ناقص ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مانگو تو دیا جائے گا۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے استغفار مانگا۔ آپؐ کو دیا گیا۔ مسیح نے نہ مانگا۔ اُن کو نہ دیا گیا۔ غرضیکہ طبعی تقسیم قرآن مجید نے کی ہے کہ گناہ سے حفاظت کے ہر ایک پہلو کو دیکھ کر استغفار کا لفظ رکھا ہے کیونکہ انسان دونو راہ کا محتاج ہے کبھی گناہ کی معافی کا اور کبھی اس امر کا کہ وہ قویٰ ظہور و بروز نہ کریں۔ ورنہ یہ کب ممکن ہے کہ قویٰ خدا تعالےٰ کی حفاظت کے بغیر خود بخود بچے رہیں۔ وہ کتاب کامل ہے۔ عقل اور ضرورت خود دونو قسم کی دعا کا تقاضا کرتی ہے۔

پھر دیکھو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی کے ہاتھ پر توبہ بھی نہیں کی کہ آپ کا گنہگار ہونا ثابت ہو۔ مگر مسیح نے تو یحییٰ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی۔ اُن سے تو یحییٰ ہی اچھا رہا جس نے کسی کی بیعت نہ کی۔ اب بتلاؤ کس کا گنہگار ہونا ثابت ہے۔ اگر مسیح گناہ سے صاف تھا تو اس نے غوطہ کیوں لگایا اور پھر رُوح القدس کا کبوتر ابتدا ہی سے کیوں نہ نازل ہوا؟

پھر استغفار کے معانی پر حضرت اقدس اور آپ کے برگزیدہ احباب وہ آیات قرآنی تلاش کر کے سُناتے رہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کی دُعا آئندہ خطاؤں سے حفاظت کے لئے ہے اور پھر تلاش کرتے کرتے انجیل سے بھی ایسی آیات نکل آئیں جس میں مسیح علیہ السلام نے آئندہ گناہ سے بچنے کے لئے دعا مانگی ہوئی ہے۔

(البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

بعد از نماز مغرب

مدراس کے ایک مخلص احمدی کا تار طاعون سے متعلق

مدراس میں ایک مخلص حضرت اقدس کے غایت عاشق ہیں۔ ایک کذّاب نے اُن کو خبر سُنائی کہ قادیان میں طاعون ہے حالانکہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ طاعون وہاں نہ آئے گی۔ اُن کے ایمان نے اس شنید پر یہ تقاضا کیا کہ ایک تار حضرت اقدس کی خدمت میں روانہ کیا جو اس مجلس میں پڑھ کر سُنایا گیا۔ اس میں درج تھا کہ اس خبر کے سننے سے میرے ایمان میں ترقی ہوئی ہے اور قادیان میں طاعون اس لئے آئی ہے کہ خدا تعالےٰ سچے مومنوں اور دوسرے لوگوں میں تمیز کر کے دکھلانا چاہتا ہے اور جو خبریں ان کو غلط پہنچی ہیں۔ ہر ایک ان کی زیادت ایمان کا باعث ہوئی ہیں حضرت اقدس نے ان کے اخلاص کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ

ان کو اصل واقعات سے اطلاع دے کر اس شخص کا کذّاب ہونا جتلا دیا جائے۔

(البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۴ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۷ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ایک رؤیا اور دعا رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ

ظہر کے وقت تشریف لا کر حضرت اقدس نے بیان فرمایا کہ

رات کو میری ایسی حالت تھی کہ اگر خدا تعالیٰ کی وحی نہ ہوتی تو میرے اس خیال میں کوئی شک نہ تھا کہ میرا آخری وقت ہے۔ ایسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر میں ہوں اور وہ کوچہ سربستہ سا معلوم ہوتا ہے کہ تین بھینسے[۱] آئے ہیں۔ ایک اُن میں سے میری طرف آیا تو میں نے اسے مار کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرا آیا تو اُسے بھی ہٹا دیا۔ پھر تیسرا آیا اور وہ ایسا پُر زور معلوم ہوتا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ اب اس سے مفر نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ مجھے اندیشہ ہوا تو اس نے اپنا منہ ایک طرف پھیر لیا۔ میں نے اُس وقت غنیمت سمجھا کہ اس کے ساتھ رگڑ کر نکل جاؤں۔ میں وہاں سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے خیال آیا کہ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے گا۔ مگر میں نے پھر کر نہ دیکھا۔ اس وقت خواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے دل پر مندرجہ ذیل دُعا القار کی گئی:۔

رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ

اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اسم اعظم ہے اور یہ وہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھے گا۔ ہر ایک آفت سے اُسے نجات ہو گی۔

ایک آریہ میرے پاس دوا لینے آیا کرتا ہے۔ میں نے اسے یہ خواب سنائی۔ تو اس نے کہا کہ مجھے بھی لکھ دو۔ میں نے لکھ دیا اور اس نے یاد کر لیا۔

۱۔ "اصل لفظ جو اس وقت رؤیا بیان کرتے ہوئے حضرت اقدس نے زبان مبارک سے نکلا۔ وہ لفظ بھینسے ہی ہے۔ جیسے سانڈ بھی کہتے ہیں نہ کہ بیل۔"

(البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۷ کالم اول مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)

اس خواب کے بعد پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گھوڑے کا سوار ملا جب میں گھر کے قریب آیا تو ایک شخص نے میرے ہاتھ پر پیسے رکھے ہیں۔ میں نے خیال کیا۔ کہ اس میں دوّنی چوّنی بھی ہوگی۔ آگے آیا تو دیکھا کہ فجو (فضل نشاں) کشمیری عورت بیٹھی ہے۔ پھر جب مسجد میں گیا تو دیکھا کہ ہزارہا آدمی بیٹھے ہیں اور کپڑے سب کے پُرانے معلوم ہوتے ہیں۔ مسجد میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہوا ہے۔ اس کی بڑی سی چارپائی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ کس کا جنازہ ہے۔

مغرب کی نماز پڑھ کر حضرت اقدس تشریف لے گئے اور کوئی ایک گھنٹہ بعد مسجد میں تشریف لائے۔ فرمایا کہ

آج جو خواب میں الہام سے کلمات بتلائے گئے ہیں۔ میں نے ارادہ کیا ہے۔ کہ اُن کو نماز میں دعا کے طور پر پڑھا جائے اور میں نے خود تو پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔

سُوءِ ظن

بدظنی پر آپ نے فرمایا کہ

دوسرے کے باطن میں ہم تصرّف نہیں کر سکتے اور اس طرح کا تصرّف کرنا گناہ ہے۔ انسان ایک آدمی کو بدخیال کرتا ہے اور پھر آپ اس سے بدتر ہو جاتا ہے کتابوں میں مَیں نے ایک قصہ پڑھا ہے کہ ایک بزرگ اہل اللہ تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ عہد کیا کہ میں اپنے آپ کو کسی سے اچھا نہ سمجھوں گا۔ ایک دفعہ ایک دریا کے کنارے پہنچے (دیکھا) کہ ایک شخص ایک جوان عورت کے ساتھ کنارے پر بیٹھا روٹیاں کھا رہا ہے۔ اور ایک بوتل پاس ہے۔ اس میں سے گلاس بھر بھر کر پی رہا ہے۔ اُن کو دُور سے دیکھ کر اُس نے کہا کہ میں نے عہد تو کیا ہے کہ اپنے کو کسی سے اچھا نہ خیال کروں۔ مگر ان دونو سے تو میں اچھا ہی ہوں۔ اتنے میں زور سے ہوا چلی اور دریا میں طوفان آیا۔ ایک کشتی

آرہی تھی وہ غرق ہو گئی۔ وہ مرد جو کہ عورت کے ساتھ روٹی کھا رہا تھا۔ اُٹھا اور غوطہ لگا کر چھ آدمیوں کو نکال لیا اور ان کی جان بچ گئی۔ پھر اس نے اس بزرگ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اپنے آپ کو مجھ سے اچھا خیال کرتے ہو۔ میں نے تو چھ کی جان بچائی ہے اب ایک باقی ہے اسے تم نکالو۔ یہ سُن کر وہ بہت حیران ہوا۔ اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ میرا ضمیر کیسے پڑھ لیا اور یہ معاملہ کیا ہے؟ تب اس جوان نے بتلایا کہ اس بوتل میں اسی دریا کا پانی ہے۔ شراب نہیں ہے اور یہ عورت میری ماں ہے اور میں ایک ہی اس کی اولاد ہوں۔ قویٰ اس کے بڑے مضبوط ہیں۔ اس لئے جوان نظر آتی ہے۔ خدا نے مجھے مامور کیا تھا کہ میں اسی طرح کروں۔ تاکہ تجھے سبق حاصل ہو۔

پھر فرمایا کہ

خضر کا قصہ بھی اسی بناء پر معلوم ہوتا ہے۔ سوءِ ظن جلدی سے کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ تصرّف فی العبادُ ایک نازک امر ہے۔ اس نے بہت سی قوموں کو تباہ کر دیا کہ انہوں نے انبیاء اور ان کے اہلِ بیت پر بدظنیاں کیں۔

(البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۲ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء)

۸ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

رؤیا

عصر کی نماز سے قبل حضور علیہ السلام نے ایک رؤیا سُنائی۔ فرمایا:۔

میں دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر وضو کرنے لگا تو معلوم ہوا کہ وہ زمین پولی ہے اور اس کے نیچے ایک غار سی چلی جاتی ہے۔ میں نے اس میں پاؤں رکھا۔ تو دھنس گیا اور خوب یاد ہے کہ پھر میں نیچے ہی نیچے چلا گیا۔ پھر ایک جست کر کے میں اُوپر آ گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہوا میں تیر رہا ہوں اور ایک گڑھا ہے مثل دائرے کے گول اور اس قدر بڑا جیسے

یہاں سے نواب صاحب کا گھر۔ اور میں اس پر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر تیر رہا ہوں سید محمد احسن صاحب کنارہ پر تھے۔ میں نے اُن کو بُلا کر کہا کہ دیکھ لیجئے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو پانی پر چلتے تھے اور میں ہوا پر تیر رہا ہوں اور میرے خدا کا فضل اُن سے بڑھ کر مجھ پر ہے حامد علی میرے ساتھ ہے اور اس گڑھے پر ہم نے کئے پھیرے کئے۔ نہ ہاتھ نہ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں۔ اور بڑی آسانی سے اِدھر اُدھر تیر رہے ہیں۔ ایک بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔

بعد از نماز مغرب۔

ایک شخص امرتسری نے حضرت اقدس کو بہت فحش اور گندی گالیاں دی تھیں۔ ایک باغیرت اور مخلص خادم نے اس کا جواب درشتی سے دینا چاہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

جوش کے مقابلہ پر جوش ہو تو فساد کا باعث ہوتا ہے اور بات وہ کرنی چاہیئے جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو۔ اگر ہم بدی کا جواب اس حد تک کی بدی سے دلویں تو پھر ہمارے کاروبار میں برکت نہیں رہتی۔ جوش اور اشتعال کے وقت کے لکھے ہوئے مضامین میں فصاحت اور بلاغت جاتی رہتی ہے۔ فصاحت اور بلاغت نرمی کا بیٹا ہے۔ جس قدر نرمی ہوگی اسی قدر عبارت فصیح ہوگی۔ اہلِ حق کو درہم برہم نہ ہونا چاہیئے۔ گندی بات قابلِ جواب ہی نہیں ہوا کرتی۔

اخلاق

اصحاب کبار میں سے ایک نے ایک شئے طلب کی۔ حضرت اقدس اسی وقت خود اُٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور وہ شئے لا کر دی۔

(البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۵ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۹؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

بعد از نماز ظہر

حضرت اقدس علیہ السلام کو بذریعہ خط معلوم ہوا کہ رسل بابا امرتسری بعارضہ طاعون فوت ہوگیا ہے۔ اس پر آپ مولوی محمد علی صاحب کے کمرہ میں آکر گفتگو فرماتے رہے فرمایا کہ

گذشتہ شب کو مجھے یہ الہام ہوا ہے۔

سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا إِبْرَاهِيمُ

پھر اس کے بعد الہام ہوا۔

سَلَامٌ عَلٰى أَمْرِكَ صِرْتَ فَائِزًا

یعنی اے ابراہیم تجھ پر سلام۔ تیرے کاروبار پر سلامتی ہو۔ اور تُو بامُراد ہوگیا اسی اثنا میں نماز عصر کا وقت آگیا تو آپ نے مسجد میں تشریف لا کر یہ الہام پھر سُنایا اور رسل بابا کی موت پر ذکر ہوتا رہا کہ

تخرج الصدور الی القبور

کا الہام بھی اس پر صادق آتا ہے اور الہام میں صدور کا لفظ ہے جو کہ جمع پر دلالت کرتا ہے اور جمعہ کے دن جب میں بیمار تھا تو مجھے یہ الہام ہوا تھا:۔

یموت قبل یومی ھٰذا

یعنی یہ میرے اِس دن سے پیشتر مرے گا۔ یوم سے مراد جُمعہ کا دن ہے۔ جو کہ اصل میں خدا کا دن ہے۔

پھر فرمایا کہ

ان تین سالوں میں خارق عادت ترقی ہوئی ہے۔ براہین میں یہ پیشگوئی ہے کہ میں تمہارے لئے فوج تیار کروں گا وہ انہی تین سالوں میں تیار ہوئی۔

بعد از مغرب

دمشق کے لفظ پر فرمایا کہ

اصل میں تثلیث کی جڑھ دمشق ہے۔ یہ راز کی بات ہے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ مگر ہمارے مخالف خیال نہیں کرتے۔ دمشق سے مشرقی طرف اُترنے کے یہی معنے ہیں۔ کہ وہ تثلیث کا استیصال کرے گا۔ مشرق ہمیشہ غرب پر غالب ہوتا ہے۔

(البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۵ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

(مابین مغرب و عشا)

الہامی دُعا میں واحد متکلم کو جمع متکلم کے صیغہ کیساتھ دُعا کرنا

میر ناصر نواب صاحب نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ دعا رب کل شیئٍ خادمك والی جو الہام ہوئی ہے۔ اگر اس میں بجائے واحد متکلم کے جمع متکلم کا صیغہ پڑھ کر دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا جائے تو حرج تو نہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

کوئی حرج نہیں ہے

(البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۱ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

بدن تکلیف اُٹھانے کیلئے ہے

بکثرت مضمون نویسی اور کاپی وغیرہ دیکھنے میں جو تکلیف انسان کو ہوتی ہے۔ اس کو مد نظر رکھ کر ایک خادم نے (ظہر کے وقت) اس تکلیف میں حضور کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ جس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔ بدن تو تکلیف کیواسطے ہے۔

اور کس لئے ہے۔

اللواء مصری اخبار کا جواب

بعد ازیں فرمایا کہ

اللواء کے متعلق مضمون لکھ رہا ہوں۔ نیچے فارسی ترجمہ بھی کر دیا ہے تاکہ اس کی اشاعت اتماماً للحجت بخارا۔ سمرقند وغیرہ ممالک میں بھی ہو جائے۔

پھر حضور فرمانے لگے کہ میں وہ مضمون لا کر بطور نمونہ سُناتا ہوں۔ چنانچہ آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے اور مضمون لا کر اس کا عربی مسودہ اور فارسی ترجمہ سناتے رہے۔

فرمایا کہ

اس مضمون کو میں نے تین طرح پر تقسیم کیا ہے۔ اوّل۔ اجمال لکھا ہے۔ دوم تفصیل کی ہے کہ کیوں اس امر کی ضرورت پڑی کہ ٹیکہ سے ہم پرہیز کریں اور وجہ بتلائی ہے کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے اور لوگ گالیاں دیتے اور سب وشتم کرتے ہیں۔ سوم۔ خدا تعالیٰ نے اب تک کیا تفریق کر کے دکھائی ہے۔ اور مخالفوں کی مخالفت کے کیا نتائج ہوئے۔

آسمانی اور زمینی نشان

عشاء سے قبل قدرے مجلس کی اور اخبارات انگریزی سُنتے رہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ جو نشانات دکھلاتا ہے۔ اشتہاری دکھلاتا ہے کسُوف وخسُوف بھی اشتہاری تھا اور وہ آسمانی تھا۔ اب یہ طاعون بھی اشتہاری ہے اور یہ زمینی ہے۔ اگر آج سے ایک ہزار برس پیشتر تک کی تواریخ پنجاب دیکھتے جاؤ تو جیسی طاعون اب ہے۔ اس کی نظیر نہ ملیگی ابھی تو اس کے پاؤں جمے ہیں اگر یہ سرسری ہوتی تو اس کا دورہ ختم ہو جاتا۔ موت اور خوف بھی خدا تعالیٰ کے رُعب کا نظارہ ہے اور اصلاح کا وقت ہے۔ ہر ایک قسم کی قبیح رسم خود بخود

دور ہو جائے گی۔ ابھی تو کارروائی شروع ہے۔ کسی کا قول ہے ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

(البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

نماز جنازہ پڑھائی اور ایک الہام

(حضور علیہ السلام نے) جمعہ مسجد اقصیٰ میں ادا کیا۔ بعد ادائے جمعہ، نماز جنازہ ایک احمدی بھائی مرحوم کی حضرت اقدس نے پڑھائی۔ عصر کے وقت تشریف لا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ الہام ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور عجیب اور مبشّر فقرہ تھا۔ وہ یاد نہیں رہا۔

يُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ

(البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۳ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

ایک ہندو امرتسری تاجر پارچہ کی حضرت اقدس سے ملاقات

عصر کے وقت نماز سے پیشتر ایک ہندو صاحب سوداگر پارچہ امرتسری نے آکر حضرت اقدس سے نیاز مندانہ طور پر نیاز حاصل کیا اور استفسار پر اس نے جواب دیا کہ ہم امرتسر میں ایک بڑے سوداگر ہیں۔ اس طرف تمام علاقہ میں ہماری دکان سے کپڑا آتا ہے۔ میں اپنی آسامیوں سے روپیہ وصول کرنے آیا تھا۔ میرے بھائی نے کہا تھا کہ حضور کی قدم بوسی کرتا آؤں۔

پھر عصر کی نماز ہوئی اور ہندو صاحب الگ ایک گوشہ میں بیٹھے رہے۔ بعد نماز وہ پھر نیاز حاصل کر کے اور دست بوسی کر کے رخصت ہوئے۔

بجلی چمکنے کی تعبیر

مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا۔ جس میں انہوں نے بجلی دیکھی تھی۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ،

شائد کوئی تیس ۳۰ برس کا عرصہ گذرا ہو گا کہ میں نے بھی ایک خواب دیکھا کہ اب جس مقام پر مدرسہ کی عمارت ہے وہاں بڑی کثرت سے بجلی چمک رہی ہے۔ بجلی چمکنے کی یہ تعبیر ہوتی ہے کہ وہاں آبادی ہو گی۔

(البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۱۴ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ظہر کے وقت حضرت اقدس (علیہ السلام) تشریف لائے تو لاہور اور برما سے آئے ہوئے احباب نے نیاز حاصل کیا۔

درد دنداں کا علاج

ایک صحابی کے دانت میں سخت درد تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ

اس کے لئے مجرب علاج یہ ہے کہ ایک بوٹی بنام کارا بارا نہر کے کنارے ہوتی ہے۔ بارہا آزمایا ہے۔ کہ جب اُسے لے کر منہ میں رکھا اور چبایا اور اس کا اثر دانت پر پہنچا کیسا ہی سخت درد کیوں نہ ہو۔ آرام آجاتا ہے

ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کارا بارا اور کاربالک ایک ہی شے معلوم ہوتی ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ عربی لفظ قلع دبرا ہوگا نہ کہ کاربالک۔

قیام فی ما اقام اللہ کی مثال

مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک شہادت پر گورداسپور جانا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں یہاں سے باہر جانا نہیں چاہتا مگر اب تو اللہ تعالیٰ لے چلا ہے خود تو میں نہیں جاتا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

قیام فی ما اقام اللہ یہی تو ہے۔

علاج طاعون

طاعون کے ذکر پہ فرمایا کہ

اس کے لئے جونک کا لگوانا اور زیادہ مقدار میں مگنیشیا کا جلاب دے کر پھر کیوڑہ اور زہبی وغیرہ مصفی خون ادویہ کا استعمال کرنا بہت مفید اور مجرّب ہے کیونکہ اس میں خونی د سوداوی مواد ہوتے ہیں۔ یہ ان دونو کا علاج ہے۔

(البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۱۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

سردرد اور متلی کا علاج

نماز مغرب ادا فرما کر حضرت اقدس تشریف لے جانے لگے تو مفتی محمد صادق صاحب نے سردرد اور متلی وغیرہ کی شکایت کی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آج شب کو کھانا نہ کھانا اور کل روزہ نہ رکھنا۔ سکنجبین پی کر اُس سے قے کرو۔

صفائی رکھنے کی تاکید

پھر مفتی صاحب کے مکان کی نسبت دریافت کر کے فرمایا کہ

اس کے مالکوں کو کہو کہ روشندان نکال دیں اور آج کل گھروں میں خوب صفائی رکھنی چاہیئے۔ کپڑوں کو بھی ستھرا رکھنا چاہیئے۔ آج کل دن بہت سخت ہیں اور ہوا زہریلی ہے اور صفائی رکھنا تو سنّت ہے۔ قرآن شریف میں بھی لکھا ہے۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ[1]

(یہ کلام حضرت کا ہم نے بالواسطہ سُنکر لکھا ہے۔ ایڈیٹر)

بَیعت کے ساتھ عمل صالح ضروری ہے

بعد از مغرب

تین اشخاص نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد بیعت آپ نے مبائعین کیطرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ

آدمی کو بیعت کر کے صرف یہی نہ ماننا چاہیئے کہ یہ سلسلہ حق ہے اور اتنا ماننے سے اسے برکت ہوتی ہے۔ آج کل بَلا کا زمانہ ہے۔ طاعون ہر طرف پھیل رہی ہے۔ صرف ماننے سے اللہ تعالےٰ خوش نہیں ہوتا جبتک اچھے عمل نہ ہوں۔ کوشش کرو کہ جب اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہو تو نیک بنو۔ متقی بنو۔ ہر ایک بدی سے بچو۔ یہ وقت دعاؤں سے گذارو۔ رات اور دن تضرّع میں لگے رہو۔ جب ابتلا کا وقت ہوتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ کا غضب بھی بھڑکا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں دُعا۔ تضرّع۔ صدقہ خیرات کرو۔ زبانوں کو نرم رکھو۔ استغفار کو اپنا معمول بناؤ۔ نمازوں میں دعائیں کرو۔ مثل مشہور ہے کہ منّتیں کرتا ہوا کوئی نہیں مرتا۔ نرا ماننا انسان کے کام نہیں آتا۔ اگر انسان مان کر پھر اسے پسِ پشت ڈال دے۔ تو اسے فائدہ نہیں ہوتا۔ پھر اس کے بعد یہ شکایت کرنی کہ بیعت سے فائدہ نہیں ہوا۔ بے سود ہے۔ خدا تعالےٰ صرف قول سے راضی نہیں ہوتا۔

عمل صالح کی تعریف قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح

[1] المدثر: ۵،۶

بھی رکھا ہے۔ عمل صالح اسے کہتے ہیں جس میں ایک ذرہ بھر فساد نہ ہو۔ یاد رکھو کہ انسان کے عمل پر ہمیشہ چور پڑا کرتے ہیں۔ وہ کیا ہیں۔ ریا کاری (کہ جب انسان دکھاوے کے لئے ایک عمل کرتا ہے) عُجب (کہ وہ عمل کرکے اپنے نفس میں خوش ہوتا ہے) اور قسم قسم کی بدکاریاں اور گناہ جو اس سے صادر ہوتے ہیں۔ اُن سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ عمل صالح وہ ہے جس میں ظلم۔ عُجب۔ ریا۔ تکبر اور حقوق انسانی کے تلف کرنے کا خیال تک نہ ہو۔ جیسے آخرت میں انسان عمل صالح سے بچتا ہے ویسے ہی دنیا میں بھی بچتا ہے۔ اگر ایک آدمی بھی گھر بھر میں عمل صالح والا ہو تو سب گھر بچا رہتا ہے۔ سمجھ لو کہ جب تک تم میں عمل صالح نہ ہو۔ صرف ماننا فائدہ نہیں کرتا۔ ایک طبیب نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ لے کر اسے پیوے اگر وہ ان دواؤں کو استعمال نہ کرے اور نسخہ لے کر رکھ چھوڑے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا۔

اب اس وقت تم نے توبہ کی ہے۔ اب آئندہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس توبہ سے اپنے آپ کو تم نے کتنا صاف کیا۔ اب زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ تقویٰ کے ذریعہ سے فرق کرنا چاہتا ہے۔ بہت لوگ ہیں کہ خدا پر شکوہ کرتے ہیں اور اپنے نفس کو نہیں دیکھتے۔ انسان کے اپنے نفس کے ظلم ہی ہوتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔

بعض آدمی ایسے ہیں کہ اُن کو گناہ کی خبر ہوتی ہے اور بعض ایسے کہ اُن کو گناہ کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے استغفار کا التزام کرایا ہے۔ کہ انسان ہر ایک گناہ کے لئے خواہ وہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو اور ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ اور سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔ آج کل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہیئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ[1]۔ یہ دعا اول ہی قبول ہو چکی ہے۔ غفلت سے زندگی بسر مت کرو۔ جو شخص غفلت سے زندگی نہیں گذارتا۔ ہرگز امید نہیں کہ وہ کسی فوق الطاقت بلا میں مبتلا ہو۔

[1] الاعراف : ۲۴

کوئی بلا بغیر اذن کے نہیں آتی۔ جیسے مجھے یہ دعا الہام ہوئی۔ رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِي وَارْحَمْنِي

یہاں تک آپ نے تقریر فرمائی تھی کہ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب گورداسپور سے آگئے اور حالات سفر سناتے رہے۔ سفر میں ہر قسم کے عوارض اور شکایت سے محفوظ رہنے پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہمارا ایمان ہے کہ سب اس کے ہاتھ میں ہے خواہ اسباب سے کرے خواہ بلا اسباب

(البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۱۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

طاعون اور مخالفین کا ایک عذر

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس کچھ عرصہ بیٹھے رہے اور ایک شخص طاعون کے حالات سناتا رہا کہ جب لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ تم مسیح موعود کو مان لو تو اس سے محفوظ ہو گے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کو کیوں نہ مانیں جو اس کے ایک بندے کو جا کر مانیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی یہی کہا کرتے تھے۔

آئینہ کمالات اسلام کا اثر ایک عرب پر

ظہر کے وقت مولوی عبدالکریم صاحب نے جناب ابوسعید عرب صاحب تاجر برنج رنگون برما کے حالات حضرت کو سنائے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ اول اول عرب صاحب ایک بڑے آزاد مشرب اور نیچریت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پھر کتاب آئینہ کمالات اسلام کسی طرح ان کی نظر سے گذری تو اس نے اس سلسلہ کی طرف توجہ دلائی

اور حقیقت اسلام ان پر منکشف ہوئی۔ حضرت صاحب پھر خود عرب صاحب سے اُن کے حالات دریافت کرتے رہے اور پوچھا کہ آپ کتنے دن تک رہ سکتے ہیں۔ عرب صاحب نے بیان کیا کہ میں نے کلکتہ سے سیکنڈ کلاس کا واپسی ٹکٹ لیا ہے جس کی میعاد جنوری ۱۹۰۳ء تک ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میری بڑی خوشی ہے کہ آپ اس دن تک ٹھہریں جبتک کہ ٹکٹ اجازت دیتا ہے۔

اس پر عرب صاحب نے نیازمندی سے عرض کی کہ کرایہ کی فکر نہیں میں زیادہ بھی ٹھہر سکتا ہوں۔ پھر عرب صاحب اپنی مذہبی زندگی کی کیفیت حضرت اقدس کو سُناتے رہے کہ میں اس مشرب کا آدمی تھا کہ خدا کے وجود پر بھی ایمان نہ تھا۔ یہی خیال تھا۔ کہ کھانا ہے اور کمانا ہے۔ آئینہ کمالات اسلام نے آخر اس غلطی سے نجات دے کر حضور کی محبت کا تخم دل میں جمایا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خدا ہی کی تلاش کرو۔ حقیقی لذت خدا ہی میں ہے۔ جو لذات اس دنیا سے لیجاوے گا وہی اس کے ساتھ رہیں گی۔ ایک دہریہ جب مرے گا تو اُسے یہی خیال ہوگا کہ میں وہی ہوں اور صرف جسم جدا ہوا ہے اس کو حسرت ہی حسرت رہے گی۔ جسم کے اندھے اچھے ہیں۔ اور قابلِ رحم ہیں بہ نسبت اس کے کہ دل کے اندھے ہوں۔ سید احمد خاں نے تفریط کی راہ لی۔ اور ان (وہابیوں) نے افراط کی طرح طرح کی بدنما باتیں پیش کیں۔ انسان ان کو کہاں تک قبول کرتا کوئی راہ تسلی اور سکینت کی نہ تھی۔ کہ انسان مانتا۔

دین کا سارا حصہ ایسا نہیں ہوتا کہ انسان اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ ایک حصہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود خدا سمجھا دے۔ پھر جو سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ اُن کے دلوں میں بیٹھتا جاتا ہے۔ انسان کو پوری سعادت تک پہنچانے کے واسطے خدا تعالیٰ نے اور حواس رکھے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر دین کو انسان سمجھ نہ سکتا۔ اور اُس وقت میں حقیقی طور پر انسان خدا پر ایمان لاتا ہے۔ خدا پر ایمان اس کا ہے جسے خدا نے ہی

ایمان دیا۔ برہمو کی طرح زمین اور آسمان کو دیکھ کر پھر خدا کی ضرورت کو ماننا تو گویا اپنی طرف سے ایک خدا تجویز کرنا ہے اور اس طرح سے گویا خود انسان کا احسان خدا پر ہے کہ اُس نے خدا کا پتہ لگایا۔ اصل میں اس روز سے انسان کو سچی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جس دن سے وہ خدا پر احسان نہیں رکھتا بلکہ خدا کا اپنے اوپر احسان مانتا ہے کہ اس نے خود اپنے وجود سے اُسے خبر دی اور اسی دن سے سفلی زندگی سے انسان کو نجات حاصل ہوتی ہے۔ جس دن خدا کہے کہ میں غالب ہوں اور اس دن سے وہ ترک گناہ پر قادر ہوگا۔ یہی وہ سلسلہ ہے جس سے انسان کو کامل یقین خدا پر حاصل ہوتا ہے۔ مگر ؎

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا میں بھی ہر ایک شخص انعام و اکرام کے قابل نہیں ہوتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام بھی خواص پر ہوتے ہیں۔

تصویر اور قیافہ شناسی

عرب صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک چینی آدمی کے روبرو میں نے آپ کی تصویر کو پیش کیا۔ وہ بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ آخر بولا کہ یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے پھر میں نے اور تصاویر بعض سلاطین کی پیش کیں۔ مگر ان کی نسبت اس نے کوئی مدح کا کلمہ نہ نکالا اور بار بار آپ کی تصویر کو دیکھ کر کہتا رہا کہ یہ شخص ہرگز جھوٹ بولنے والا نہیں۔

طاعون کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہے

نماز مغرب کے بعد طاعون کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ

اب اس کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ عندی معالجات (الہام حضرت اقدسؑ)

اور اب یہ آیت بالکل صادق آگئی ہے وَ اِن من قریۃٍ الاّ نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابًا شدیدًا[1] یعنی ہم کوئی گاؤں نہ چھوڑیں گے کہ اس کو ہلاک نہ کریں۔ اسی طرح اب کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارے ہاں طاعون نہیں آئی اور جہاں اب تک نہیں آئی تو آخر آنے والی ہے۔

(البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۱۷ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

حفاظت دار کے متعلق الہام

نماز فجر سے پیشتر حضور علیہ السلام نے تھوڑی دیر مجلس فرمائی اور انی احافظ کل من فی الدار الاّ الذین علوا واستکبروا※ کے متعلق فرمایا کہ

اس میں علو اور تکبر سے یہ مراد نہیں ہے کہ مال و وجاہت کا تکبر ہو بلکہ ہر ایک شخص جو کہ عاجزی اور تذلّل سے خدا کے سامنے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتا اور اس کے احکام کو نہیں مانتا وہ اس میں داخل ہے خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو نواب صاحب نے طاعون پر کچھ ذکر کیا۔ جس پر حضور نے ذیل کی تقریر فرمائی۔

طاعون کے وقت جماعت کو نیک اور پاک تبدیلی پیدا کرنے کی نصیحت

ہماری جماعت کو واجب ہے کہ اب تقویٰ سے کام لے اور اولیاء بننے کی کوشش کرے۔ اس وقت زمینی اسباب کچھ کام نہ آوے گا اور نہ منصوبہ اور حجت بازی کام آئے گی۔ دُنیا سے کیا دل لگاتا ہے اور اس پر کیا بھروسہ کرتا ہے۔ یہ ہی امر غنیمت ہے

※ پہلے الہام کے الفاظ استکبروا کی بجائے من استکبار آچکے ہیں۔ (مرتب)

[1] بنی اسرائیل: ۵۹

کہ خدا تعالیٰ سے صُلح کی جائے اور اس کا یہی وقت ہے۔ان کو یہی فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ کہ خدا سے اسی کے ذریعہ سے صلح کرلیں۔ بہت مرضیں ایسی ہوتی ہیں کہ دلالہ کا کام کرتی ہیں اور انسان کو خدا سے ملا دیتی ہیں۔ خاص ہماری جماعت کو اس وقت وہ تبدیلی یک مرتبہ ہی کرنی چاہیئے۔ جو کہ اس نے دس برس میں کرنی تھی اور کوئی جگہ نہیں ہے جہاں اُن کو پناہ مل سکتی ہے اگر وہ خدا تعالےٰ پر بھروسہ کرکے دعائیں کریں تو اُن کو بشارتیں بھی ہو جائیں گی۔ صحابہؓ پر جیسے سکینت اُتری تھی ویسے ان پر اُترے گی۔ صحابہؓ کو انجام تو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا ہوگا مگر دل میں یہ تسلی ہوجاتی تھی کہ خدا تعالےٰ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔ دراصل سکینت اسی تسلّی کا نام ہے جیسے میں اگر طاعون زدہ ہو جاؤں اور گلے تک میری جان آجائے تو مجھے ہرگز یہ وہم نہیں ہوگا کہ میں ضائع ہو جاؤں گا۔اس کی کیا وجہ ہے؟ صرف وہی تعلق جو میرا خدا کے ساتھ ہے وہ بہت قوی ہے۔ انسان کے لئے ٹھیک ٹھنے کا یہ مفت کا موقع ہے راتوں کو جاگو۔ دعائیں کرو۔ آرام کرو (لیکن) جو کسل اور سُستی کرتا ہے وہ اپنے گھر والوں اور اولاد پر ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ وہ تو مثل جڑھ کے ہے اور اہل و عیال اس کی شاخیں ہیں۔ تھوڑے ابتلاء کا ہونا ضروری ہے جیسے لکھا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ[1]

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف تو مکّہ میں فتح کی خبریں دی جاتی تھیں اور ایک طرف اُن کو جان کی بھی خیر نظر نہ آتی تھی اگر نبوّت کا دل نہ ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔ یہ اسی دل کا حوصلہ تھا۔ بعض ابتلا صرف تبدیلی کے واسطے ہوتے ہیں۔ عملی نمونے ایسے اعلیٰ درجے کے ہوں کہ اُن سے تبدیلیاں ہوں اور ایسی تبدیلی ہو کہ خود انسان محسوس کرے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو کہ پہلے تھا بلکہ میں ایک اور انسان ہوں۔ اس وقت خدا تعالےٰ کو راضی کرو حتّٰی کہ تم کو بشارتیں ہوں۔ کل لکھتے ہوئے ایک پُرانا الہام نظر پڑا۔ ایام غضب اللہ غضبت غضب شدید۔ نُنجی اھل السعادۃ۔

[1] العنکبوت: ۳

یہاں اہل سعادت سے مراد وہ شخص ہے جو عملی طور پر صدق دکھلاتا ہے۔ خالی زبان تک
ایمان کا ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسے صحابہؓ نے صدق دکھلایا کہ ہتھیلی پر جانیں رکھ لیں۔
اور مال بچوں تک کو قربان کیا مگر ہم آج ایک شخص کو اگر کہیں کہ سو کوس چلا جا تو وہ عذر
کرتا ہے حتیٰ کہ آبرو و عزت کا معاملہ پیش کرتا ہے اور کاروبار کا ذکر کرتا ہے کہ کسی طرح
جانے سے رہ جائے۔ مگر انہوں (صحابہؓ) نے جان۔ مال۔ آبرو۔ عزت سب کچھ خاک
میں ملا دیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں فلاں آفت آئی۔ حالانکہ ہم نے بیعت کی
تھی مگر ہم نے بار بار جماعت کو کہا ہے کہ نری بیعت اور صرف زبان سے ماننے سے
کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چاہیئے کہ خدا میں گداز ہو کر ایک نیا وجود بن جائے۔ سارا قرآن
دیکھو کہ کہیں بھی صرف اٰمنوا نہیں لکھا ہے۔ ہر جگہ عمل صالح کا ساتھ ہی ذکر ہے۔
غرضیکہ خدا ایک موت چاہتا ہے اور میرا تجربہ ہے کہ خدا مومن پر دو موتیں ہرگز جمع نہیں
کرتا کہ ایک موت تو اس کی خدا کے واسطے ہو اور دوسری دنیا کی لعن طعن کے واسطے۔
ایسے نازک وقت میں چاہیئے کہ جماعت سمجھ جائے اور ایک تیر کی طرح سیدھی ہو
جائے۔ اگر ہزاروں آدمی بھی طاعون سے مرجائیں تو میں ہرگز خدا کو ملزم نہ کروں گا اور
یہی کہوں گا کہ انہوں نے احسان کا پہلو چھوڑ دیا۔ ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین[1]

ہاتھی اور بسینی روٹی کی تعبیر

بوقت عشاء ایک شخص نے بیعت کی چند ایک احباب نے اپنے اپنے خواب سنائے
جس میں سے ایک خواب یہ تھا کہ حضرت اقدس ہاتھی پر سوار ہیں اور وہ آپ کے
حکم میں چلتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ
جو ہاتھی میں نے خواب میں دیکھا تھا اس کی بھی ایسی ہی حالت تھی اور اس سے
مراد طاعون ہے کہ ہم اس پر سوار ہیں۔

[1] التوبہ : ۱۲۰

ایک دوست نے خواب میں بہشتی روٹی دیکھی۔ اس کی تعبیر میں فرمایا کہ

اس سے مراد کچھ تکلیف ہے

(البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء)

۱۸ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

بوقت ظہر حضرت اقدس اپنے الہامات کی تکرار فرماتے رہے جو کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ترقی کی نسبت تھے اور فرمایا کہ

یہ بھی ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ مگر وہ وقت ابھی نہیں آیا۔

بغیر ذکر مسیح موعود صحیح تفسیر قرآن نہیں ہو سکتی

ابو سعید عرب صاحب آمدہ از رنگون نے عرض کی کہ ایک صاحب برما میں کہتے تھے کہ اگر میرزا صاحب صرف قرآن کی تفسیر لکھیں اور اپنے دعاوی کا ذکر اس میں ہرگز نہ کریں تو میں بہت سا روپیہ صرف کر کے اسے طبع کروا سکتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ ابتدا ہی میں ہے صراط الّذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلّین[1]۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ غیر المغضوب کونسا فرقہ تھا۔ تمام فرقے اسلام کے اس پر متفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت یہودی ہو جائے گی۔ تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہوگا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے۔

متفرق امور

مغرب کی نماز ادا فرما کر حضور تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے اور

[1] الفاتحہ: ۷

ایک صحابی کو فرمایا کہ

الللواء پر جو مضمون لکھا ہے وہ مطبع میں چلا گیا ہے ایک دو کاپیاں نکلیں تو آپ کو دکھا دیں گے۔

شفقت کا نمونہ ایک صاحب کے دانت میں درد تھا۔ اس کے لئے حضرت اقدس نے کارابارا (ایک بوٹی) منگوائی تھی وہ اندر مکان میں تھی جناب میر صاحب نے کہا کہ ان کے دانت میں درد ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میں ابھی جا کر وہ سب بوٹی لا دیتا ہوں

مریض نے کہا حضور کو زحمت ہوگی۔ حضرت اقدس نے اس پر تبسم فرمایا اور کہا کہ

یہ کیا تکلیف ہے

اور اسی وقت اندر جا کر حضور وہ رومال لے آئے جس میں وہ بوٹی تھی۔ اور مریض کے حوالہ کی۔

انزلنا الحدید اور اس کے منافع کا زمانہ اصحاب میں سے ایک نے عرض کی کہ آیت لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ[1] (پ ۲۷ ع ۱۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ حدید نے اپنا فعل باس شدید کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا کہ اس سے سامان جنگ وغیرہ تیار ہو کر کام آتا تھا مگر اس کے فعل منافع للناس کا وقت یہ مسیح اور مہدی کا زمانہ ہے کہ اس وقت تمام دنیا حدید (لوہے) سے فائدہ اٹھا رہی ہے (جیسا کہ ریل۔ تار۔ دخانی جہاز۔ کارخانوں اور ہر ایک قسم کے سامان لوہے سے ظاہر ہے)

حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ

میں بھی سارے مضمون لوہے کے قلم ہی سے لکھتا ہوں۔ مجھے بار بار قلم بنانے کی

---

[1] الحدید: ۲۶

عادت نہیں ہے۔ اس لئے لوہے کے قلم استعمال کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے سے کام لیا۔ ہم بھی لوہے ہی سے لے رہے ہیں۔ اور وہی لوہے کی قلم تلوار کا کام دے رہی ہے۔

(حضرت اقدس جس قلم سے لکھا کرتے ہیں وہ ایک خاص قسم کا ہوتا ہے جس کی نوک آگے سے داہنی طرف کو مڑی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی شکل تلوار کی سی ہوتی ہے۔ ایڈیٹر)

۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آج یہ الہام ہوا ہے۔

إِنِّيْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِيْ

زلزلہ سے مراد طاعون

بعد ادائے نماز خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک خواب سنائی۔ جس میں دیکھا کہ زلزلہ آیا ہوا ہے۔ فرمایا کہ

یہی طاعون زلزلہ ہے۔ میں جماعت کو کہتا ہوں کہ یہ قیامت ہے جو آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھیگا۔ مگر صرف اتنی بات پر خوش نہ ہوں کہ بیعت کی ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ اٰمنوا کے ساتھ عمل صالح کی تاکید ہے۔ اگر بعض آدمی جماعت میں سے ایسے ہوں کہ جن کو خدا کی پروا نہیں اور اس کے احکام کی عزت نہیں کرتے تو ایسے آدمیوں کا ذمہ دار نہ خدا ہے اور نہ ہم۔ ان کو چاہیئے کہ اپنا اپنا نمونہ ٹھیک بناویں۔ زلزلہ تو آ رہا ہے۔

بعد نماز مغرب۔

تین خوابیں

حضور نے اپنی تین رویا سنائیں جو کہ آپ نے پے در پے دیکھی تھیں۔

(اول) کہ ایک شخص نے ایک روپیہ اور پانچ چھوہارے رویا میں دیئے۔ اس کے بعد پھر غنودگی ہوئی تو دیکھا کہ تریاق القلوب کا ایک صفحہ دکھایا گیا ہے جس پر علیٰ شکر المصائب لکھا ہوا ہے۔ جس کے یہ معنے ہوئے کہ ھٰذہٖ صلۃ علیٰ شکر المصائب۔ گویا یہ روپیہ اور چھوہارے شکر المصائب کا صلہ ہے۔ تیسری دفعہ پھر کچھ ورق دکھائے گئے جن پر بیٹیوں کے بارے میں کچھ لکھا ہوا تھا اور جو اس وقت یاد نہیں ہے۔

الہامی دعائیں واحد متکلم کے صیغہ کو بصورت جمع پڑھنا

حضرت مولانا عبد الکریم صاحب نے ایک شخص کا خط پیش کیا جس میں سوال تھا کہ دعا الہامیہ رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ کو صیغہ جمع متکلم میں پڑھ لیا جائے یا نہ۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اصل میں الفاظ تو الہام کے یہی ہیں (یعنی واحد متکلم)۔ اب خواہ کوئی کسی طرح پڑھ لیوے۔ قرآن مجید میں دونو طرح دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ واحد کے صیغہ میں بھی جیسے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ[1] الخ اور جمع کے صیغہ میں بھی جیسے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[2] اور اکثر اوقات واحد متکلم سے جمع متکلم مراد ہوتی ہے۔ جیسے اس ہماری الہامی دعا میں فاحفظنی سے یہی مراد نہیں ہے کہ میرے نفس کی حفاظت کر بلکہ نفس کے متعلقات اور جو کچھ لوازمات ہیں سب ہی آجاتے ہیں۔ جیسے گھر بار۔ خویش و اقارب اعضاء و قویٰ وغیرہ۔

---

[1] ابراھیم: ۴۲ [2] البقرۃ: ۲۰۲

ایک عیسائی کمیٹی کے نزدیک علامات ظہورِ مسیح

مفتی محمد صادق صاحب ولایت کی ایک عیسائی کمیٹی کا ایک مضمون سُناتے رہے جس میں مسیح کی دوبارہ آمد پر بہت کچھ لکھا تھا کہ وقت تو یہی ہے سب نشان پورے ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی نہ آیا تو پھر قیامت تک نہ آوے گا۔

اس مضمون کو سُن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اس نے بعض باتیں بالکل صاف اور سچی لکھی ہیں۔ اور اُس نے ضرورتِ زمانہ کو اچھی طرح محسوس کیا ہے بیشک اب ایک تختہ اُلٹنے لگا ہے اور دوسرا تختہ شروع ہوگا جس طرح یہ لوگ اس زمانہ میں مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں بلکہ اکثر اُن کے انتظار کے بعد اب بے امید بھی ہو گئے ہیں اور اکثروں نے تاویلوں سے آمد ثانی کے معنے ہی اور کر لئے ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق تمام پیشگوئیاں پُوری ہو چکی ہیں اور زمانہ کی نازک حالت ایک ہادی کو چاہتی ہے۔ اسی طرح اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق بھی یہی وقت ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ کل اہل مکاشفات اور ملہمین کے کشوف اور الہام اور رویا، مسیح کے بارے میں چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھتے۔

مولوی اب تو کہینگے کہ مسیح و مہدی کا ذکر ہی چھوڑو

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور اب تو مولوی لوگوں نے وہ خطبے وغیرہ پڑھنے چھوڑ دیئے ہیں جن سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی تھی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اب تو وہ نام بھی نہ لیں گے اور اگر کوئی ذکر کرے تو کہیں گے کہ مسیح اور مہدی کا ذکر ہی چھوڑو۔

(البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۹ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء)

۲۰؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

اخبارات سلسلہ کا ذکرِ خیر

عصر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو فرمایا کہ

اخبار عام میں ان مقدموں کے حالات شائع ہو گئے ہیں اور ہمارے مقدمہ کو کھول کر نہیں بیان کیا بلکہ دبی زبان سے بیان کیا ہے۔ پھر ذکر کیا کہ یہ الہام يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَكَ۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفُوْا عِرْضَكَ۔ اس کی ہمیں کیا خبر تھی۔ کہ وہ ان واقعات کے متعلق ہیں۔ تخطیف کے معنے اچک کرلے جانا ہے۔

قادیان کے اخباروں کے متعلق فرمایا کہ

یہ بھی وقت پر کیا کام آتے ہیں۔ الہامات وغیرہ جھٹ چھپ کر ان کے ذریعہ شائع ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اگر کتابوں کی انتظار کی جاوے تو ایک ایک کتاب کو چھپنے میں کتنی دیر لگ جاتی ہے اور اس قدر اشاعت بھی نہ ہوتی۔

یورپ میں بے دینی پھیلے گی

عشاء سے قبل یورپ کی لامذہبی کے متعلق فرمایا کہ

عیسائی مذہب کی عمارت تو گرنی شروع ہو گئی ہے۔ عنقریب سوائے پادریوں کے اور سب لامذہب کہلائیں گے۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۰ صفحہ ۷۴ مورخہ ۲؍جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۱؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اعتکاف کے متعلق بعض ہدایات

مغرب اور عشاء کے درمیان مجلس فرمائی۔ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسری اور خواجہ

کمال الدین صاحب پلیڈر (جو دونو معتکف تھے) ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

اعتکاف میں یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اندر ہی بیٹھا رہے اور بالکل کہیں آئے جائے ہی نہ (مسجد کی) چھت پر دھوپ ہوتی ہے وہاں جاکر آپ بیٹھ سکتے ہیں کیونکہ نیچے یہاں سردی زیادہ ہے اور ضروری بات کر سکتے ہیں۔ ضروری امور کا خیال رکھنا چاہیئے اور یوں تو ہر ایک کام (مومن کا) عبادت ہی ہوتا ہے۔

جہاد اشاعت دین کے لئے نہ تھا

پھر جہاد کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ

اب تلوار سے کام لینا تو اسلام پر تلوار مارنا ہے اب تو دلوں کو فتح کرنے کا وقت ہے اور یہ بات جبر سے نہیں ہو سکتی۔ یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تلوار اُٹھائی بالکل غلط ہے تیرہ برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام صبر کرتے رہے پھر باوجود اس کے کہ دشمنوں کا تعاقب کرتے تھے مگر صلح کے خواستگار ہوتے تھے کہ کسی طرح جنگ نہ ہو اور جو مشرک قومیں صلح اور امن کی خواستگار ہوتیں ان کو امن دیا جاتا اور صلح کی جاتی۔ اسلام نے بڑے بڑے پیچوں سے اپنے آپ کو جنگ سے بچانا چاہا ہے۔ جنگ کی بنیاد کو خود خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ بہت مظلوم ہیں اور اُن کو ہر طرح دُکھ دیا گیا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ اجازت دیتا ہے کہ یہ بھی اُن کے مقابلہ میں لڑیں۔ ورنہ اگر تعصب ہوتا تو یہ حکم پہنچتا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ دین کی اشاعت کے واسطے جنگ کریں لیکن ادھر حکم دیا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1] (یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں)۔ اور ادھر جب غایت درجہ کی سختی اور ظلم مسلمانوں پر ہوئے تو پھر مقابلہ کا حکم دیا۔

کمالات مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں نہ کسی کے خون سے

دینِ اسلام ایسا دین ہے کہ اگر خدا ہمیں عمر اور فرصت دے تو چند ایام میں ان لوگوں

[1] البقرۃ: ۲۵۷

کو معلوم ہو جائے گا کہ کیسا میٹھا اور بہترین دین ہے۔ کمالات تو انسان کو مجاہدات سے ۲۸۔۲۰
حاصل ہوتے ہیں مگر جن کو سہل نسخہ مسیح کے خون کا بل گیا وہ کیوں مجاہدات کریں گے۔
اگر مسیح کے خون سے کامیابی ہے تو پھر اُن کے لڑکے امتحان پاس کرنے کے واسطے کیوں
مدرسوں میں محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں چاہیئے کہ وہ صرف مسیح کے خون پر بھروسہ رکھیں
اور اسی سے کامیاب ہو دیں اور کوئی محنت نہ کریں اور مسلمانوں کے نیچے محنتیں کر کر کے
اور ٹکریں مار مار کر پاس ہوں۔ اصل بات یہ ہے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ[1]۔ اس
دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جب اپنے نفس کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے فسق و
فجور وغیرہ معلوم ہوتے ہیں۔ آخر وہ یقین کی حالت پر پہنچ کر اُن کو صیقل کر سکتا ہے
لیکن جب خونِ مسیح پر مدار ہے تو مجاہدات کی کیا ضرورت ہے۔ اُن کی جھوٹی تعلیم سچی ترقیات
سے روک رہی ہے۔ سچی تعلیم والا دعائیں کرتا ہے کوششیں کرتا ہے آخر دوڑتا دوڑتا اور ہاتھ
پاؤں مارتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ جب یہ بات اُن کو سمجھ آئے گی کہ یہ سب باتیں
(خونِ مسیح پر بھروسہ) قصہ کہانی ہیں اور اُن سے اب کوئی آثار اور نتائج مرتّب نہیں ہوتے۔
اور ادھر سچی تعلیم کی تخم ریزی کے ساتھ برکات ہوں گی تو یہ لوگ خود سمجھ لیں گے۔ انسان کھیتی
کرتا ہے۔ اس میں بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک ملازم ہے تو اُسے بھی محنت کا خیال ہے
غرضیکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر کوشش میں لگا ہے اور سب کا ثمرہ کوشش پر ہی ہے
سارا قرآن کوشش کے مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[1]۔ ان لوگوں
کو جو ولایت میں خونِ مسیح پر ایمان لا کر بیٹھے ہیں کوئی پوچھے کہ کیا حاصل ہوا۔ مردوں یا عورتوں
نے خون پر ایمان لا کر کیا ترقی حاصل کی۔ یہ باتیں ہیں جو بار بار ان کے کانوں تک پہنچانی چاہئیں

※۔ بدر الحکم سے ہے

"مجاہدات پر اللہ تعالیٰ کی راہیں کھلتی ہیں اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے جیسے فرمایا۔ قد افلح من زکّٰھا[2] اور والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[3]" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] النجم: ۴۰ [2] الشمس: ۱۰ [3] العنکبوت: ۷۰

یہ قصہ جھوٹا ہے کہ غذا پیٹ میں رہا۔ پھر اسے خسرہ وغیرہ نکلا ہوگا۔ طفولیت کے عالم میں ماں بھی کوئی دھول دھپا مار بیٹھی ہوگی۔ لڑکوں میں کھیلتا ہوگا وہاں بھی مار کھاتا ہوگا۔ اب اس نظارہ کو کوئی دیکھے کہ بڑا ہو کر بھی مار کھاتا رہا اور چھوٹا تھا تو بھی طمانچے پڑتے رہے۔

(البدر جلد اوّل نمبر ۱۰ صفحہ ۷۴-۷۵ مورخہ ۲؍ جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۲؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

حقیقی طاعون

بوقت ظہر

طاعون کے ذکر پر فرمایا۔

بعض طب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تک سرسام اور غشی نہ ہو تو صرف گلٹی کے ساتھ جو بخار ہوتا ہے اس سے اگر کوئی مر جائے تو اس کا نام طاعون نہیں بلکہ خاص طاعون کے دنوں میں یہ مرض مشابہ بالطاعون ہوا کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی طاعون کا لفظ ایسی موتوں پر نہیں آسکتا جس میں صرف گلٹی اور بخار ہو۔ اور دوسرے علامات طاعون نہ ہوں۔

ایک الہام

پھر فرمایا کہ

گذشتہ شب کو ۲ یا ۳ بجے یہ الہام ہوا۔ اور بڑے زور سے ہوا۔

یاتی علیک زمن کمثل زمن موسٰی

اتنے برس سے یہ سلسلہ ہمارا جاری ہے مگر یہ الہام کبھی نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر تیاری ہوئی ہے۔[1]

[1] حاشیہ۔ مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو طور پر لے جائے گا۔*

[1] شاید اس کا تعلق اس سے ہو۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴؍ دسمبر ۱۹۰۲ء)

مسیح بمعنی سیاح

مولویوں کے احادیث پیش کرنے پر فرمایا کہ

ان پر ایسا وثوق تو نہیں ہوتا جیسے کلام الٰہی پر کیونکہ خواہ کچھ ہی ہو۔ پھر بھی وہ مس انسان سے تو خالی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ جس کی تنقیہ کرتا جائے وہ صحیح ہوتا جائے گا۔ اگر احادیث میں نزول مسیح کا ذکر تھا۔ تو دیکھئے قرآن شریف میں وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ[1] موجود ہے۔ جو کہ اصل حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔ مولویوں نے اس بات کو نہیں سمجھا اور اَور طرف دوڑتے رہے۔ مسیح کے معنے بہت سیر کرنے والا ہیں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ جب وہ آسمان پر ہے تو اس نے سیر کہاں کی ہوگی اور لفظ مسیح کے معنے اس پر کیسے صادق آئیں گے۔ ایک طرف اُسے آسمان پر بٹھاتے ہیں دوسری طرف سیاح کہتے ہیں۔ تو اس کی سیاحت کا وقت کونسا ہوا۔ ٭

٭۔ مسیح کے ذکر کے سلسلہ میں الحکم میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:۔

"فرمایا:۔ خدا تعالیٰ نے جیسے بنی اسرائیل میں ایک مسیح رکھا تھا۔ اور اس کیلئے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ[1] فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بھی ایک مسیح رکھا ہوا تھا مگر مسلمانوں نے اس کو نہ سمجھا اور آسمان سے انتظار کرنے لگے۔

افسوس ہے کہ اُن کو اتنی سمجھ نہ آئی کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس سے پائی جاتی ہے کہ مسیح اسرائیلی آوے یا یہ کہ آپ ہی کی امت میں سے آوے۔ یہاں بھی اسی طرح مسیح کا آنا ضروری تھا جیسے بنی اسرائیل میں ایک مسیح آیا۔

فرمایا۔ براہین میں جو مسیح کی دوبارہ آمد کا ذکر کیا گیا اور پھر وہ تمام وعدے اور آیات میرے حق میں ہیں جو مسیح موعود کے لئے ہیں اور پھر میں اقرار کرتا ہوں کہ مسیح دوبارہ آئے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ بناوٹ کی راہ سے نہیں کیا گیا اور اس قسم کے واقعات تمام نبیوں کے واقعات میں پائے جاتے ہیں" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[1] البقرۃ : ۸۸

مسیح بے پدر

مغرب وعشاء کے درمیان حضرت اقدس تشریف لائے تو مکرم ابوسعید عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح کی ولادت کے متعلق کیا بات ہے وہ بن باپ کس طرح پیدا ہوئے حضرت اقدس نے جواباً فرمایا:۔

اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ[1]۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے اور قرآن شریف سے یہی ثابت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے واسطے ایک نشان تھے جو اُن کی شامتِ اعمال سے اس رنگ میں پورا ہوا۔ زبور اور دوسری کتابوں میں لکھا تھا کہ اگر تم نے اپنی عادت کو نہ بگاڑا تو نبوت تم میں قائم رہے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ اپنی عادت کو بدل لیں گے اور شرک و بدعت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے اپنی حالت کو بگاڑا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق یہ تنبیہی نشان ان کو دیا اور مسیح کو بن باپ پیدا کیا۔

بن باپ پیدا ہونے کا سِرّ اور آمدِ آنحضرت کی بشارت

اور بن باپ پیدا ہونے کا سِرّ یہ تھا کہ چونکہ سلسلہ نسب کا باپ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس طرح سے گویا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اسرائیلی خاندان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کیونکہ وہ پورے طور سے اسرائیلی خاندان سے نہ رہے۔ مبشرًا برسولٍ یاتی من بعدی اسمهٗ احمد[2] میں بشارت ہے۔ اس کے دو ہی پہلو ہیں یعنی ایک تو آپ کا وجود ہی بشارت تھا کیونکہ بنی اسرائیل کے خاندان سے نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسرے زبان سے بھی بشارت دی یعنی آپ کی پیدائش میں بھی بشارت تھی اور آپکی زبانی بھی۔ انجیل میں بھی مسیح نے باغ کی تمثیل میں اس امر کو بیان کر دیا ہے اور اپنے آپ کو مالک باغ کے بیٹے کی جگہ ٹھہرایا ہے بیٹے کا محاورہ انجیل اور بائبل میں عام ہے۔ اسرائیل کی نسبت آیا ہے کہ اسرائیل فرزندِ من بلکہ نخست زادہ من است۔ آخر اس تمثیل میں بتایا گیا ہے کہ بیٹے کے بعد وہ مالک خود آکر

[1] مریم: ۳۶ [2] الصف: ۷

باغبانوں کو ہلاک کر دے گا۔ اور باغ دوسروں کے سپرد کر دے گا۔ یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ نبوت اُن کے خاندان سے جاتی رہی۔ پس مسیح کا بن باپ پیدا ہونا اس امر کا نشان تھا۔

پھر سوال کیا گیا کہ مسیح کے بن باپ پیدا ہونے پر عقلی دلیل کیا ہے؟ فرمایا:۔

آدم کے بن باپ پیدا ہونے پر کیا دلیل ہے اور عقلی امتناع بن باپ پیدا ہونے میں کیا ہے۔ عقل انسان کو خدا سے نہیں ملاتی بلکہ خدا سے انکار کراتی ہے۔ پکا فلسفی وہ ہوتا ہے جو خدا کو نہیں مانتا۔ بھلا آپ سوچ کر دیکھیں کہ اس بات میں عقل ہمیں کیا بتلاتی ہے۔ کہ جو کچھ ہم بول رہے ہیں، یہ کہاں جاتا ہے کیا کسی جگہ بند ہوتا ہے یا یونہی ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ عقل کے جس قدر ہتھیار ہیں وہ سب نکمے ہیں۔ مگر ہم خدا تعالیٰ کے وعدوں اور نشانوں کو دیکھتے ہیں تب یقین کرتے ہیں کہ خدا ہے۔ ایک فلسفی اگر بہت غوض اور تدبر کے بعد کوئی نتیجہ نکالے گا تو وہ صرف اس قدر کہ ایک خدا ہونا چاہیئے مگر ہے اور ہونا چاہیئے میں بہت بڑا فرق ہے مثلاً اگر ہم کہیں کہ اگر دو آنکھیں ہمارے آگے ہیں تو دو پیچھے کی طرف بھی ہونی چاہئیں تھیں تاکہ انسان پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا اور اگر کوئی دشمن پیچھے سے حملہ کرنا چاہتا تو وہ اپنی حفاظت کر سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پیچھے کی طرف آنکھیں نہیں ہیں۔ اسی طرح ہے اور ہونا چاہیئے میں بہت فرق ہے۔ غرضیکہ عقل سے بالکل خدا تعالیٰ کا وجود ثابت نہیں ہو سکتا۔

عرب صاحب نے کہا کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل کے خلاف نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

یہ سچ ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ عقل بالکل نکمی شیئے ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے روٹی کے ساتھ سالن کی۔ اس کے سہارے انسان کھانا خوب کھا لیتا ہے۔ ایسے ہی عقل ہے کہ اس سے (ذرا معرفت خدا) میں مزا آجاتا ہے۔ ورنہ یُوں (خالی) عقل اس میدان میں بڑی نکمی ہے۔ خدا کی معرفت دوسرے حواس سے ہے کہ اس میں یہ عقل کوئی کام نہیں کرتی۔ نہ تسلی دیتی ہے۔

ایک ناکارہ ہتھیار کی طرح ہے۔

عرب صاحب نے سوال کیا کہ ہم تو مان لیں مگر دوسرے آدمی کو کیسے سمجھائیں کہ اور حواس ہیں؟ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

غیر کو ہم یہ جواب دیں گے کہ جو لوگ ایسی بات کے اہل ہیں ان کی صحبت میں رہو۔ پھر پتہ لگے گا کہ ان حواس کے علاوہ اَور حواس بھی انسان کے اندر ہیں۔ خدا کی معرفت کا اُن سے پتہ لگتا ہے۔ اَور بھی امور ہیں جن پر انسان ایمان لاتا ہے[1] مثلاً رُوح۔ ملائک۔ اب عقل اُن کے متعلق کیا بتلاسکتی ہے۔ رُوح کے بقا اور ملائکہ کے متعلق کیا دلیل لاؤگے۔ کوئی شئے ظاہری طور پر ثابت شدہ تو ہے نہیں۔ آپ ہی بتلادیں کہ خدا۔ رُوح۔ ملائک ان تین میں عقل نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ جو کچھ کیا ہے سب اٹکل ہے۔ اصل بات کوئی نہیں۔ اگر کہو کہ علّت العلل کے سلسلہ سے خدا کی معرفت تامہ ہوتی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ علّت اور معلول کے سلسلہ کو تو دہریہ بھی مانتے ہیں۔ مگر پھر خدا کو نہیں مانتے۔ فلسفہ میں جو ذرا کچے رہتے ہیں وہ خدا کا نام لیتے ہیں ورنہ پکا فلسفی ضرور دہریہ ہوتا ہے۔

---

[1] ۔ الحکم میں اس جگہ حواس کا مضمون یوں درج ہے:۔

"یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان حواس کے ذریعہ ہم ان باتوں کو محسوس کرلیں جن کے لئے دوسرے حواس ہیں۔ کیا کان آنکھ کا کام دے سکتے ہیں یا زبان کانوں کا کام دے سکتی ہے۔ پھر کس قدر غلطی ہے کہ اس امر پر زور دیا جائے۔ خداشناسی کے لئے حواس اور ہیں اور اُن کے ذریعہ ہی ان امور پر جو ان محسوسات سے ماوراء ہیں ایمان پیدا ہوتا ہے عقلمند ان چیزوں پر جیسے ملائک ہیں، خدا ہے، رُوح کا بقا ہے۔ ان پر عقلی دلائل تلاش نہیں کرتا بلکہ اس راہ سے ایمان لاتا ہے جو اس کے لئے مقرر ہے۔ فلاسفر صرف اٹکل بازی سے کام لیتے ہیں۔ وہ قطعی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ ہاں انکار کردیتے ہیں۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء)

حکیم نورالدین صاحب نے اس مقام پر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجوسی لوگ اس دورِ تسلسل کو چرخہ اور زنجیر کہتے ہیں اور انہیں سے یہ مسئلہ لیا گیا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا وجود روشن تر ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم تو کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے وجود جیسا اور کوئی وجود روشن ہی نہیں ہے۔

اس مقام پر حکیم نورالدین صاحب نے عرض کی کہ ایک دہریہ کا یہ مقولہ ہے کہ خدا کی ایک ہستی ضرور ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گلاب کا پھول ہوتا ہے۔ اور ایک اس کی جڑھ ہوتی ہے جس سے وہ پھول نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا تو مثل جڑھ کے ہے۔ اور ہم پھول ہیں مگر پھول جڑھ سے زیادہ عمدہ اور مفید ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم خدا سے افضل اور برتر ہیں۔ دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اگر انکار ہو سکتا ہے تو مخلوق کے وجود کا ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات کا تصرف ہر آن اس کے ہر ذرہ ذرہ پر اس قدر ہے کہ گویا اس کی ہستی کچھ شئے ہی نہیں اور بلا اس کے تصرف کے ہم نہ کچھ بول سکتے ہیں نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ جو طالب حق ہے وہ ہماری صحبت میں رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ایسی ہی ذات ہے جن صفات سے قرآن شریف میں لکھا ہے۔ اُن صفات سے ہم اُسے ثابت کر کے دکھا دیں گے۔ بڑی نادانی کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کی بات کو وہ دوسرے عالم کے حواس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک حواس سے دوسرے حواس کا کام نہیں لے سکتے مثلاً آنکھ ناک کا اور کان آنکھ کا کام نہیں دے سکتے۔ جب خارج میں یہ حالت ہے تو باطن میں وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان کو ایک اور حواس ملتے ہیں۔ تب یہ اللہ تعالےٰ کو شناخت کر سکتا ہے۔ بجز اس کے ہرگز نہیں کر سکتا۔ ایک دہریہ سے یہ سوال ہے کہ قبل از وقت

طاقت اور اقتدار سے بھری ہوئی پیشگوئیاں جو ہم کرتے ہیں یہ کہاں سے ہوتی ہیں ؟ اگر کہو یہ کوئی علم ہی ہے تو اس علم کے ذریعہ وہ بھی کر سکتا ہے۔ کرکے دکھائے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ ایک زبردست طاقت ہے جو الہام کر رہی ہے۔ یہ پیشگوئیاں جو غیبوبیت کے رنگ اور طاقت اور اقتدار کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اُن سے بڑھ کر اور کوئی نشان (خدا پر ایمان لانے کے واسطے) نہیں ہے۔ نہ آسمان نہ زمین اور نہ کوئی اور شیئے۔ اُن پر نظر کرکے جو نتیجہ نکالیں گے اور جو بات پیش کریں گے وہ ظنی ہوگی۔ یہی ایک بات (پیشگوئی والی) یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

لیکھرام کے کسی سے قتل کروانے کے الزام کا جواب

عرب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ لیکھرام کو خود اپنے کسی جماعت کے آدمی کے ذریعہ سے مروا ڈالا ہے۔ اس پر فرمایا کہ

ہمارے ساتھ ہزارہا جماعت ہے اگر ان میں سے کسی کو کہوں کہ تم جاکر مار آؤ۔ تو یہ میری پیروی اور بیعت کا سلسلہ کب چل سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی چل سکتا ہے کہ صفائی ہو اور پیروؤں کو معلوم ہو کہ پاک باطنی کی تعلیم دی جاتی ہے اور جب ہم خود ہی قتل کے منصوبے لوگوں کو سمجھائیں تو یہ کاروبار کیسے چل سکتا ہے؟ اب یہ اس قدر گروہ ہے۔ کوئی ان میں سے بولے کہ ہم نے کس کو اور کب کہا تھا کہ جاکر اس کو مار ڈالے۔

یہ سلسلہ منہاجِ نبوت پر چل رہا ہے

پھر عقل کے شیدائیوں کی نسبت فرمایا کہ

جس طور سے ہم سمجھتے ہیں اور منہاجِ نبوت پر یہ سلسلہ چل رہا ہے اس کے بغیر سمجھ نہیں آسکتی۔ یہ لوگ خواہ دہریہ ہوں یا نہ ہوں مگر بے بہرہ ضرور ہیں۔ پاک زندگی، استقامت توکل ان کو پُورے طور پر نصیب نہیں ہوتا اور بڑے دنیا دار ہوتے ہیں۔

* * *

بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو محروم الارث قرار دینے کی وجہ

عرب صاحب نے سوال کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ شریعت اسلام میں پوتے کے واسطے کوئی حصہ وصیت میں نہیں ہے۔ ایک شخص کا پوتا اگر یتیم ہے تو جب یہ شخص مرتا ہے تو اس کے دوسرے بیٹے حصہ لیتے ہیں اور اگرچہ وہ یتیم بھی اس کے بیٹے کی اولاد ہے مگر وہ محروم رہتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دادے کو اختیار ہے کہ وصیت کے وقت اپنے پوتے کو کچھ دے دے بلکہ جو چاہے دیدے۔ اور باپ کے بعد وارث بیٹے قرار دیئے گئے ہیں۔ کہ تا ترتیب بھی قائم رہے۔ اور اگر اس طرح نہ رکھا جاتا تو پھر ترتیب ہرگز قائم نہ رہتی کیونکہ پھر لازم آتا ہے کہ پوتے کا بیٹا بھی وارث ہو جاوے اور پھر آگے اس کے اولاد ہو تو وہ وارث ہو۔ اس صورت میں دادے کا کیا گناہ ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے اور اس سے حرج نہیں ہوا کرتا ورنہ اس طرح تو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور جس قدر سلاطین ہیں وہ بھی آدم کی اولاد ہیں تو ہم کو چاہیئے کہ سب کی سلطنتوں سے حصہ بٹانے کی درخواست کریں۔ چونکہ بیٹے کی نسبت سے آگے پوتے میں جا کر کمزوری ہو جاتی ہے اور آخر ایک حد پر آکر تو برائے نام رہ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس طرح کمزوری نسل میں اور ناطہ میں ہو جاتی ہے اس لئے یہ قانون رکھا ہے۔ ہاں ایسے سلوک اور رحم کی خاطر خدا تعالیٰ نے ایک اور قانون رکھا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے واذا حضر القسمۃ اولوا القربٰی والیتٰمٰی والمساکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولاً معروفاً[1] (یعنی جب ایسی تقسیم کے وقت بعض خویش واقارب موجود ہوں اور یتیم اور مساکین تو ان کو کچھ دیا کرو) تو وہ پوتا جس کا باپ مر گیا ہے وہ یتیم ہونے کے لحاظ سے زیادہ مستحق اس رحم کا ہے اور یتیم

[1] النساء: ۹

میں اُور لوگ بھی شامل ہیں (جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا) خدا تعالیٰ نے کسی کا حق ضائع نہیں کیا مگر جیسے جیسے رشتہ میں کمزوری بڑھتی جاتی ہے حق کم ہوتا جاتا ہے۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۳؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

رؤیا

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس نے رؤیا سنائی :-

"میں کسی اَور جگہ ہوں اور قادیان کی طرف آنا چاہتا ہوں۔ ایک دو آدمی ساتھ ہیں۔ کسی نے کہا۔ راستہ بند ہے، ایک بڑا بحرِ زخّار چل رہا ہے۔ میں نے دیکھا تو واقعی کوئی دریا نہیں بلکہ ایک بڑا سمندر ہے اور پیچیدہ ہو ہو کر چل رہا ہے جیسے سانپ چلا کرتا ہے۔ ہم واپس چلے آئے کہ ابھی راستہ نہیں اور یہ راہ بڑا خوفناک ہے"

چین میں عربی کتب بھیجنے کے متعلق گفتگو

ظہر سے پیشتر حضرت اقدس نے مجلس فرمائی اور فرمایا کہ -

چین میں اہل اسلام عربی زبان سے واقف ہیں کہ نہیں۔ اور وہاں عربی کتب روانہ کرنے کے متعلق حضرت اقدس ابو سعید عرب صاحب سے گفتگو کرتے رہے۔ پھر اشاعت کے متعلق حضرت اقدس نے فرمایا کہ

صحابہ کرام نے کیا کیا کام کئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مومنوں کی جانیں خرید لیں اور اب اس وقت اللہ تعالیٰ نے بہت سی مشکلات کو دُور کر دیا ہے۔

ایک الہام

اس کے بعد ذکر فرمایا کہ

رات کو الہام ہؤا ہے۔

اِنَّہٗ کَرِیْمٌ تَمَشّٰی اَمَامَكَ عَادٰی مَنْ عَادٰی

یعنی وہ کریم ہے۔ وہ تیرے آگے آگے چلتا ہے۔ جس نے تیری عداوت کی (گویا) اس کی عداوت کی۔

قرآنی ترتیب کا ایک سِرّ

فرمایا۔ کل جو الہام ہوا تھا یاتی علیك زمن کمثل زمن موسٰی۔ یہ اسی الہام کے آگے معلوم ہوتا ہے۔ جہاں ایک الہام کا قافیہ جب دوسرے الہام سے ملتا ہے خواہ وہ الہامات ایک دوسرے سے دس دن کے فاصلہ سے ہوں مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان دونو کا تعلق آپس میں ضرور ہے یہاں بھی موسٰی اور عادیٰ کا قافیہ ملتا ہے اور پھر توریت میں بھی اس قسم کا مضمون ہے کہ خدا نے موسٰی کو کہا کہ تو چل میں تیرے آگے چلتا ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ[1]

بعض لوگ جہالت سے اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے کہ ہر ایک قوم کی زبان میں الہام ہونا چاہیئے جیسے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ۔[1] مگر تم کو عربی میں ہی کیوں ہوتے ہیں؟

تو ایک تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا سے پوچھو کہ کیوں ہوتے ہیں۔ اور اس کا اصل سِرّ یہ ہے کہ صرف تعلق جتلانے کی غرض سے عربی میں الہامات ہوتے ہیں کیونکہ ہم تابع ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جو کہ عربی تھے۔ ہمارا کاروبار سب ظلّی ہے اور خدا کے لئے ہے۔ پھر اگر اسی زبان میں الہام نہ ہو تو تعلق نہیں رہتا۔ اس لئے خدا تعالےٰ عظمت دینے کے واسطے عربی میں الہام کرتا ہے اور اپنے دین کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ جس بات کو ہم ذوق کہتے ہیں۔ اسی پر وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اصل متبوع کی زبان کو نہیں چھوڑتا

[1] ابراھیم : ۵

اور جس حال میں یہ سب کچھ اسی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر ہے اور اسی کی تائید ہے تو پھر اس سے قطع تعلق کیونکر ہو۔ اور بعض وقت انگریزی۔ اردو و فارسی میں بھی الہام ہوتے ہیں تاکہ خدا تعالےٰ جتلا دیوے کہ وہ ہر ایک زبان سے واقف ہے۔

آنحضرتؐ کو فارسی زبان میں الہام

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہوا تھا۔ کہ کسی اور زبان میں الہام کیوں نہیں ہوتا تو آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے فارسی زبان میں الہام کیا "ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم"۔ آخر کار خدا کی رحمت کاروبار کرے گی۔ اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے یہود نے کہا تھا کہ پیغمبر آخر زمان بنی اسرائیل میں سے ہونا چاہیئے تھا۔ اور جس قدر نبی آئے ہیں سب کے بارے میں اسی طرح شبہات پڑتے رہے ہیں۔ عیسیٰؑ کے وقت یہود کو کس قدر شبہات آئے پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کے وقت میں بھی پڑے کہ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ آیا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہی مخفی رکھا جاتا ہے کہ ایمان بالغیب کی حقیقت رہے ورنہ پھر ایمان پر ثواب کیا مرتّب ہو۔

حَکم کا کام

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حَکم ہوگا۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ سچی بات پیش کرے گا اور رطب و یابس کو اُٹھا دے گا۔ اور احادیث تو ذخیرہ ظنّوں کا ہے شیعہ، وہابی، سُنّی وغیرہ جو ۷۳ فرقے اہلِ اسلام کے ہیں۔ سب احادیث کو ہی پیش کرتے ہیں اور حَکم کا کام ہے کہ وہ ان میں تحقیق کرے اور جو سچی بات ہو اُسے قبول کرے ورنہ پھر ہر ایک فرقہ کا حق ہے کہ اُسے مجبور کرے کہ میری مان۔ اور اُسے کہا جا سکتا ہے کہ جب ایک کی پیش کردہ احادیث کو تم بلا اعتراض مان لیتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی حدیثوں کو بھی ویسے ہی نہ مانا جائے۔ پھر اس صورت میں وہ آنے والا حَکم کیا رہا۔ حَکم کا لفظ بتلا رہا ہے کہ ایسے وقت میں کچھ لیا جاتا ہے اور کچھ چھوڑا جاتا ہے۔

موزوں پر مسح کرنا

موزوں پر مسح کا ذکر ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

سوتی موزوں پر بھی مسح جائز ہے اور آپ نے اپنے پائے مبارک کو دکھلایا جس میں سوتی موزے تھے کہ میں ان پر مسح کر لیا کرتا ہوں۔

مہدی موعود اور جنگ

ہمارے پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب تیرہ سال تک تلوار نہ اُٹھائی تو مہدی کو کیسے حق پہنچتا ہے کہ جس حالت میں تیرہ سو سال سے لوگ دین سے ناواقف ہو گئے ہیں آتے ہی اُن پر تلوار اُٹھا لیوے اور اس سے اسے کیا فائدہ ہوگا؟ اگر امام مہدی نے لڑائی کے لئے آنا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنی سنّتِ قدیمہ کے موافق پہلے مسلمانوں کی قوم کو جنگ آزمائی سے آگاہ کر دیتا اور اُن کی طبائع کا میلان جنگ کی طرف ہوتا اور ایسے اسباب ہوتے کہ مسلمان جنگ میں مشّاق ہوتے مگر اہلِ اسلام کی موجودہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنگ سے کوئی اُنس نہیں اور جس قدر آج کل مہدی کے نام سے مدعی ہو کر یورپ کی اقوام سے جنگ کر چکے ہیں۔ ان تمام نے شکستیں کھائی ہیں۔ ان تمام باتوں اور اسباب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ارادۂ الٰہی جنگ سے ہرگز نہیں ہے یقین رکھو کہ جسمانی تلواروں کے ساتھ ان کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے گا۔ خود مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس زمانہ میں آخر دعاؤں کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ جن کو نہ یہ روک سکتے ہیں اور نہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور یہی دعائیں ہوں گی کہ جن سے مخالفوں میں رُوحانی تبدیلی ہو جائے گی۔

یاجُوج ماجُوج کے لمبے کانوں سے مُراد

یاجوج ماجوج کے ذکر پر فرمایا کہ

اُن کے لمبے کانوں سے مراد جاسوسی کی مشق ہے۔ جیسے اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں

کہ تار کا سلسلہ اور اخبار وغیرہ سب اسی میں ہیں۔

موجودہ علامات سے عقلمند جانتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ جنگ کا ہوتا تو مسلمانوں کو نبرد آزمائی کے سامان میسر آتے اور ان میں قوت اور برکت بڑھتی مگر اہل اسلام تو دن بدن تنزل پر ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ اگر ان کو سامان جنگ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ یورپ کی سلطنتوں سے منگواتے ہیں اور خود نہیں تیار کر سکتے۔

(البدر جلد اوّل نمبر ۱۰ مورخہ ۲؍جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۴؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

حسنات دارین کی دُعا

عشاء کی نماز سے قبل جب حضرت اقدس نے مجلس فرمائی تو سیّد ابو سعید صاحب عرب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ دعا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ [1] کے کیا معنے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

انسان اپنے نفس کی خوشحالی کے واسطے دو چیزوں کا محتاج ہے۔ ایک دُنیا کی مختصر زندگی اور اس میں جو کچھ مصائب شدائد ابتلا وغیرہ اسے پیش آتے ہیں۔ اُن سے امن میں رہے۔ دوسرے فسق و فجور اور روحانی بیماریاں جو اُسے خدا سے دور کرتی ہیں اُن سے نجات پاوے۔ تو دنیا کا حسنہ یہ ہے کہ کیا جسمانی اور کیا رُوحانی دونو طور پر یہ ہر ایک بلا اور گندی زندگی اور ذلّت سے محفوظ رہے۔ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا [2]۔ ایک ناخن میں ہی درد ہو تو زندگی بیزار ہو جاتی ہے۔ میری زبان کے نیچے ذرا درد ہے اس سے سخت تکلیف ہے اسی طرح جب انسان کی زندگی خراب ہوتی ہے جیسے بازاری عورتوں کا گروہ کہ ان کی زندگی کیسی ظلمت سے بھری ہوئی اور بہائم کی طرح ہے کہ خدا اور آخرت

---

[1] البقرۃ: ۲۰۲ [2] النساء: ۲۹

کی کوئی خبر نہیں تو دنیا کا حسنہ یہی ہے کہ خدا ہر ایک پہلو سے خواہ وہ دنیا کا ہو خواہ آخرت کا ہر ایک بلا سے محفوظ رکھے اور فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً میں جو آخرت کا پہلو ہے وہ بھی دنیا کے حسنہ کا ثمرہ ہے۔ اگر دنیا کا حسنہ انسان کو مِل جاوے تو وہ فال نیک آخرت کے واسطے ہے یہ غلط ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کا حسنہ کیا مانگنا ہے آخرت کی بھلائی ہی مانگو صحت جسمانی وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے انسان کو آرام ملتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ آخرت کے لئے کچھ کر سکتا ہے اور اسی لئے ہی دنیا کو آخرت کی مزرعہ کہتے ہیں کہ درحقیقت جسے خدا دنیا میں صحت، عزت۔ اولاد اور عافیت دیوے اور عمدہ عمدہ اعمال صالحہ اس کے ہوں تو امید ہوتی ہے کہ آخرت بھی اس کی اچھی ہوگی۔

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ[1] بات بہت عمدہ ہے کہ انسان نیکی اور پاکیزگی کی طرف جھک جاوے۔ دنیا میں مختلف فطرتیں ہوتی ہیں جس حد تک ایک سعید پہنچ جاتا ہے۔ اس حد تک ہر ایک انسان نہیں پہنچتا۔ بعض کھوپریاں ایسی ساخت کی ہوتی ہیں کہ اس کھوپری والے انسان سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ایک نیک ہوتا ہے وہ بدوں کی مجلس میں جا بیٹھے تو اسے کچھ حظ نہیں آتا۔ اسی طرح ایک بد نیکوں کی محفل سے کوئی حظ حاصل نہیں کرتا۔ گویا ایک سمندر درمیان میں حائل ہے کہ نہ ادھر کا آدمی اُدھر جا سکتا ہے اور نہ اُدھر کا اِدھر آ سکتا ہے۔ ایک ہماری جماعت ہے کہ جو کہیں مان لیتی ہے اور ہر طرح تیار ہیں اور خوب سمجھے ہوئے ہیں۔ اور ایک وہ ہیں کہ جب تک ہمیں دجّال کافر وغیرہ نہ کہہ لیں اور گالیاں نہ دے لیں ان کو صبر نہیں آتا۔ کیا ان کی آنکھیں نہیں یا کان نہیں یا دماغ نہیں۔ سب کچھ ہے مگر کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔[2]

(البدر جلد اوّل نمبر ۱۰ مورخہ ۲؍ جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۵؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

ایک الہام ظہر کے وقت جب حضرت اقدس تشریف لائے تو فرمایا کہ

[1] [2] بنی اسرائیل: ۸۵

رات کے وقت الہام ہوا ہے

إِنِّیْ صَادِقٌ صَادِقٌ وَسَیَشْھَدُ اللّٰہُ لِیْ

یعنی میں صادق ہوں صادق ہوں۔عنقریب اللہ میری شہادت دے گا۔

خبر نہیں کہ کس امر کے متعلق ہے۔یہ مقدمہ جو اس وقت جہلم میں ہوا ہے یہ تو ایک چھوٹی سی اور شخصی بات ہے۔اصل مقدمہ ہمارا تو وہ ہے جو کروڑہا آدمیوں کے ساتھ ہے۔ اور جو قیامت تک نفع پہنچانے والا ہے۔

نماز مغرب کے بعد بیرون جات سے تشریف لائے ہوئے احباب نے حضور سے نیاز حاصل کیا۔طاعون کا حال نووارد احباب سے حضور دریافت فرماتے رہے۔

اللواء کے اعتراض کا فصیح و بلیغ جواب

مصر کے اخبار اللواء کے اعتراض پر حضور نے عربی میں جو رسالہ تحریر فرمایا ہے۔اس کی فصاحت پر مولوی عبدالکریم اور مولوی نور دین صاحبان کلام کرتے رہے کہ انشاءاللہ بہت ہی سعید روحیں عرب میں ہوں گی جو اسے دیکھ کر عاشق زار ہو جائیں گی۔حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ میں حیران ہو ہو جاتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ سجدہ کروں پھر حیران ہوتا کہ کون کونسے لفظ پر سجدہ کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہمارا مطلب یہی ہے کہ چونکہ ہر وقت موقعہ نہیں ہوتا۔اکثر کام اردو زبان میں ہوتا ہے اس لئے دو ہزار چھپوا لیا جاوے۔جہاں کہیں عرب میں بھیجنے کی ضرورت ہوئی بھیج دیا۔ مخالفت میں بھی ہمارے لئے برکت ہوتی ہے اور جو لکھتا ہے۔ہماری خیر کے لئے لکھتا ہے۔ورنہ پھر تحریک کیسے ہو۔

* * *

مُسلمانوں اور مُرتد عیسائیوں میں فرق

لوگوں کے عیسائی ہونے کے ذکر پر فرمایا کہ

اصل سچی بات یہی ہے کہ بجز اُن لوگوں کے جن کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے سعادت رکھی ہے اور وہ احقاق حق چاہتے ہیں باقی سب اکل و شرب کے واسطے عیسائی ہوتے ہیں اور اسلام سے ان کو کوئی مناسبت نہیں رہتی۔

اسلام میں تقویٰ، طہارت، پاکیزگی، صوم و صلوٰۃ وغیرہ سب بجا لانا پڑتا ہے وہ لوگ اسے بجا نہیں لا سکتے۔ حقیقتِ اسلام کی طرف نظر کی جاوے تو جن کی فطرت میں عیاشی بھری ہوئی ہے ان کو لے کر (یعنی مسلمان کر کے) ہم کیا کریں۔ جہاں کہیں ان کی نفسانی اغراض پوری ہوں گی وہ وہاں ہی رہیں گے اُن کو مذہب اسلام سے کیا کام۔ جب ان کی اغراض میں فرق آئے پھر وہاں سے چلے جائیں گے۔ ایسے لوگ بہت ہیں مگر اُن کے لانے سے کیا فائدہ؟ اس شخص کو لانا چاہیئے جسے اول پہچانا جائے کہ اس کے اندر اسلام کو قبول کرنے کا مادہ موجود ہے۔ تزکیہ نفس اور تقویٰ اختیار کر سکے گا اور ذرا سے ابتلا سے گھبرا نہ جائے گا۔ تو ایسا شخص اگر مشرف باسلام ہووے تو اس سے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ میری طبیعت بیزار ہوتی ہے خواہ کوئی ہندو میرے پاس آوے یا عیسائی) مگر دنیا کے گند سے بھرا ہوا ہو کہ جب ذکر کرتا ہی تو دنیا کا اور جو خیال ہے دنیا کا۔ تو ایسے آدمی کو مسلمان کر کے کیا کیا جائے گا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایسا ہی تھا۔ جو لوگ متقی نہ رہے آخر وہ کافر ہو گئے۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ تقویٰ میں ترقی کرے۔[1]

(البدر جلد اوّل نمبر ۱۰ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء)

---

[1] الحکم میں ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء کی ڈائری کا آخری حصہ ذرا مفصل الفاظ میں یُوں ہے۔

ہمارے کام کے تو وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اسلامی احکام کی پابندیوں کا بوجھ اُٹھا سکیں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

۲۶؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

سفر کے لئے بھی دینی نیّت ہو

عصر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو احباب میں سے ایک نے خواجہ کمال دین صاحب کی وساطت سے سوال کیا کہ دربار دہلی میں شامل ہونے کا بہت شوق ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہو آؤں۔ میں تو دل کو بہت روکتا ہوں مگر پھر بھی خیال غالب رہتا ہے کہ ہو آؤں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

ہو آویں۔ کیا حرج ہے۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کو ایک دفعہ خیال آیا کہ سفر کو جانا چاہیئے پھر سوچا کس واسطے جاؤں تو سمجھ میں نہ آیا کہ کس ارادہ اور نیّت سے جانا چاہتے ہیں اس لئے پھر ارادہ ترک کیا حتٰی کہ سفر کا خیال غالب آیا اور آپ جب اسے مغلوب نہ کرسکے تو اس کو ایک تحریک الٰہی خیال کر کے نکل پڑے اور ایک طرف کو چلے۔ آگے جا کر دیکھتے کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص بے دست و پا پڑا ہے اس نے اُن کو دیکھتے ہی کہا کہ اے

[illegible]

اور تقویٰ و طہارت سے تزکیہ نفس کریں۔ اس لئے بہت بھرتی بھرنے کی کوئی ضرورت نہیں پس کوئی ایسا شخص خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی ہمارے پاس آتا ہے اور اس کی خواہشوں میں گند بھرا ہوا ہے کہ جب ذکر کرتا ہے دُنیا کا اور نفسانی اغراض کا وہ ہمارے مطلب کا کیسے ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اکرام متقی ہی کا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و مکرم وہی ہے جو متقی ہے۔ پس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے نزدیک جو مکرم ہے وہی ہمارے نزدیک مکرم ہو سکتا ہے اور وہ متقی ہوتا ہے اس کے سوا منافق۔ ہم اپنی جماعت کے لئے یہی چاہتے ہیں کہ وہ تقویٰ میں ترقی کرے اور اگر باہر سے کوئی آوے تو وہ ایسا ہونا چاہیئے جو متقی بننا چاہتا ہو۔ ورنہ بدنام کرنے والا نہ ہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰؍جنوری ۱۹۰۳ء)

---

[1] الحجرات : ۱۴

جنید میں کتنی دیر سے تیرا منتظر ہوں تو دیر لگا کر کیوں آیا۔ تب آپ نے کہا کہ اصل میں تیری ہی کشش تھی جو مجھے بار بار مجبور کرتی تھی۔ تو اسی طرح ہر ایک امر میں ایک کشش قضاء وقدر میں مقدر ہوتی ہے وہ پوری نہ ہو۔ تو آرام نہیں آتا۔ آپ سفر کریں تو دین کی نیت سے کریں۔ دنیا کی نیت سے جو سفر ہوتا ہے وہ گناہ ہوتا ہے اور انسان تب ہی درست ہوتا ہے کہ ہر ایک بات میں کچھ نہ کچھ اس کا رجوع دین کا ہو۔ ہر ایک مجلس میں اس نیت سے جاوے کہ کچھ پہلو دین کا حاصل ہو۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مکان بنوایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ وہاں تشریف لے چلیں تو آپ کے قدموں سے برکت ہو۔ جب وہاں حضرت گئے تو آپ نے ایک دریچہ دیکھا پوچھا کہ یہ کیوں رکھا ہے اس نے عرض کی کہ ہوا ٹھنڈی آتی رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو یہ نیت کر لیتا کہ اذان کی آواز سنائی دے تو ہوا بھی ٹھنڈی آتی رہتی۔ اور ثواب بھی ملتا۔

سفر سے پہلے استخارہ اور اس کا طریق

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ استخارہ کر لیں۔ استخارہ اہل اسلام میں بجائے مہورت کے ہے۔ چونکہ ہندو شرک وغیرہ کے مرتکب ہو کر شگن وغیرہ کرتے ہیں۔ اس لئے اہل اسلام نے ان کو منع کر کے استخارہ رکھا۔ اس کا طریق یہ ہے کہ انسان دو نفل پڑھے۔ اول رکعت میں سورہ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ[1] پڑھ لے اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ[2]۔ التحیات میں یہ دعا کرے۔

"یاالٰہی میں تیرے علم کے ذریعہ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت مانگتا ہوں کیونکہ تجھی کو سب قدرت ہے مجھے کوئی قدرت نہیں اور تجھے ہی سب علم ہے مجھے کوئی علم نہیں اور تو ہی چھپی باتوں کا جاننے والا ہے الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے حق میں بہتر ہے بلحاظ دین اور دنیا کے تو تُو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور آسان کر دے اور اس میں برکت دے اور اگر

[1] الکافرون: ۲ [2] الاخلاص: ۲

تُو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لئے دین اور دُنیا میں شر ہے تو تُو مجھ کو اس سے باز رکھ۔

اور اگر وہ امر اس کے لئے بہتر ہوگا تو خدا تعالیٰ اس کے لئے اس کے دل کو کھول دے گا۔ ورنہ طبیعت میں قبض ہو جائے گی۔ یہ دل بھی عجیب شئے ہے۔ جیسے ہاتھوں پر انسان کا تصرف ہوتا ہے کہ جب چاہے حرکت دے۔ دل اس طرح اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ ایک وقت میں ایک بات کی خواہش کرتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اُسے نہیں چاہتا۔ ہوائیں اندر سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلتی ہیں۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۳ء)

ایک حق جو پنڈت سے مکالمہ

دو تین روز سے لاہور کے ایک معزز اور قدیمی رئیس خاندان کے ایک پنڈت صاحب دارالامان میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس کی زیارت اور آپ سے استفادہ ان کا منشاء تھا۔ ۲۶ دسمبر کی شام[1] کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ان کا جو مکالمہ ہوا۔ اُسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں (ایڈیٹر)

گناہ سوز فطرت کیونکر پیدا ہو

حضرت اقدسؑ۔ آپ نے کون کونسی کتاب دیکھی ہے؟

پنڈت صاحب۔ مثنوی مولانا روم صاحب۔ اپنشد اور کئی مذہبی فقراء کی کتابیں۔ مگر انسان کا اپنے نفس پر قابو پانا مشکل ہے۔ یہ بالضرور انسان کو گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔

حضرت اقدسؑ۔ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح طبیب کے پاس کوئی بیمار جاتا ہے تو اس وقت تک وہ اس کا علاج نہیں کر سکتا جب تک وہ یہ تشخیص نہ کرلے کہ مرض کا اصل سبب کیا ہے اور جب وہ مرض کا اصل سبب معلوم کر لیتا ہے تو پھر وہ اس کا علاج تجویز کرتا ہے۔ لیکن جب تک پورے پورے طور پر مرض کی تشخیص نہیں ہو لیتی تو وہ عمدہ طور پر اس کا علاج نہیں

[1] حاشیہ۔ مابین نماز مغرب و عشاء (مرتب)

سوچ سکتا۔ ٹھیک یہی حال گناہ کا ہے کیونکہ گناہ ایک رُوحانی بیماری ہے جب تک اس کی ماہیت معلوم نہیں ہوتی۔ اس وقت تک انسان گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ انسان گناہ کی طرف کیوں جھکتا ہے اور یہ گناہ کا خیال پیدا ہی کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اس وقت تک انسان گناہ کرتا ہے جب تک وہ خدا سے بیخبر رہتا ہے۔ بھلا کیا کوئی شخص جو چوری کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ گھر کا مالک جاگتا ہو اور روشنی بھی ہو یا اس وقت کرتا ہے جبکہ گھر کا مالک سویا ہوا ہو اور ایسا اندھیرا ہو کہ کچھ دکھائی نہ دیتا ہو؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ اُس وقت چوری کرتا ہے جب وہ یقین کرتا ہے کہ مالک بیخبر ہے اور روشنی نہیں ہے۔ اسی طرح پر ایک شخص جو گناہ کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ خدا سے بیخبر ہو جاتا ہے اور اس کو اس پر کچھ یقین نہیں ہوتا نہ اُس وقت جبکہ اس کو یقین ہو کہ خدا ہے۔ اور وہ اس کے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کو سزا دے سکتا ہے اور یہ علم ہو کہ اگر میں کوئی کام اس کی خلاف مرضی کروں گا تو وہ اس کی سزا دے گا۔ جب یہ علم اور یقین خدا کی نسبت ہو تو پھر گناہ کی طرف میل اور توجہ نہیں ہو سکتی۔ جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ میں ہمیشہ اس کے ماتحت ہوں اور وہ میری بداعمالیوں کی سزا دے سکتا ہے اور میرے اعمال کو دیکھتا ہے پھر جرأت نہیں کر سکتا۔ جیسے ایک بھیڑ کو بھیڑیئے کے سامنے باندھ دیا جاوے تو کسی دوسرے کے کھیت کی طرف جانا درکنار اس کے سامنے کتنا ہی گھاس کھانے کے لئے ڈالا جاوے تو وہ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گی کیونکہ ایک خوف جان اس پر غلبہ کئے ہوئے ہے۔ پس جبکہ **خوف** ایک وحشی جانور تک اپنا اتنا اثر کر سکتا ہے۔ کہ وہ کھانا تک چھوڑ دیتا ہے تو پھر انسان جب اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے اسی طرح سمجھے اور یقین کرے کہ وہ دیکھتا ہے اور گناہ پر سزا دیتا ہے تو اس یقین کے بعد گناہ کی طرف توجہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ صاعقہ کی طرح اس پر گرے گا اور تباہ کر دے گا

پس یہ خوف جو خدا تعالےٰ کو بزرگ و برتر اور قدرت والا ماننے سے پیدا ہوتا ہے اس کو گناہ سے بچائے گا اور یہ سچا ایمان پیدا کرے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

کبیرہ و صغیرہ ایک گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں۔ جیسے چوری کرنا۔ زنا۔ ڈاکہ وغیرہ موٹے موٹے گناہ کہلاتے ہیں۔ دوسرے صغیرہ جو بلحاظ بشریّت کے انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ باوجودیکہ انسان اپنے آپ میں بڑا ہی بچتا اور محتاط رہتا ہے۔ مگر بشریّت کے تقاضے سے بعض ناسزا امور اس سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جو دوسری قسم کے گناہ ہیں۔ اسی طرح پر گناہ کے دور ہونے کے بھی دو ذریعے ہیں۔ اول وہ ذریعہ ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کے غلبہ خوف کے سبب سے دُور ہو جاتے ہیں یعنی استیلار خوف الٰہی بھی ایک ایسی شے ہے جو گناہوں کو دور کرتی ہے اور ان سے بچاتی ہے یہ ذریعہ ایسا ہے جیسے پولیس کے خوف سے انسان قانون کی خلاف ورزی سے بچتا ہے۔ پھر دوسرا ذریعہ گناہوں سے بچنے کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت پر اطلاع پانے کے بعد اس کی محبت بڑھتی ہے اور پھر اس محبت سے گناہ دور ہوتے ہیں۔ ان دونوں ذریعوں سے بھی گناہ دور ہوتے ہیں۔

ایک اور قسم کے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ گناہ اُن سے سرزد نہ ہو مگر وہ کچھ ایسے غفلت میں پڑ جاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ گناہ ہو ہی جاتے ہیں لیکن یہ امر انسان کی فطرت اور رگ و ریشہ میں رچا ہوا ہے کہ وہ شدّتِ خوف سے بچتا ہے۔ جیسے میں نے کہا کہ شیر کے سامنے اگر بکری کو باندھ دیویں تو وہ گھاس نہیں کھا سکتی یا حاکم کے سامنے کوئی انسان اکڑ کر کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اس کے سامنے نہایت عاجزی اور احتیاط سے خاموش کھڑا ہوگا۔ یہ احتیاط اور عجز اور خوف اور حاکم کے رعب اور حکومت کا نتیجہ ہے لیکن یہی نتیجہ محبت سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے محسن کے سامنے جاتا

ہے تو وہ اس کے احسان کو یاد کر کے خود بخود نرم اور محتاط ہو جاتا ہے اور ایک حیا اس کی آنکھوں میں پیدا ہوتا ہے۔ محسن کے ساتھ محبت بڑھتی ہے جیسے کوئی شخص کسی کا قرضہ ادا کر دے تو وہ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ پھر اس محبت کے تقاضے سے وہ اس کی خلاف ورزی اور خلاف مرضی کرنا نہیں چاہتا۔ یہ فرماں برداری اور اطاعت محبت ذاتی سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح پر انسان کو اگر خدا تعالیٰ کے احسانات کا علم ہو جو اس پر اس نے کئے ہیں تو وہ اس کی محبت ذاتی کی وجہ سے گناہوں سے بچے گا اور پھر کوئی تحریک اس طرف نہیں لے جا سکتی اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیوے اگر تم اس بچے کو دُکھ دوگی اور دُودھ نہ دوگی یہانتک کہ اگر وہ بچہ مر بھی جاوے تو تم کو کوئی سزا نہ ملے گی بلکہ ہم انعام دینگے تو وہ ہرگز ہرگز اس کی تعمیل نہ کرے گی اور ایسا کرنا پسند نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ اس کی فطرت میں بچہ کے ساتھ محبت کا ایک جوش ہے اور یہ جوش محبت ذاتی کا جوش ہے۔ پس انسان جب خدا تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کی محبت کرنے لگتا ہے تو پھر اس سے جو نیکیاں صادر ہوتی ہیں اور وہ گناہوں سے بچتا ہے تو وہ کسی طمع یا خوف سے نہیں۔ بلکہ اسی محبت ذاتی کے تقاضے سے۔

محبت ذاتی کا یہ نشان ہے کہ اگر محبت ذاتی والے کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کی پاداش میں اس کو بجائے بہشت کے دوزخ ملیگا یا اُسے معلوم ہو کہ اُن پر کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوگا اور بہشت دوزخ کوئی چیز ہی نہیں جس کے خوف یا جس کی طمع کے لئے وہ احکام کی بجاآوری کرے تب بھی اس کی محبت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ کیونکہ یہ خوف اور رجاء کے پہلوؤں کو دُور کر کے فطرت کا رنگ پیدا کرتی ہے۔ محبت ذاتی کا یہ خاصہ ہے کہ جب انسان کے اندر نشو و نما پاتی ہے تو ایک آگ پیدا کر دیتی ہے جو اندر کی نجاستوں کو جلا کر صاف کرتی ہے۔ یہ آگ ان نجاستوں کو جلاتی ہے جن کو بیم و رجاء جلا نہ سکتے تھے۔ پس یہ مقام انسان کے لئے تکمیل کا مقام ہے اور اس جگہ تک اسے پہنچنا ضروری ہے۔

پنڈت صاحب۔ میں خدا کا منکر نہیں ہوں اور نہ اس کا بندہ ہونے کا منکر۔

حضرت اقدس۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان دو قسم کا ہے ایک وہ ایمان ہے جو صرف زبان تک محدود ہے اور اس کا اثر افعال اور اعمال پر کچھ نہیں۔ دوسری قسم ایمان باللہ کی یہ ہے کہ عملی شہادتیں اس کے ساتھ ہوں پس جب تک یہ دوسری قسم کا ایمان پیدا نہ ہو میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک آدمی خدا کو مانتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا بھی ہو اور پھر گناہ بھی کرتا ہو۔ دنیا کا بہت بڑا حصہ پہلی قسم کے ماننے والوں کا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر یہ دیکھتا ہوں کہ اس اقرار کے ساتھ ہی وہ دنیا کی نجاستوں میں مبتلا اور گناہ کی کدورتوں سے آلودہ ہیں۔ پھر وہ کیا بات ہے۔ کہ وہ خاصہ جو ایمان باللہ کا ہے اس کو حاضر ناظر مان کر پیدا نہیں ہوتا؟ دیکھو۔ انسان ایک ادنیٰ درجہ کے چوہڑے چمار کو حاضر ناظر دیکھ کر اس کی چیز نہیں اُٹھاتا۔ پھر اس خدا کی مخالفت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی میں دلیری اور جرأت کیوں کرتا ہے جس کی بابت کہتا ہے مجھے اس کا اقرار ہے۔ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ دنیا کے اکثر لوگ ہیں جو اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں کوئی پرمیشر کہتا ہے کوئی گاڈ کہتا ہے کوئی اور نام رکھتا ہے۔ مگر جب عملی پہلو سے ان کے اس ایمان اور اقرار کا امتحان لیا جاوے اور دیکھا جاوے تو کہنا پڑے گا۔ کہ وہ نرا دعویٰ ہے جس کے ساتھ عملی شہادت کوئی نہیں۔

انسان کی فطرت میں یہ امر واقعہ ہے کہ وہ جس چیز پر یقین لاتا ہے اس کے نقصان سے بچنے اور اس کے منافعہ کو لینا چاہتا ہے۔ دیکھو سنکھیا ایک زہر ہے اور انسان جبکہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اس کی ایک رتی بھی ہلاک کرنے کو کافی ہے تو کبھی وہ اس کو کھانے کے لئے دلیری نہیں کرتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے۔ اس کا کھانا ہلاک ہونا ہے۔ پھر کیوں وہ خدا تعالےٰ کو مان کر ان نتائج کو پیدا نہیں کرتا جو ایمان باللہ کے ہیں۔ اگر سنکھیا کے برابر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس کے جذبات اور جوشوں پر موت وارد ہو جاوے مگر نہیں یہ کہنا پڑے گا کہ نرا قول ہی قول ہے۔ ایمان کو یقین کا رنگ نہیں دیا گیا ہے۔ یہ اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے اور دھوکا کھاتا

ہے جو کہتا ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔

پس پہلا فرض انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے اس ایمان کو درست کرے جو وہ اللہ پر رکھتا ہے یعنی اس کو اپنے اعمال سے ثابت کر دکھائے کہ کوئی فعل ایسا اس سے سرزد نہ ہو جو اللہ تعالےٰ کی شان اور اس کے احکام کے خلاف ہو۔

یہ دھوکا جو انسان کو لگتا ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے۔ باوجودیکہ عملی شہادت اس ایمان کے ساتھ نہیں ہوتی۔ درحقیقت یہ بھی ایک قسم کی مرض ہے جو خطرناک ہے۔ مرض دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مرض مختلف ہوتی ہے۔ یہ وہ ہوتی ہے جس کا درد محسوس ہوتا ہے جیسے درد سر یا درد گردہ وغیرہ۔ دوسری قسم کی مرض مرض مستوی کہلاتی ہے۔ اس مرض کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ اور اس لئے مریض ایک طرح اس کے علاج سے تساہل اور غفلت کرتا ہے۔ جیسے برص کا داغ ہوتا ہے۔ بظاہر اس کا کوئی درد یا دُکھ محسوس نہیں ہوتا لیکن آخر کو یہ خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے۔ پس خدا پر ایسا ایمان جو عملی شہادتیں ساتھ نہیں رکھتا ہے، ایک قسم کی مرض مستوی ہے۔ صرف رسم وعادت کے طور پر مانتا ہے یا یہ کہ باپ دادا سے سُنا تھا۔ کہ کوئی خدا ہے اس لئے مانتا ہے۔ اپنی ذات پر محسوس کر کے کب اس نے اللہ کا اقرار کیا؟ یہ اقرار جس دن اس رنگ میں پیدا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی گناہوں کی میل کچیل کو جلا کر صاف کر دیتا ہے۔ اور اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں جب تک آثار ظاہر نہ ہوں، ماننا نہ ماننا برابر ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یقین نہیں ہوتا اور یقین کے بغیر ثمرات ظاہر نہیں ہو سکتے۔ دیکھو جن خطرات کا انسان کو یقین ہوتا ہے ان کے نزدیک ہرگز نہیں جاتا مثلاً یہ خطرہ ہو کہ گھر کا شہتیر ٹوٹا ہوا ہے تو وہ کبھی اس کے نیچے جانے اور رہنے کی دلیری نہ کرے گا۔ یا یہ معلوم ہو کہ فلاں مقام پر سانپ رہتا ہے اور وہ رات کو پھرا بھی کرتا ہے تو کبھی یہ رات کو اُٹھ کر وہاں نہ جائے گا۔ کیونکہ اس کے نتائج کا قطعی اور یقینی علم رکھتا ہے۔ پس اگر خدا کو مان کر ایک پیسہ کے سنکھیا جتنا بھی اثر اور یقین نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ کچھ بھی نہیں مانتا اور اصل یہ ہے کہ ساری خرابی کی جڑ گیان کی کوتاہی ہے

پنڈت صاحب۔ میرا اصل منشاء تو یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر تو ایمان ہے مگر پھر بھی گناہ ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس۔ آپ کیوں کہتے ہیں کہ ایمان ہے۔ ایمان تو انسان کے نفسانی جذبات کو مُردہ کر دیتا ہے اور گناہ کی قوتوں کو سلب کر دیتا ہے۔ آپ کو یہ سوال کرنا چاہیئے کہ گناہ سے بچنے کا کیا علاج ہے۔ میں یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی ہو۔ ایمان روشنی ہے اس کے سامنے گناہ کی ظلمت رہ نہیں سکتی۔ بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ دن بھی چڑھا ہوا ہو اور رات کی تاریکی بھی بدستور موجود ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ پس اصل سوال یہ رہ جاتا ہے کہ گناہ سے کیونکر بچیں۔ اس کا علاج وہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا ہو۔

پنڈت صاحب۔ بیشک میرا یہ کہنا کہ خدا کو مانتا ہوں اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

حضرت اقدس۔ پس یہی اصل بات ہے جبتک عملی شہادتیں ساتھ نہ ہوں۔ یہ نفس کا دھوکا ہے جو کہتا ہے کہ مانتا ہوں۔ سچا ایمان گناہ کو باقی نہیں رہنے دیتا۔ اور سچا ایمان کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ آپ یاد رکھیں جو مریض طبیب کے پاس جاتا ہے تو طبیب اس کی مرض کو تشخیص کر کے ایک علاج اس کا بتا دیتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ بیمار کو متنبّہ کر دے۔ علاج کرنا نہ کرنا یہ مریض کا اپنا اختیار ہے۔ وہ یہ بتا دے گا کہ داغ لگانے کی جگہ ہے تو داغ دو۔ یا جونک لگاؤ وغیرہ یعنی جو علاج ہو وہ بتا دے گا۔ اسی طرح پر ہم اصل علاج بتا دیتے ہیں کرنا نہ کرنا ہر شخص کے اپنے اختیار میں ہے۔

پس اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور نہ ان حواس سے ہم اس کو محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ اگر وہ ان محسوسات میں سے ہوتا جن کے لئے یہ حواس ہیں تو بے شک وہ نظر آجاتا یا محسوس ہو سکتا مگر ان حواس میں سے کوئی حس اس کے لئے بکار نہیں۔ اس کی شناخت کے خاص وسائل ہیں اور اور حواس ہیں گو حکیموں برہموؤں اور فلاسفروں نے بجائے خود ٹکریں ماری ہیں لیکن وہ سب غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ ایمان جو انسان کی زندگی میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اُن کو نصیب نہیں ہوا۔ جب خود ان کی یہ حالت

ہے تو وہ دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے ہیں جو خود مشکلات میں مبتلا ہیں۔ اور جن کو خود سکینت اور اطمینان نہ ہو وہ اوروں کے لئے کیا اطمینان کا موجب ہوں گے۔ اس سلسلہ کی راہ کے چراغ دراصل انبیاء علیہ السلام ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ نورِ ایمان حاصل کرے اس کا فرض ہے کہ اس راہ کی تلاش کرے اور اس پر چلے بدوں اس کے ممکن نہیں کہ معرفت اور سچا گیان مل سکے جو گناہ سے بچاتا ہے اور ہر ایک شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس شئے کا اتباع اس وقت حقیقی ایمان اور گیان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان سچائی پر قدم مارنے لگتا ہے تو اس کو مشکلات اور ابتلا پیش آتے ہیں۔ برادری اور قوم کا ڈر اسے دھمکاتا ہے لیکن اگر وہ فی الحقیقت سچائی سے پیار کرتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے۔ تو وہ ان ابتلاؤں سے نکل جاتا ہے ورنہ ابتلا اس کا نفاق ظاہر کر دیتا ہے۔ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیوانہ بنے۔ کسی ننگ و عار کی سچائی کے لئے پروا نہ کرے۔ جب تک وہ ان قیود کا پابند ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا ؎

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست
دل چو دادی یوسفے را راہ کنعاں را گزیں

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۷ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

دربارِ دہلی پر میموریل کی اشاعت

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ نے عرض کی کہ دربارِ دہلی پر جو میموریل روانہ کرنا ہے وہ طبع ہو کر آ گیا ہے۔ حضور نے حکم دیا کہ

اسے کثرت سے تقسیم کیا جائے کیونکہ اس سے ہماری جماعت کی عام شہرت ہوتی ہے

اور ہمارے اصولوں کی واقفیت اعلیٰ حکام کو ہوتی ہے اور اس کی اشاعت ہوتی ہے۔

ایک پادری کی کتاب حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کے متعلق

عصر کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو آپ کو خبر دی گئی کہ ایک پادری صاحب بنام گرسفورڈ نے ایک کتاب اپنے زعم میں آپ کے دعویٰ کی تردید میں لکھی ہے اُس کا نام رکھا ہے "میرزا غلام احمد قادیان کا مسیح اور مہدی" مگر حضور کے دعویٰ اور دلائل کو خوب مفصل بیان کیا ہے اور اس کی اشاعت امریکہ میں بہت کی گئی ہے۔ اس پر ذکر ہوتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اشاعت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس کی وہی مثال ہے ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

پھر تو ہم کو بھی ضرور لکھنا چاہیئے جب انہوں نے بطور ہدیہ کے کتاب ہمیں بھیجی۔ تو ہمیں بھی ہدیہ بھیجنا چاہیئے۔ یہ خدا تعالےٰ کے کام ہیں۔ مخالفوں کی توجہ سے بہت کام بنتا ہے۔ میں نے آزمایا ہے کہ جہاں مخالف ٹھوکر کھاتا ہے وہاں ہی ایک بڑی حکمت کی بات ہوتی ہے۔

جو بات سمجھ نہ آئے دریافت کر لینی چاہیئے

حسب دستور حضرت اقدس قبل از نماز عشاء تشریف لائے۔ ایک خادم کی نسبت ایک شخص کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ اس نے نعوذ باللہ حضرت کے کسی فعل پر اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ جب اس بیچارے کو خبر ہوئی تو اُس نے مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کی خدمت میں آکر اصل واقعہ بتلایا اور عرض کی کہ راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ میرا ایمان ہے کہ حضور کا ہر ایک فعل، فعل الٰہی ہے جس پر اعتراض کرنا سخت درجہ کا کفر اور ضلالت

ہے۔ مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اُٹھ کر اصل واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں گذارش کیا اور خود اُس خادم نے بھی عرض کی جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اوائل میں جماعت میں ایسی بات ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جب پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں تشریف لائے تھے تو آپ نے کچھ زمین ایک صحابی سے خریدنی چاہی تو اُس نے کہا۔ کہ میں نے اپنے لڑکوں کے لئے رکھی ہے حالانکہ سب کچھ تو آپ کے ہاتھ پر فروخت کر چکا ہوا تھا آخر وہی اصحاب تھے کہ جنہوں نے سب دینی ضرورتوں کو مقدم رکھا اور اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ہمیشہ خیال رکھے کہ بعض امور تو سمجھ میں آسکتے ہیں اور بعض نہیں آسکتے تو جو سمجھ میں نہ آیا کریں ان کو پسِ پُشت نہ کیا جاوے وہ دریافت کر لینے چاہئیں۔ نیکی اسی کا نام ہے ورنہ حبطِ اعمال ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارا معاملہ اور کاروبار سب خدا کا ہے ہمارے نفس کو اس میں دخل نہیں۔ ہم نے اس خطا کو بخشا اور معاف کیا۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۳ء)

---

۲۸ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ایک کرکٹ کھیلنے والے کو چوٹ اور حضور کا ارشاد

ظہر کے وقت مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک احمدی بھائی کی طرف حضرت اقدس کی توجہ دلائی کہ جن کے دانت میں کرکٹ کھیلنے میں ضرب آگئی تھی اور نیچے کا لب بالکل پھٹ گیا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا

تعجب ہے کہ دیدہ دانستہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا جاتا ہے۔ اس جگہ کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ ہر ایک قسم کے شر اور بدعت میں اپنے آپ کو ڈالا جائے بلکہ یہ ہے کہ ہر ایک ہلاکت کی راہ سے پرہیز کیا جائے۔ لیاقت علمی اور شئے ہے۔ کیا اگر انسان کو کوئی کھیل نہ آتی ہو تو اس کی لیاقت میں فرق آوے گا۔ جن لوگوں کی یہ کھیل ایجاد ہے وہ تو مست ہیں ان کو تلفِ جان

کی پروا نہیں مگر ہمیں تو پرواہ ہے۔

تعبیر رؤیا میں ناموں کا بڑا دخل ہے

مغرب وعشاء کے درمیان چند ایک احباب نے اپنی اپنی رؤیا سنائیں۔ ناموں کی نسبت آپ نے فرمایا کہ

خوابوں میں ناموں کے الفاظ پر بڑا دار ومدار ہوتا ہے۔ تفاؤل کے واسطے ہمیشہ نام کے معانی کی طرف غور کرنا چاہیئے۔ یلبا سلسلہ نہ دیکھے نام کو دیکھ لے۔

خواب میں دشمن سے بھاگنے کی تعبیر فتح

خواب میں دشمن سے بھاگنا۔ اس پر فرمایا کہ

اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دشمن پر فتح ہوگی۔ اس کی نظیر میں معبروں نے موسٰے علیہ السلام کے قصہ کو پیش کیا ہے کہ موسٰی جو فرعون سے بھاگے وہ دشمن تھا۔ انجام کار آپ ہی فرعون پر غالب آئے۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۸ دسمبر ۱۹۰۲ء

غیر معمولی ملاقات

قبل دوپہر حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور بعض احباب کو شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ جناب ابوسعید عرب صاحب نے اپنے بعض احباب کا تذکرہ کیا اور گونہ افسوس ظاہر کیا کہ ان کو اس سلسلہ کی آگاہی اور اطلاع نہیں۔ حضرت حجۃ اللہ نے اس تحریک پر ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ ہم بعد میں پہنچے تھے۔ تاہم ابھی سلسلہ تقریر شروع ہی ہوا تھا ہم نے ایسی طرز پر اس کو قلبند کیا ہے کہ سلسلہ ناتمام نظر نہ آئیگا۔ انشاءاللہ العزیز (ایڈیٹر الحکم)

دنیا دار الحجب ہے

فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار الحجب رکھا ہے کچھ چھپایا ہے کچھ ظاہر کیا ہے۔ اس نے دنیا میں اپنے نبی اور رسول بھیجے مگر اپنا منہ چھپایا۔ اس نے کتابیں اور شریعتیں نازل کیں مگر کسی نے ان کتابوں کو اترتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نبیوں کی معرفت پیشگوئیاں کیں بعض ان میں سے پوری ہوگئیں اور کچھ باقی رہ گئیں۔ وہ لوگ جن کی نظر دنیا کی سطح سے اوپر نہیں جاتی۔ انہوں نے ان باتوں کو دیکھ کر اعتراض کیا اور کہہ دیا کہ فلاں بات پوری نہیں ہوئی۔ مگر انہیں اللہ تعالیٰ کی اس سنّت پر اطلاع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟ کہ تا ایمان داروں اور جلد بازوں میں امتیاز ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اُسے جو کچھ قیامت کو کرنا ہے۔ وہ اسی دنیا میں کر کے دکھا سکتا ہے کیونکہ وہ علیٰ کل شی ءٍ قدیرٌ[1] ہے۔ مگر پھر ایمان ایمان نہ رہتا اور نہ اس کے ثمرات میسّر ہوتے۔ جو لوگ ایمان کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت کچھ نہ کچھ مخفی رہنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ منھم شقی و سعید[2] دونو فریق اسی سے بنتے ہیں سعید جلد بازی نہیں کرتے بلکہ حسن ظن اور صبر سے کام لے کر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو شقی ہوتے ہیں۔ وہ جلد بازی سے کام لے کر اعتراض کرتے ہیں۔ جو لوگ منہاج نبوت کو نہیں چھوڑتے وہ ٹھوکر نہیں کھاتے اور کوئی ایسا اعتراض نہیں کرتے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ مجھ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا جو پہلوں پر نہ ہوا ہو۔ جو کوئی مجھ پر اعتراض کرے گا وہ دین سے خارج ہو کر اعتراض کرے گا۔

عرب صاحب نے حضرت حجۃ اللہ کے جذب کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میں ۱۸۹۲ء میں لاہور آیا جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھے ایک کتاب آپ کی تصدیق میں اور ایک مولوی نے آپ کی تردید میں دی۔ مگر میں نے دونو وہیں کسی کو دے دیں اور پروا نہ کی۔ مجھے

[1] الاحقاف: ۳۴ [2] ھود: ۱۰۶

کہا گیا کہ قادیان آؤں مگر میں نہ آیا اور اب خدا کی شان ہے کہ وہ اس قدر فاصلہ (رنگون) سے مجھے لایا اور اس قدر خرچ کثیر کے بعد مجھے آنا پڑا۔

معرفت الٰہی سے نماز میں ذوق پیدا ہوتا ہے

عرب صاحب نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر دل نہیں ہوتا۔ فرمایا۔

جب خدا کو پہچان لوگے تو پھر نماز ہی نماز میں رہوگے۔ دیکھو یہ بات انسان کی فطرت میں ہے کہ خواہ کوئی ادنیٰ سی بات ہو جب اس کو پسند آجاتی ہے تو پھر دل خواہ نخواہ اسکی طرف کھنچا جاتا ہے۔ اسی طرح پر جب انسان اللہ تعالٰے کو شناخت کرلیتا ہے۔ اور اُس کے حُسن و احسان کو پسند کرتا ہے تو دل بے اختیار ہوکر اسی کی طرف دوڑتا ہے۔ اور بے ذوقی سے ایک ذوق پیدا ہوجاتا ہے۔ اصل نماز وہی ہے جس میں خدا کو دیکھتا ہے۔ اس زندگی کا مزا اسی دن آسکتا ہے جبکہ سب ذوق اور شوق سے بڑھ کر جو خوشی کے سامانوں میں مل سکتا ہے۔ تمام لذت اور ذوق دعا ہی میں محسوس ہو۔ یاد رکھو کوئی آدمی کسی موت و حیات کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ خواہ رات کو موت آجاوے یا دن کو۔ جو لوگ دنیا سے ایسا دل لگاتے ہیں کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں وہ اس دنیا سے نامراد جاتے ہیں وہاں اُن کے لئے خزانہ نہیں ہے جس سے وہ لذت اور خوشی حاصل کرسکیں

جہنّم و جنّت کی حقیقت انسان جس لذت کا خوگرفتہ اور عادی ہو جب وہ اس سے چھوڑائی جائے تو وہ ایک دُکھ اور درد محسوس کرتا ہے اور یہی جہنّم ہے۔ پس جبکہ ساری لذتیں دنیا کی چیزوں میں محسوس کرنے والا ہو تو ایک دن یہ ساری لذتیں تو چھوڑنی پڑیں گی پھر وہ سیدھا جہنّم میں جاوے گا۔ لیکن جس شخص کی ساری خوشیاں اور لذتیں خدا میں ہیں۔ اس کو کوئی دکھ اور تکلیف محسوس نہیں ہوسکتی۔ وہ اس دنیا کو چھوڑتا ہے تو سیدھا بہشت میں ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ دل اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس وقت چاہتا ہے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے اور اس کو سمجھ آجاتی ہے کہ سچا سرور اور خوشحالی اس میں ہے کہ خدا کو پہچانا جائے۔ دیکھو میں اس وقت یہ بات تو کر رہا ہوں مگر میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ دلوں تک اس کو پہنچا بھی دوں یہ خدا ہی کا کام ہے جو دلوں کو زندہ کرتا ہے اور بیدار کرتا ہے۔ باقی تمام جوارح آنکھ، ہاتھ وغیرہ ایسے ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں۔ مگر دل اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس وقت تک اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہیئے جب تک دل مسلمان نہ ہو جاوے اور دل مسلمان نہیں ہوتا جب تک وہ لہو ولعب سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اس کے مسلمان ہونے کا وہی وقت ہے جب وہ دنیوی حیثیت سے دل برداشتہ ہو گیا ہے اور دنیا کی لذتیں اور خوشیاں ایک تلخی کا رنگ دکھائی دیتی ہیں جب یہ حالت ہو تو پھر انسان اپنے آپ کو مشاہدہ کرتا ہے کہ میں وہ نہیں رہا ہوں بلکہ اور ہو گیا ہوں۔ پھر دل میں ایک کشش پاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی یاد میں لذت حاصل کرتا ہے اور ایسی محبت اسے نماز سے ہو جاتی ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے یہ ہے اصل جڑھ ایمان کی۔ مگر یہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم اس بات کا نمونہ نہیں بتا سکتے اور نہ الفاظ میں اس کو سمجھا سکتے ہیں کیونکہ الفاظ حقیقت کے قائمقام نہیں ہوتے۔ اس لئے جب یہ حالت آتی ہے تو پھر انسان اپنی گذشتہ زندگی پر حسرت و افسوس کرتا ہے کہ وہ یونہی ضائع ہو گئی کیوں پہلے ایسی حالت مجھ پر نہ آئی۔

نماز کیا ہے

نماز کیا چیز ہے۔ نماز اصل میں رب العزۃ سے دعا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ عافیت اور خوشی کا سامان مل سکتا ہے جب خدا تعالےٰ اس پر اپنا فضل کرے گا اس وقت اسے حقیقی سرور اور راحت ملے گی۔ اس وقت سے اس کو نمازوں میں لذت اور ذوق آنے لگے گا جس طرح لذیذ غذاؤں کے کھانے سے مزا آتا ہے۔

اسی طرح پھر گریہ و بکا کی لذت آئے گی اور یہ حالت جو نماز کی ہے پیدا ہو جائے گی۔ اس سے پہلے جیسے کڑوی دوا کو کھاتا ہے تاکہ صحت حاصل ہو۔ اسی طرح اس بے ذوقی نماز کو پڑھنا اور دعائیں مانگنا ضروری ہیں۔ اس بے ذوقی کی حالت میں یہ فرض کرکے کہ اس سے لذّت اور ذوق پیدا ہو۔ یہ دعا کرے

نماز میں لذت و ذوق حاصل کرنے کی دُعا

کہ اے اللہ تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں کیسا اندھا اور نابینا ہوں اور میں اس وقت بالکل مُردہ حالت میں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے آواز آئے گی تو میں تیری طرف آجاؤں گا اس وقت مجھے کوئی روک نہ سکے گا لیکن میرا دل اندھا اور ناشناسا ہے تو ایسا شعلہ نُور اس پر نازل کر کہ تیرا انس اور شوق اس میں پیدا ہو جائے۔ تو ایسا فضل کر کہ میں نابینا نہ اُٹھوں اور اندھوں میں نہ جا ملوں۔

جب اس قسم کی دعا مانگے گا اور اس پر دوام اختیار کرے گا۔ تو وہ دیکھے گا۔ کہ ایک وقت اس پر ایسا آئے گا کہ اس بے ذوقی کی نماز میں ایک چیز آسمان سے اس پر گرے گی۔ جو رقّت پیدا کر دے گی۔

خدا کو علو سے نسبت ہے پستی سے نہیں

عرب صاحب نے عرض کیا کہ خدا آسمان پر ہے۔ فرمایا۔

اللہ تعالےٰ ہر چیز کا مالک ہے۔ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ [1]

اس نے اپنے آپ کو علو ہی سے منسوب کیا ہے۔ پستی کی طرف اس کو منسوب نہیں کرسکتے سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ [2]۔ علو کو ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور کشفی صورتوں میں آسمان سے نور نازل ہوتا ہوا دیکھا ہے۔ ہم اس کی کُنہہ اور کیفیت نہ بیان کرسکیں۔ مگر یہ سچی بات ہے کہ اس

[1] الحشر: ۲۵ [2] الانعام: ۱۰۱

کو علو ہی سے تعلق ہے۔ بعض امور آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور بعض نہیں۔ ہر صورت میں فلسفہ کام نہیں آتا۔ پس اصل بات یہی ہے کہ ایک وقت ایسی حالت انسان پر آتی ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ آسمان سے اس کے دل پر کچھ گرا ہے جو اُسے رقیق کر دیتا ہے۔ اس وقت نیکی کا بیج اس میں بویا جائے گا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

۲۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

مغرب اور عشاء کے درمیان حضور تشریف لائے تو آکر فرمایا۔

روزے ایک یا دو اب رہ گئے ہیں۔ بڑی آسانی سے گذر گئے۔

بوقت ضرورت جمع صلوٰتین

ایک صاحب نے ذکر کیا کہ ان کا ایک افسر سخت مزاج تھا۔ روانگی نماز میں اکثر چیں بجبیں ہوا کرتا تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے شرارتوں کے وقت جمع صلوٰتین رکھا ہے۔ ظہر و عصر کی نمازیں ایسی حالت میں جمع کر کے پڑھ لیں۔

بعض انگریز حکام کی قدر شناسی پر فرمایا کہ

زمانہ بدل گیا ہے اور پنجابیوں کے ساتھ انگریزوں کی ساری قوم کا حسن ظن ہے۔ اور بعض ایسے انگریز ہوتے ہیں کہ ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ ماتحت کو فائدہ پہنچا دیں تاکہ وہ ان کو یاد رکھے۔

مصر میں تبلیغ

ایک احمدی حج کو جاتے ہوئے کچھ عرصہ مصر میں مقیم رہے اور ابھی تک وہیں ہیں

اور حضرت اقدس کی کتب کی اشاعت کر رہے ہیں۔ انہوں نے لکھا تھا کہ اگر حکم ہو تو میں اس سال حج ملتوی رکھوں اور مجھے اور کتب ارسال ہوں تو ان کی اشاعت کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اُن کو لکھ دیا جاوے کہ کتابیں روانہ ہوں گی ان کی اشاعت کے لئے مصر میں قیام کریں اور حج انشاء اللہ پھر اگلے سال کریں (من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ)

رُوحانی سیر کی طرف متوجہ ہوں

ابو سعید صاحب عرب کو کمال شوق دلی کے جلسہ کا تھا کہ وہاں کی رونق دیکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اجازت بھی چاہی تھی اور حضرت اقدس نے اجازت دے بھی دی تھی مگر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دعائے استخارہ کر لو۔ چنانچہ دعا سے پھر ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ عرب صاحب دلّی جانے سے رُک گئے اور اب بھی یہاں ہی ہیں۔

حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

فرمائیے۔ اب دلّی جانے کا خیال ہے یا نہیں؟

عرب صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ حضور اب تو بالکل جانے کو دل نہیں چاہتا۔

حضور نے فرمایا کہ

اب دوسری سیروں کو چھوڑ کر روحانی سیروں کی طرف متوجہ ہو جاویں۔ یہ آپ کی سعادت کی علامت ہے کہ اتنی دُور سے اس جلسہ کے واسطے آئے اور یہاں ٹھہر گئے اور اس قدر مقابلہ نفس کا کیا۔ ہر ایک کو یہ طاقت نہیں ہوتی کہ جذب نفس کے ساتھ کشتی کریں۔ آپ نے جن کو وہاں جا کر دیکھنا تھا۔ ان کی صورتیں انسانوں کی ہی ہوں گی۔ مگر دل کا کیا پتہ کہ وہ بھی انسانوں کے ہوں گے یا نہیں۔ لوگ باوجود اس کے کہ ابتلاؤں میں مبتلا ہیں مگر تکبر ان کے دماغ سے نہیں گیا۔ ہم سے تمسخر وغیرہ اسی طرح ہے۔ اور دلی والے پنجابیوں

کو توبل کہتے ہیں (جس کے معنے پنجابی میں ڈھگا ہے) ان کے خیالوں میں صرف دنیا کی زندگی ہے مگر جو لوگ بھیڑیوں کے رنگ میں بولتے ہیں ان کو پاک عقل نہیں ملتی۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۳ء)

---

۳۱ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

مغرب اور عشاء کے درمیان حضور علیہ السلام نے مجلس فرمائی۔

نماز جمعہ کیلئے تین آدمی ہونا ضروری ہیں

ایک صاحب نے بذریعہ خط استفسار فرمایا تھا۔ کہ وہ صرف اکیلے ہی اس مقام پر حضرت اقدس سے بیعت ہیں جمعہ تنہا پڑھ لیا کریں یا نہ پڑھا کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ

جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر دو آدمی مقتدی اور تیسرا امام اپنی جماعت کے ہوں تو نماز جمعہ پڑھ لیا کریں ورنہ نہ (سوائے احمدی احباب کے دوسرے کے ساتھ جماعت اور جمعہ جائز نہیں)

آپ شہرت پسند نہ تھے

ایک صاحب نے عرض کی حضور نے جہلم تاریخ مقدمہ پر جانا ہے۔ اگر اجازت ہو تو اشتہار دیدیا جائے۔ تاکہ ہر ایک اسٹیشن پر لوگ زیارت کے لئے آجائیں۔ فرمایا کہ

جو ہمیں ملنے والے ہیں وہ تو اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ جماعت میں داخل نہیں ہیں۔ ان کے لئے سر درد خریدنے سے کیا فائدہ ؟ میری طبیعت کے یہ امر بر خلاف ہے۔ اگر وہ اہل ہوتے تو خود یہاں آتے۔ اب اس طرح ان سے ملاقات تو وقت کا ضائع کرنا ہے۔

خَلق اور خُلق کے معنے

ایک نو وارد نے عرض کی کہ حضرت خلق کے کیا معنے ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خَلق اور خُلق دو لفظ ہیں۔ خَلق تو ظاہری حسن پر بولا جاتا ہے اور خُلق باطنی حُسن پر بولا جاتا ہے۔ باطنی قویٰ جس قدر مثل عقل، فہم، سخاوت، شجاعت، غضب وغیرہ انسان کو دیئے گئے ہیں ان سب کا نام خُلق ہے اور عوام الناس میں آج کل جسے خُلق کہا جاتا ہے جیسے ایک شخص کے ساتھ تکلف کے ساتھ پیش آنا اور تصنّع سے اس کے ساتھ ظاہری طور پر بڑی شیریں الفاظی سے پیش آنا تو اس کا نام خُلق نہیں بلکہ نفاق ہے۔

خُلق سے مراد یہ ہے کہ اندرونی قویٰ کو اپنے اپنے مناسب مقام پر استعمال کیا جائے جہاں شجاعت دکھلانے کا موقعہ ہو وہاں شجاعت دکھاوے۔ جہاں صبر دکھانا ہے۔ وہاں صبر دکھلائے جہاں انتقام چاہیئے وہاں انتقام لے۔ جہاں سخاوت چاہیئے وہاں سخاوت کرے۔ یعنی ہر ایک محل پر ہر ایک قویٰ کو استعمال کرے نہ گھٹایا جائے نہ بڑھایا جائے۔ یہانتک کہ عقل اور غضب بھی جہاں تک کہ اس سے نیکی پر استقامت کی جاوے۔ خُلق ہی میں داخل ہے۔ اور صرف ظاہری حواس کا نام ہی حواس نہیں ہے بلکہ انسان کے اندر بھی ایک قسم کے حواس ہوتے ہیں۔ ظاہری حواس تو حیوانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک بکری گھاس کھا رہی ہے اور دوسری بکری آجائے تو پہلی بکری کے اندر یہ ارادہ پیدا نہ ہوگا کہ اسے بھی ہمدردی سے گھاس کھانے میں شریک کرے۔ اسی طرح شیر میں اگرچہ زور اور طاقت تو ہوتی ہے مگر ہم اُسے شجاع نہیں کہہ سکتے کیونکہ شجاعت کے واسطے محل اور بے محل دیکھنا بہت ضروری ہے۔ انسان اگر جانتا ہے کہ مجھ کو فلاں شخص سے طاقت مقابلہ کی نہیں ہے یا اگر میں وہاں جاؤں گا تو قتل ہو جاؤں گا تو اس کا وہاں نہ جانا ہی شجاعت میں داخل ہے اور پھر اگر محل اور موقعہ کے لحاظ سے مناسب دیکھ کر مبرا وہاں جانا ضروری ہے۔ خواہ

جان خطرہ میں پڑتی ہو۔ تو اس مقام پر جانے کا نام شجاعت میں داخل ہے۔ جاہل آدمیوں سے جو بعض وقت بہادری کا کام ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کو محل بے محل دیکھنے کی تمیز نہیں ہوتی اس کا نام تہور ہوتا ہے کہ وہ ایک طبعی جوش میں آجاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کام کرنا چاہیئے تھا کہ نہیں۔ غرضیکہ انسان کے نفس میں یہ سب صفات مثل صبر، سخاوت، انتقام، ہمت، بخل، عدم بخل، حسد، عدم حسد ہوتی ہیں اور ان کو اپنے محل اور موقعہ پر صرف کرنے کا نام خُلق ہے۔ حسد بہت بُری بلا ہے لیکن جب موقعہ کے ساتھ اپنے مقام پر رکھا جاوے تو پھر بہت عمدہ ہو جاوے گا۔ حسد کے معنی ہیں۔ دوسرے کا زوالِ نعمت چاہنا لیکن جب اپنے نفس سے بالکل محو ہو کر ایک مصلحت کے لئے دوسرے کا زوال چاہتا ہے تو اس وقت یہ ایک محمود صفت ہو جاتی ہے جیسے کہ ہم تثلیث کا زوال چاہتے ہیں۔

ملائک اور شیطان کا عقلی ثبوت

انسان کے اندر دو ملکے خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ ایک فرشتہ اور ایک شیطان۔

نووارد صاحب نے سوال کیا کہ فرشتہ اور شیطان کا عقلی ثبوت کیا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ کے قویٰ میں کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدکاری کی طرف تحریک ہوتی ہے یا نہیں؟

نووارد صاحب نے کہا کہ ہاں۔ پھر فرمایا کہ

کبھی بھوکے انسان کو دیکھ کر رحم بھی آجاتا ہے اور رحم کی تحریک ہوتی ہے؟

نووارد صاحب نے کہا کہ ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ

جب تحریک ہوتی ہے تو محرک کوئی اندر ہے جو تحریک کرتا ہے کیونکہ تحریک کے لئے محرک کا ہونا ضروری ہے اور انسان خود اس کا محرک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ حالت مفعول میں ہے تو پھر فاعل کیسے ہوگا (کیونکہ تحریک کا عمل اس پر ہوتا ہے۔ اس لئے انسان مفعول ہے)

تو اس نیکی کے محرک کو ہم فرشتہ اور بدی کے محرک کو شیطان کہتے ہیں۔ شریعت کا علم بہرحال ہم سے بڑھ کر ہے۔ جن امور کے ہم زیر اثر ہیں شریعت نے ان کی تفصیل کر دی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم نہ مانیں۔ یہ سب کچھ انسان کو محسوس ہوتا ہے اور ابھی آپ نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد ایک شئے رہتی ہے۔ آپ اُسے مانتے ہیں۔ اُس کا نام رُوح ہے۔ اسے علم بھی ہوتا ہے۔ انسان کتاب یاد کرتا ہے۔ اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اس کے علم میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہے کہ علم روح کی صفت ہے نہ کہ جسم کی۔ ورنہ ضرور تھا کہ ہاتھ کاٹنے سے اس کے علم میں فرق آجاتا۔ اب ایک دہریہ جو کہ رُوح کا قائل نہیں ہے اس کے نزدیک تو پھر جسم کا حصہ کاٹنے سے علم کا کچھ حصہ ضرور جاتا رہتا۔ اگر کہو کہ مجنون بھول جاتا ہے۔ تو یہ بات غلط ہے۔ مجنون ہرگز بھولتا نہیں ہے بلکہ ہر ایک شئے کا علم اس کے اندر مخفی ہوتا ہے۔ جب اس کے جنون کی اصلاح ہو تو فوراً وہ علم آجاتا ہے جیسے آگ پتھر میں مخفی ہوتی ہے کہ رگڑ سے تو ظاہر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ یہی حال مجنون کا ہوتا ہے۔ ہم خود دیکھتے ہیں کہ ایک بات کرتے کرتے ایک لفظ ایسا وقت پر بھول جاتا ہے کہ ہر چند اس وقت یاد کریں مگر یاد نہیں آتا پھر دوسرے وقت خود ہی یاد آجاتا ہے (گویا ایک وقت ہر ایک بات کا علم نہ ہونے سے اس بات کا عدم علم ہرگز ثابت نہیں ہوتا) تو مخفی ہونا اور شئے ہے اور محو اور نابود ہونا اور شئے ہے۔ آجکل کے فلسفی لوگ ان باتوں میں سے بعض کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے (تو اب جیسی غیر مرئی شئے خدا اور رُوح ہے ویسے فرشتے ہیں) مگر فرشتوں کو نہیں مانتے تو یہ اُن کی حماقت ہے۔ پھر جو رُوح کو مانتے ہیں کیا ہمیں دکھلا سکتے ہیں کہ رُوح کیا شئے ہے۔ انسان اگر مرتا ہے تو خواہ اُسے کسی لوہے کے قالب میں ہی بند کر دیں کہ جس میں ہوا کا بھی دخل نہ ہو۔ مگر پھر بھی مرتے وقت کوئی ایسی شئے نظر نہ آوے گی کہ ہم کہیں کہ اسی کا نام رُوح ہے۔ اور کہاں سے جان نکلتی ہے۔ پھر اسی طرح انڈے میں کیا بتلا سکتے ہیں کہ کہاں سے داخل

ہوتی ہے۔ بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ انڈے میں بچہ مرا ہوا ہوتا ہے گویا کہ روح داخل ہو کر پھر نکل بھی گئی اور نظر بھی کسی کو نہ آئی تو یہ ایک بھید ہے جس کی حقیقت کیا سمجھ آسکتی ہے ہرگز سمجھ میں نہیں آتی۔

دلائل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک انّی اور ایک لمّی۔ کھوج نکال کر جاننا اس کا نام لمّی ہے اور انّی یہ ہے کہ آثار سے معلوم کر لینا جیسے قارورہ کو دیکھ کر طبیب گرمی تپ وغیرہ کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ یہ انّی ہے اور تپ وغیرہ دیکھ کر قارورہ کی نسبت سمجھ لینا یہ لمّی ہے۔ تو روح میں لمیت ہم دریافت نہیں کر سکتے مگر آثار بتلاتے ہیں کہ ایک شئے ہے۔ تو اس طرح کے عجائبات کثیر ہیں۔ اسی طرح ایک رویت آنکھ میں ہے کہ ہر ایک شئے کو دیکھتی ہے۔ مگر ایک دیوار کے پیچھے ایک شئے ہوتی ہے تو نہیں دیکھ سکتی۔ آنکھ کیوں نہیں دیوار کے پیچھے دیکھ سکتی اس کے دلائل کیا بیان ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک رویت روح میں ہے کہ بیٹھے بٹھائے دور تک دیکھ لیتی ہے خواہ تین چار دیواریں درمیان میں حائل ہوں مگر اسے۔ پروا نہیں ہوتی وہ اس شئے کو یہاں بیٹھے اس طرح دیکھتی ہے جیسے کہ کھلی روشنی میں ایک شئے نظر آتی ہے

اس پر نو وارد صاحب حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے اور تعجب ظاہر کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا خود ہم نے کئی دفعہ اس طرح دیکھا ہے کہ تین دیواریں درمیان میں حائل ہیں۔ مگر ہم نے وہ شئے دیکھ لی۔ خبر نہیں کہ اس وقت کیا ہوتا ہے۔ دیوار مطلق رہتی ہی نہیں۔ اور انہیں آنکھوں سے اس وقت سب کچھ نظر آتا ہے۔

اس مقام پر حضرت اقدس نے ایک واقعہ سنایا کہ

ایک دفعہ ایک خاکروبہ نے ایک جگہ سے میلا اٹھایا اور اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا میں جو مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا مجھے نظر آیا کہ اس نے ایک حصہ چھوڑ دیا ہے تو میں نے اس خاکروبہ سے کہا۔ وہ سن کر حیران ہوئی کہ اس نے اندر بیٹھے کیسے دیکھ لیا۔ میں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ باوجود میلے کے سر پر موجود ہونے کے نہیں دیکھ سکتی حالانکہ مجھے اس

قدر دور دراز فاصلہ سے دکھلا دیا۔

نو وارد صاحب نے عرض کی کہ پھر یہ بات اور اس رویت روحانی کا کیسے پتہ لگے۔ اور سمجھ میں آوے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بہت دیر صحبت میں رہے تو سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کی نظیر یہ پیشگوئیاں بھی ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ کیونکہ جو علوم پیش از وقت خدا بتلاتا ہے وہ بھی تو ایک قسم کی دیوار کے پیچھے ہیں جو کہ درمیان میں حائل ہوتی ہے اور ایک عرصہ کے بعد اس نے گرنا ہوتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ قبل از وقت دکھلا دیتا ہے اور اسی عالم میں یہ سب عجائبات ہیں۔ کل یا پرسوں ایک نیچری کا خط آیا کہ میرے نزدیک تو انسان کے واسطے خدا شناسی ممکن ہی نہیں ہے تو بات یہی ہے کہ جب روحانی حصہ نہ دیا جاوے تب تک کیا پتہ لگتا ہے۔ انسان کا خاصہ علم ہی ہے۔ اگر علم نہ ہو تو صرف جسد ہی ہوا۔

دو آدمی سعید ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن کا اللہ تعالیٰ بالذات رفع حجاب کرتا ہے اور اپنی خدائی طاقتوں سے اپنی ہستی ان پر کھول دیتا ہے۔ دوسرے وہ جو ایسے آدمیوں کی صحبت میں رہ کر اُن سے مستفید ہوتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرامؓ کی جماعت کہ ان کے تمام حجاب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے رفع ہوئے اور عظیم الشان نشانوں سے خدا نے اُن پر اپنی ہستی کو کھول دیا اور کامل معرفت اُن کو ملی مگر بے ہودہ فلسفیوں سے ہرگز ممکن نہیں کہ یہ ایمانی حالت اُن کو نصیب ہو۔ ایمان تو ایک چولہ بدل کر دوسرا اسے پہنا دیتا ہے اور اُسے ایک فوق العادت طاقت دی جاتی ہے کوئی فلاسفر نہیں گذرا۔ کہ جسے یہ طاقت ملی ہو۔ افلاطون وغیرہ بھی اس سے بے نصیب رہے۔ پاکیزگی کی وراثت بجُز انبیاء کے نہیں آتی اور فلسفیوں وغیرہ میں بجُز تکبّر کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

دنیا کی مصنوعات میں زیادہ تر مشغول ہونے سے دین کے پہلو میں ضرور کمزوری ہوا کرتی ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ انسان لمبی صحبت میں رہے۔ چند ایک نمونے جب اُسے

مل جاتے ہیں تو پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

تعبیر خواب

خواب میں نماز پڑھنے اور شیرینی کھانے کی تعبیر میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خداوند تعالیٰ کسی وقت چاہے گا تو نماز میں حلاوت عطا کرے گا۔

تبت یدا ابی لھب و تبّ[1] خواب میں پڑھنے پر فرمایا کہ

کسی دشمن پر فتح ہوگی

سعید و شقی کی خوابوں کی تعبیر میں فرق

فرمایا۔

خوابوں کی تعبیر ہر ایک کے حال کے موافق مختلف ہوا کرتی ہے۔ ایک دفعہ ابن سیرین کے پاس ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کوڑے کے ڈھیر پر ننگا کھڑا ہوں۔ ابن سیرین نے کہا کہ اگر کوئی اور شخص کا فر یا فاسق اس خواب کو بیان کرتا تو میں اس کی تعبیر اور بیان کرتا۔ مگر تو اس تعبیر کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے سُن کہ کوڑے اور کھاد سے مراد تو دنیا ہے کہ جس میں تو موجود زندہ ہے اور ننگے ہونے سے مراد یہ ہے کہ تیرے صفات حسنہ سب لوگوں پر کُھلے ہیں کیونکہ ننگا ہونے سے انسان کا سب ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لوگ تیری خوبیاں دیکھ رہے ہیں۔ تو مطلب اس سے یہ ہے کہ صالح آدمی کے خواب کی تعبیر اور ہوتی ہے اور شقی کی اور۔

انسانی پیدائش کا طریق

پھر اس کے بعد روح کا ذکر چلا اور ایک شخص نے اس کے متعلق سوال کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

جس شیئے نے پیدا ہونا ہوتا ہے تو روح کی استعداد اس شیئے میں ساتھ ساتھ چلی آتی

[1] اللھب : ۲

ہے۔ جیسے جیسے وہ تیار ہوتی جاتی ہے اور جب وہ عین لائق ہوتی ہے تو خدا اس پر فیضان کرتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ثم انشاناہ خلقاً اٰخر[1] ہے۔ میں نے ایک انڈا کو ایک دفعہ پیالی میں ڈالا۔ دیکھا تو اس کی زردی اور سفیدی پانی کی طرح ہوئی ہوئی تھی اور اس کے درمیان میں ایک نقطہ خون کا خشخاش کے دانہ کی طرح تھا اور اس کی کئی تاریں کوئی کسی طرف کو اور کوئی کسی طرف کو نکلی ہوئی تھیں اور سوائے اس نقطہ کے اور کوئی حرکت اس میں نہ تھی تو میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ خلق اشیاء کا سلسلہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ اول سر بنایا۔ پھر ہاتھ پھر پاؤں وغیرہ بلکہ اس کی کارروائی یکساں ہوتی ہے اور سب کچھ پہلے سے ہی ہوتا ہے۔ صرف نشو و نما پاتا جاتا ہے۔ میں نے بعض دائیوں کو کہا ہوا تھا۔ کہ جو بچے اسقاط ہوا کریں تو دکھایا کرو تو میں نے بعض بچے دیکھے ان کے بھی سب اعضاء وغیرہ بنے بنائے تھے۔ خدا کا یہ خلق معمار کی طرح نہیں کہ اول دیواریں بنائیں۔ پھر چوبارہ بنایا پھر اوپر اور کچھ بنایا بلکہ چار ماہ کے بعد جب روح کی تکمیل ہوتی ہے۔ تو اس وقت انشاناہ خلقاً اٰخر[1] اس پر صادق آتا ہے تو بچہ حرکت کرنے لگتا ہے۔

ہر چیز کی تکمیل کے لئے مراتب ستہ

جیسے دنیا کے سات دن ہیں۔ یہ اشارہ اسی طرف ہے کہ دنیا کی عمر بھی سات ہزار برس ہے اور یہ کہ خدا نے دنیا کو چھ دن میں بنا کر ساتویں دن آرام کیا۔ اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ ہر شئے چھ مراتب ہی طے کر کے مرتبہ تکمیل کا حاصل کرتی ہے نطفہ میں بھی اسی طرح چھ مراتب ہیں کہ انسان اول سلسلہ میں طین ہوتا ہے۔ پھر نطفہ۔ پھر علقہ۔ پھر مضغہ۔ پھر عظاماً۔ پھر لحماً۔ پھر سب کے بعد انشاناہ خلقاً اٰخر[1]۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کچھ نہیں آتا۔ بلکہ اندر سے ہی ہر ایک نشو و نما پاتی ہے۔

* * *

[1] المومنون: ۱۵

رُوح سے متعلق آریوں کے عقیدہ کا ردّ

آریوں کا یہ اصول کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی رُوح اندر سے نکل کر اکاش میں رہتی ہے۔ رات کو اوس کے ساتھ مل کر کسی پتہ یا گھاس پر پڑتی ہے وہ پتہ یا گھاس کوئی کھا لیتا ہے۔ تو اس کے ساتھ وہ رُوح بھی کھائی جاتی ہے جو کہ پھر دوسری جاندار شئے میں نمودار ہوتی ہے۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بچہ خَلق اور خُلق میں ماں باپ ہر دو سے حصہ لیتا ہے اور جیسے جسمانی حصہ لیتا ہے ویسے ہی رُوحانی بھی لیتا ہے۔ تفاوت مراتب کے لحاظ سے تناسخ کی ضرورت کو ماننا غلطی ہے۔ یہ تو ہر ایک جگہ پایا جاتا ہے۔ نباتات میں بھی ہم تفاوت مراتب کو دیکھتے ہیں اور اسی طرح انسانوں میں بھی۔

جس قدر بادشاہ اور راجے ہیں اگر وہ لوگ اس آرام کے ساتھ ایک مشقّت عبادت کی نہ ملاویں گے تو وہ سخت عذاب پاویں گے۔ خدا تعالیٰ نے بعض کو خود مشقّت دے دی ہے اور بعض کو نہیں۔ جو لوگ دنیا میں دولت رکھتے ہیں اور عیاشی اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ اُن سے حساب ہوگا۔ جیسے ایک انسان سرد پانی پیتا ہے مگر اپنے بھائی کو نہیں دیتا تو سزا پائیگا جس حال میں کہ آگے جا کر سب کمی بیشی پُوری ہو جاتی ہے تو پھر اعتراض کیا ہے۔ اُن کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں کہ خدا ہے۔ کشف و کرامات کے منکر ہیں۔ رُوح اور پرمانو کو انادی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف جوڑ جاڑ پرمیشر کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب رُوح اپنی صفات میں پرمیشر کی محتاج نہیں ہے اور نہ ذات (پرمانو) پرمیشر کے محتاج ہیں تو پھر جوڑنے میں اس کی کیوں احتیاج ہوئی بلکہ جیسے وہ اپنے وجود اور صفات میں خود بخود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپس میں جُڑ نہ سکتی ہوں۔ جب ایک انسان کا بدن اپنا ہے۔ کپڑے اپنے ہیں تو پہننے کے واسطے دوسرے کی کیا ضرورت ہوئی۔ عیسائیوں کی طرح ان کے اصُول میں بھی اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ اسلام پر کثرت ازدواج کا اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ کرشن کی کئی ہزار بیویاں تھیں۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۳ء)

یکم جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

فجر کی نماز کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشریف لاتے ہی یہ رؤیا سنائی۔

رؤیا

اول ایک خفیف خواب میں جو کشف کے رنگ میں تھی مجھے دکھایا گیا کہ میں نے ایک لباس فاخرہ پہنا ہوا ہے اور چہرہ چمک رہا ہے۔ پھر وہ کشفی حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل ہوگئی چنانچہ وہ تمام فقرات وحی الٰہی کے جو بعض اس کشف سے پہلے اور بعض بعد میں تھے۔ ذیل میں لکھے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

يُبْدِىْ لَكَ الرَّحْمٰنُ شَيْئًا۔ اَتٰى اَمْرُ اللهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ۔
بَشَارَةٌ تَلَقَّاهَا النَّبِيُّوْنَ ۔

فرمایا کہ ان کو آج ہی شائع کر دیا جائے۔[1]

---

[1] حاشیہ۔ الحکم سے:۔

هدیہ عید

حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عید کی مبارک صبح کو جو الہام بطور ہدیہ عید سنایا اور اس کے متعلق جو اشتہار شائع کیا گیا ہے۔ اسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ وھو ھذا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی

وحی الٰہی کی ایک پیشگوئی جو پیش از وقت شائع کی جاتی ہے چاہیئے کہ ہر ایک شخص اس کو خوب یاد رکھے۔

اول ایک خفیف خواب میں جو کشف کے رنگ میں تھا مجھے دکھایا گیا کہ میں نے ایک لباس فاخرہ پہنا ہوا ہے اور چہرہ چمک رہا ہے۔ پھر وہ کشفی حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل ہوگئی چنانچہ وہ تمام فقرات وحی الٰہی کے جو بعض اس کشف سے پہلے اور بعض بعد میں تھے۔ ذیل میں لکھے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۴۔

يُبْدِي لَكَ الرَّحْمٰنُ شَيْئًا۔ اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ۔

بَشَارَةٌ تَلَقَّاهَا النَّبِيُّوْنَ۔

ترجمہ۔ خدا جو رحمان ہے تیری سچائی ظاہر کرنے کے لئے کچھ ظہور میں لائے گا۔ خدا کا امر آرہا ہے۔ تم جلدی نہ کرو۔ یہ ایک خوشخبری ہے جو نبیوں کو دی جاتی ہے۔

صبح پانچ بجے کا وقت تھا۔ یکم جنوری ۱۹۰۳ء و یکم شوال ۱۳۲۰ھ روز عید جب میرے خدا نے مجھے یہ خوشخبری دی۔ اس سے پہلے ۲۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور وحی ہوئی تھی جو میری طرف سے حکایت تھی اور وہ یہ ہے:۔

اِنِّیْ صَادِقٌ صَادِقٌ وَ سَیَشْهَدُ اللّٰهُ لِیْ

ترجمہ۔ میں صادق ہوں۔ صادق ہوں۔ عنقریب خدا تعالیٰ میری گواہی دے گا۔

یہ پیش گوئیاں باٰواز بلند پکار رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا امر میری تائید میں ظاہر ہونے والا ہے جس سے میری سچائی ظاہر ہوگی اور ایک وجاہت اور قبولیت ظہور میں آئے گی اور وہ خدا تعالیٰ کا نشان ہوگا تا دشمنوں کو شرمندہ کرے اور میری وجاہت اور عزت اور سچائی کی نشانیاں دنیا میں پھیلا دے۔

نوٹ:۔ چونکہ ہمارے ملک میں یہ رسم ہے کہ عید کے دن صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرتے ہیں سو میرے خداوند نے سب سے پہلے یعنی قبل از صبح پانچ بجے مجھے اس عظیم الشان پیشگوئی کا ہدیہ بھیجا ہے۔ اس ہدیہ پر ہم اس کا شکر کرتے ہیں اور ناظرین کو یہ بھی خوشخبری دیتے ہیں کہ ہم عنقریب ان نشانوں کے متعلق بھی ایک اشتہار شائع کریں گے جو اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک گذشتہ سالوں میں ظہور میں آچکے ہیں۔ المشتھر مرزا غلام احمد قادیانی

یکم جنوری ۱۹۰۳ء

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

قادیان میں عیدالفطر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نماز عید سے پیشتر احباب کے لئے میٹھے چاول تیار کروائے۔ اور سب احباب نے مل کر تناول فرمائے۔ گیارہ بجے کے قریب خدا تعالےٰ کا برگزیدہ جری اللہ فی حلل الانبیاء سادے لباس میں ایک چوغہ زیب تن کئے مسجد اقصےٰ میں تشریف لایا۔ جس قدر احباب تھے انہوں نے دوڑ کر حضرت اقدس کی دست بوسی کی اور عید کی مبارک باد دی۔

اتنے میں حکیم نورالدین صاحب تشریف لائے اور آپ نے عید کی نماز پڑھائی۔ اور ہر دو رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پیشتر سات اور پانچ تکبیریں کہیں۔ اور ہر تکبیر کے ساتھ حضرت اقدس علیہ السلام نے گوش مبارک تک حسب دستور اپنے ہاتھ اُٹھائے۔

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام تشریف لائے تو کمر کے گرد ایک صافہ لپٹا ہوا تھا۔ فرمایا کہ

کچھ شکایت درد گردہ کی شروع ہو رہی ہے۔ اس لئے میں نے باندھ لیا ہے۔ ذرا غنودگی ہوئی تھی۔ اس میں الہام ہوا ہے۔

تا عود صحت

فرمایا کہ

صحت تو اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جب تک وہ ارادہ نہ کرے۔ کیا ہو سکتا ہے۔

ہمت بلند رکھو

عصر کے بعد حضور نے مجلس فرمائی۔ سید ناصر شاہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمت بلند رکھنی چاہیئے۔ انسان اگر دنیوی امور میں ہمت ہار دے تو دینی امور میں بھی ہار دیتا ہے۔ یہ عجیب چیز ہے کیونکہ گواہی دیتی ہے کہ قویٰ ٹھیک ہیں جو لوگ کم ہمت ہوں

ان میں پست خیالی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسجدوں کے ملاں جو ہوتے ہیں ان کو دیکھو۔ ایک بار ہمارے میرزا صاحب مرحوم کے پاس یہاں کا ایک ملاں شکایت لایا کہ ہمارے جو گھر باہم تقسیم ہوئے ہیں تو مجھے چھوٹے قد کے آدمیوں کے گھر ملے ہیں اور ان کے مرنے سے بہت چھوٹا کفن ملا ہے۔ یہانتک حالت ان لوگوں کی گر جاتی ہے کہ ایک ملاں نے نماز جنازہ غلط پڑھی جب کہا گیا تو جواب دیا کہ اس کی مشق نہیں رہی۔

غرض دنیا کے معاملہ میں ہمت نہ کی تو دین میں بھی پست ہمتی پیدا ہو جاتی ہے۔

پیشہ کے طور پر نماز پڑھانیوالے کے پیچھے نماز درست نہیں

میرے نزدیک جو لوگ پیشہ کے طور پر نماز پڑھاتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست نہیں وہ اپنی جمعرات کی روٹیوں یا تنخواہ کے خیال سے نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر نہ ملے تو چھوڑ دیں۔ معاش اگر نیک نیتی کے ساتھ حاصل کی جائے تو عبادت ہی ہے۔ جب آدمی کسی کام کے ساتھ موافقت کرلے اور پکا ارادہ کرلے تو تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ سہل ہو جاتا ہے۔

خواب میں انگوٹھی دیکھنے سے مراد

مغرب کے بعد ایک صاحب نے اپنا خواب سنایا جس میں انہوں نے انگوٹھی دیکھی۔

تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

انگوٹھی سے مراد یہ ہے کہ انسان اسی حلقہ میں آجاتا ہے۔

باپ یا ماں کی شکل پر خدا کو دیکھنا

سید عبد القادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اللہ تعالےٰ کو اپنی ماں کی شکل پر دیکھا[1]۔ مگر میں نے دینی خود حضرت

[1] سلسلہ خواب میں ایک شخص نے اللہ تعالےٰ کا تمثل بصورت حضرت مسیح موعود علیہ السلام دیکھنا بیان کیا۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تمثلات ہوتے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ / جنوری ۱۹۰۳ء)

اقدس نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو اپنے باپ کی شکل پر دیکھا۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے تمثلات ہوتے ہیں ورنہ وہ تو تجسّم سے پاک ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اپنے شانہ پر دیکھا۔

ایک الہام کی تشریح

آج کے الہامات میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُبْدِي لَكَ الرَّحْمٰنُ شَيْئًا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مخفی ہے جو کہ ظاہر ہوگا۔ خدا کے چھپانے میں بھی ایک عظمت ہوتی ہے اور خدا کا چھپانا ایسا ہے جیسے کہ جنّت کی نسبت فرمایا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔[1]

(کوئی نہیں جانتا کیسی کیسی قرۃ اعین ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے) درحقیقت چھپانے میں بھی ایک قسم کی عزت ہوتی ہے جیسے کھانا لایا جاتا ہے تو اس پر دستر خوان وغیرہ ہوتا ہے تو یہ ایک عزت کی علامت ہوتی ہے۔ یبدی لک الرحمان بھی دلالت کرتا ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ ظاہر کروں گا یعنی کوئی شئے ہے کہ اس وقت چھپائی ہوئی ہے۔

اصلاح جماعت کیلئے نشانوں کی ضرورت

میں کہتا ہوں کہ میری جماعت نصائح سے درست نہ ہوگی بلکہ نشانوں سے درست ہوگی۔ دہریت کی جڑ جب اندر ہوتی ہے تو قاعدہ کی بات ہے کہ اثر نہیں ہوا کرتا۔ خدا کو خدا کے ہی ذریعہ سے پہچان سکتے ہیں۔ دنیا میں جس شئے کی معرفت انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی عظمت بھی اس پر کھل جاتی ہے اس وقت وہ اس سے متاثر ہوتا ہے جیسے دریا میں اپنے آپ کو دیدہ دانستہ نہیں ڈالتا۔ شیر سامنے ہو تو اس کے مقابل نہیں جاتا جس جگہ سانپ کا خطرہ ہو اس جگہ نہیں گھستا۔ اور ایک مقام پر بجلی پڑتی ہو تو وہاں سے

[1] السجدۃ : ۱۸

بھاگتا ہے۔ایک طرف تو یہ لوگ دعوٰی امت کا کرتے ہیں دوسری طرف کرتوت ایسی ہے کہ خدا کی پناہ تو اس کے کیا معنے ہوئے؟

خدا کا نیا نام

ایک میرا گذشتہ ایام کا الہام ہے یہاں ذکر کرنا یاد نہ رہا۔ وہ یہ ہے۔

اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَہ

مولانا عبدالکریم صاحب نے کہا کہ یہ اللہ تعالٰے کا نیا اسم ہے آجتک کبھی نہیں سُنا۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

بیشک اسی طرح طاعون کی نسبت جو الہامات ہیں وہ بھی ہیں جیسے افطر واصوم یہ بھی کیسے لطیف الفاظ ہیں۔ گویا خدا تعالٰے فرماتا ہے کہ طاعون کے متعلق میرے دو کام ہوں گے کچھ حصہ چُپ رہوں گا یعنی روزہ رکھوں گا اور کچھ افطار کروں گا۔ اور یہی واقعہ ہم چند سال سے دیکھتے ہیں۔ شدت گرمی اور شدت سردی کے موسم میں طاعون دب جاتی ہے گویا وہ اصوم کی حالت ہے اور فروری مارچ اکتوبر وغیرہ میں زور کرتی ہے وہ گویا افطار کا وقت ہوتا ہے اور اسی لطیف کلام میں سے ہے

اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَہ

نماز حقیقی ڈھنگ میں ادا کی جائے تو لذت آئے

ایک نے عرض کی کہ نماز میں لذت کچھ نہیں آتی۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

نماز نماز بھی ہو۔ نماز سے پیشتر ایمان شرط ہے۔ ایک ہندو اگر نماز پڑھے گا تو اُسے کیا فائدہ ہوگا۔ جس کا ایمان قوی ہوگا وہ دیکھے گا کہ نماز میں کیسے لذت ہے اور اس سے اول معرفت ہے جو خدا تعالٰے کے فضل سے آتی ہے اور کچھ اس کی طینت سے آتی ہے

جو محمود فطرت والے مناسب حال اس کے فضل کے ہوتے ہیں اور اس کے اہل ہوتے ہیں انہیں پر فضل بھی کرتا ہے۔ ہاں یہ بھی لازم ہے کہ جیسے دنیا کی راہ میں کوشش کرتا ہے۔ ویسے ہی خدا کی راہ میں بھی کرے۔ پنجابی میں ایک مثل ہے "جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا" لوگ کہتے ہیں کہ دعا کرو۔ دعا کرنا مرنا ہوتا ہے۔ اس پنجابی مصرعہ کے یہی معنے ہیں کہ جس پر نہایت درجہ کا اضطراب ہوتا ہے وہ دعا کرتا ہے دعا میں ایک موت ہے اور اس کا بڑا اثر یہی ہوتا ہے کہ انسان ایک طرح سے مرجاتا ہے مثلاً ایک انسان ایک قطرہ پانی کا پی کر اگر دعویٰ کرے کہ میری پیاس بجھ گئی ہے یا یہ کہ اسے بڑی پیاس تھی تو وہ جھوٹا ہے۔ ہاں اگر پیالہ بھر کر پیوے تو اس بات کی تصدیق ہوگی۔ پوری سوزش اور گدازش کے ساتھ جب دعا کی جاتی ہے حتیٰ کہ روح گداز ہو کر آستانہ الٰہی پر گر جاتی ہے اور اسی کا نام **دُعا** ہے۔ اور الٰہی سنت یہی ہے کہ جب ایسی دعا ہوتی ہے تو خداوند تعالیٰ یا تو اسے قبول کرتا ہے اور یا اسے جواب دیتا ہے۔

دُعا کی حقیقت

اس مقام پر سائل نے کہا کہ جواب کیسے دیتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بات کر کے بتلا دیتا ہے۔

سائل نے کہا کہ خدا کیسے بات کرتا ہے۔ فرمایا کہ

خدا کے فرشتے کلام کرتے ہیں۔ اکثر دفعہ خدا کے فرشتوں نے ہمارے ساتھ کلام کی ہے۔ مکالمات الٰہیہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی زبان پر کلام جاری کر رہا ہے اور وہ ایسی طاقت اور شدت سے ہوتا ہے جیسے ایک فولادی میخ دھنسی جاتی ہے۔ ایسی لطافت ہوتی ہے کہ گویا خدا کا کلام ہے۔

نماز پڑھو اور تدبر سے پڑھو اور ادعیہ ماثورہ کے بعد اپنی زبان میں دعا مانگنی مطلق حرام نہیں ہے۔ جب گدازش ہو تو سمجھو کہ مجھے موقعہ دیا گیا ہے۔ اس وقت کثرت سے مانگو اس قدر مانگو کہ اس نکتہ تک پہنچو کہ جس سے رقت پیدا ہو جاوے۔ یہ بات اختیاری نہیں

ہوتی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ترشحات ہوتے ہیں۔ اس کوچہ میں اول انسان کو تکلیف ہوتی ہے مگر ایک دفعہ چاشنی معلوم ہوگی تو پھر سمجھے گا۔ جب اجنبیت جاتی رہے گی۔ اور نظارہ قدرت الٰہی دیکھ لے گا تو پھر پیچھا نہ چھوڑے گا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ تجربہ میں جب ایک دفعہ ایک بات تھوڑی سی آجاوے تو تحقیقات کی طرف انسان کی طبیعت میلان کرتی ہے اصل میں سب لذات خدا تعالیٰ کی محبت میں ہیں۔ ملعون لوگ (یعنی جو خدا سے دور ہیں) جو زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ کیا زندگی ہے۔ بادشاہ اور سلاطین کی کیا زندگیاں ہیں مثل بہائم کے ہیں۔ جب انسان مومن ہوتا ہے تو خود ان سے نفرت کرتا ہے۔

دنیاداروں کو دہلی کے جلسہ میں دیکھ کر کیا حاصل ہوگا؟

دہلی کے جلسہ میں جو لوگ بڑے شوق سے جاتے ہیں سوائے اس کے کہ وہاں بعض مسخ شدہ شکلوں کو دیکھیں اور کیا دیکھیں گے۔ یہ لوگ ایسے دور دراز خیالات میں آکر پڑے ہیں کہ جب فرشتہ آکر جان نکالے گا تو اس وقت ان کو حسرت ہوگی۔

ایمان لانے اور خدا کی عظمت کے دل میں ہونے کی اول نشانی یہ ہے کہ انسان ان تمام کو مثل کیڑوں کے خیال کرے۔ ان کو دیکھ کر دل میں نہ ترسے کہ یہ فاخرہ لباس پہن کر گھوڑوں پر سوار ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کی زندگی بد اور کتوں کی سی زندگی ہے کہ مردار دنیا پر دانت مار رہے ہیں۔ انسان کو اگر دیکھنے کی آرزو ہو تو ان کو دیکھیں۔ جو منقطعین ہیں اور خدا کی طرف آگئے ہیں اور خدا ان کو زندہ کرتا ہے۔ ان کی زیارت سے مصائب دور ہوتے ہیں۔ جو شخص رحمت والے کے پاس آوے گا تو وہ رحمت کے قریب تر ہوگا۔ دنیا میں یہی بات غور کے قابل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کونوا مع الصادقین[1] یعنی اے بندو تمہارا بچاؤ اسی میں ہے کہ صادقوں کے ساتھ جاؤ۔

پھر نماز کی حلاوت کے سوال پر فرمایا کہ

نشوونما رفتہ رفتہ ہوا کرتا ہے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں آگئے۔ اگر خدا نہ چاہتا

[1] التوبہ: ۱۱۹

تو آپ کیا کرتے ممکن تھا کہ اول دلّی کی طرف جاتے تو وہاں سے سوائے لاف و گزاف کے کیا ساتھ لے جاتے یا چند ایک تماشے شعبدہ بازی کے دیکھ لیتے۔

سائل نے عرض کی کہ میرا خیال تھا آپ ضرور جلسہ دہلی میں ہوں گے۔ آپ کا کیمپ مع اپنی جماعت کے الگ ہوگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم ان باتوں سے ایسے متنفر ہیں کہ ان کے خیمے ہمارے نزدیک بھی ہوں تو ہم یہ خواہش کریں کہ خدا جلد تر ان کو یہاں سے اُٹھا دے جیسے ایک مُردار جب پاس پڑا ہو۔ تو اُسے جلدی اُٹھوا دیتے ہیں کہ کہیں متعفن ہو کر بیماری کا باعث نہ ہو۔

سائل نے عرض کی کہ اس سے پیشتر مجھے بہت شوق جلسہ کا تھا مگر اب دو تین دن سے ذرا خیال تک بھی نہیں ہے۔ حضور کی زیارت کو دل چاہتا ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

حق یہی ہے۔[1]

رؤیت ملائکہ

پھر سائل نے عرض کی کہ کیا ہم فرشتے کو دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

ہم ہر روز دیکھتے ہیں کبھی کشف میں کبھی رؤیا میں۔ ایک حالت رؤیا کی ہوتی ہے وہ نیند میں ہوتی ہے۔ اس میں غیبت حس ہوتی ہے کہ انسان سو کر کہیں کا کہیں سیر کرتا ہے اور مکان اس کا بدلتا ہے۔ مگر کشف میں مکان نہیں بدلتا۔ کبھی غنودگی میں ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں اور باوجود غنودگی کے حصہ کے پھر بھی ایک آواز کو سُنتا ہے۔ جانتا ہے کہ فلاں مکان میں ہوں۔ ایک دفعہ میں نے فرشتوں کو انسان کی شکل میں دیکھا۔ یاد نہیں کہ دو تھے یا تین آپس میں باتیں کرتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ تو کیوں اس قدر مشقت اُٹھاتا ہے اندیشہ ہے

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۳ء

کہ بیمار نہ ہو جائے۔ میں نے سمجھا کہ یہ جو چھ ماہ کے روزے رکھے ہیں۔ ان کی طرف اشارہ ہے (اس مقام پر حضرت اقدس نے اپنا واقعہ مجاہدہ اور شش ماہی روزے کا بیان فرمایا جو کہ البدر نمبر میں زیر عنوان اسوہ حسنہ کے درج ہے) فرمایا کہ

روزوں کو میں نے مخفی طور پر رکھا بعض دفعہ اظہار میں سلب رحمت کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے مخفی رکھنا اچھا ہوتا ہے۔ چونکہ میں مامور تھا اس لئے کوئی مرض وغیرہ نہ ہوا ورنہ اگر کوئی اور ہوتا اور اس قدر شدت اُٹھاتا تو ضرور مسلول مدقوق یا مجنون ہو جاتا۔

پھر ایک دفعہ مجھے ایک فرشتہ آٹھ یا دس سالہ لڑکے کی شکل میں نظر آیا۔ اس نے بڑے فصیح اور بلیغ الفاظ میں کہا کہ خدا تمہاری ساری مرادیں پوری کرے گا۔

اسی طرح ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک نالی شرقاً غرباً بہت لمبی صدہا میل تک کھدی ہوئی ہے اور اس کے اوپر صدہا بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور ہر ایک بھیڑ کے سر پر ایک قصاب ہاتھ میں چھری لئے ہوئے تیار بیٹھا ہے اور آسمان کی طرف اُن کی نظر ہے جیسے حکم کا انتظار ہے۔ میں اس وقت اس مقام پر ٹہل رہا ہوں اور ان کو دیکھ رہا ہوں۔ اُن کے نزدیک جا کر میں نے کہا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ[1] (پ ۱۹ ع ۴)

انہوں نے اسی وقت چھریاں پھیر دیں کہ حکم ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ خلیفہ جو ہوتا ہے۔ وہ آسمان سے ہوتا ہے اس لئے میں نے جو آواز دی تو انہوں نے سمجھا کہ حکم ہو گیا اور جو آواز آسمان سے آئی تھی وہ میں نے کہی۔ جب وہ بھیڑیں تڑپیں تو انہوں نے کہا کہ تم چیز کیا ہو گُو کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ ان ایام میں ۵۰ ہزار آدمی ہیضہ سے مرا تھا۔ ۱۸۸۲ء کا ذکر ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے لیکھرام کے متعلق کشف کا ذکر فرمایا جو کہ برکات الدعا کے ٹائٹل پیج پر چھپا ہوا ہے۔

[1] الفرقان: ۷۸

لیکھرام سے متعلق کشف

بعد ازیں فرمایا کہ

ایک دفعہ میں نے اسی لیکھرام کے متعلق دیکھا کہ ایک نیزہ ہے اس کا پھل بڑا چمکتا ہے اور لیکھرام کا سر پڑا ہوا ہے۔ اُسے اس نیزہ سے پرو دیا ہے اور کہا گیا ہے۔ کہ پھر یہ قادیان میں نہیں آوے گا۔ (ان ایام میں لیکھرام قادیان میں تھا اور اس کے قتل سے ایک ماہ پیشتر کا یہ واقعہ ہے) فرمایا کہ

یہ عجائبات ہیں ختم ہونے میں نہیں آتے۔ لیکھرام کے قتل کے وقت جب تلاشی میں کاغذات دیکھے گئے تو اس میں بہت سے خط نکلے جن میں لکھا تھا کہ وہ خبیث مارا گیا ہے۔ اچھا ہوا کہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اس میں جو پیشگوئی پوری کے الفاظ تھے۔ وہ حکام کے ہر ایک شک شبہ کو دور کرتے تھے۔

تنہا نماز پڑھنے کی ہدایت

بعض احباب نے سوال کیا کہ نماز تنہا پڑھ لیا کریں۔ فرمایا کہ

ہاں الگ اور تنہا پڑھ لیا کرو۔ یہ سلسلہ خدا کا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ان سے الگ رہو۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ خدا جماعت کر دے گا۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۲۔ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء)

---

۲ جنوری ۱۹۰۳ء بروز جمعہ

(بوقت سیر)

ایک الہام فرمایا۔ رات مجھے الہام ہوا۔

جاءنی آئل واختار و ادار اصبعہ واشار۔ یعصمک اللہ

من العدا و یسطو بکل من سطا۔

آئل جبریل ہے فرشتہ بشارت دینے والا۔

(ترجمہ) آیا میرے پاس آئل اور اس نے اختیار کیا (یعنی چُن لیا مجھ کو) اور گھمایا اُس نے اپنی اُنگلی کو اور اشارہ کیا کہ خدا تجھ کو دشمنوں سے بچائے گا اور ٹوٹ کر پڑے گا اُس شخص پر جو تجھ پر اُچھلا۔

فرمایا :- آئل اصل میں ایالت سے ہے یعنی اصلاح کرنے والا۔ جو مظلوم کو ظالم سے بچاتا ہے۔ یہاں جبریل نہیں کہا آئل کہا۔ اس لفظ کی حکمت یہی ہے کہ وہ دلالت کرے کہ مظلوم کو ظالموں سے بچاوے۔ اس لئے فرشتہ کا نام آئل رکھ دیا۔ پھر اُس نے انگلی ہلائی کہ چاروں طرف کے دشمن۔ اور اشارہ کیا کہ یعصمک اللہ من العدا وغیرہ۔

یہ بھی اس الہام سے جو پہلے ہوا تھا ملتا ہے کہ

انہٗ کریم تمشی امامک وعادیٰ من عادیٰ

وہ کریم ہے تیرے آگے آگے چلتا ہے جس نے تیری عداوت کی۔ اس کی عداوت کی۔ چونکہ آئل کا لفظ لغت میں مِل نہ سکتا تھا یا زبان میں کم استعمال ہوتا ہوگا۔ اس لئے الہام نے خود اس کی تفصیل کر دی۔

(یہ گذشتہ چند روز کا الہام ہے)

جس طرح انبیاء کے صفات ہوتے ہیں اسی طرح ملائکہ کے بھی صفات ہوتے ہیں۔ اور اصبعہٗ کے اجتہادی معنے جو کچھ ہم کریں۔ اصل واقعہ تو اس وقت معلوم ہوگا۔ جب وہ ظہور پذیر ہوگا۔

ایک نووارد[۱] نے عرض کی کہ کاش مجھے بھی جبرائیل دکھایا جاتا۔ فرمایا :-

---

[۱] حاشیہ :- الحکم میں " نووارد " کا لفظ نہیں بلکہ ابوسعید عرب صاحب کا نام لکھا ہے۔ البدر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب خدا آپ کو وہ آنکھیں عنایت کرے گا تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔ وہ تو خدا کے حکم سے نازل ہوتا ہے۔ جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے رسالہ کفر کا لکھا تھا اور لوگوں کو بھڑکایا تھا۔ کہ یہ مسلمان نہیں۔ ان کے جنازے نہ پڑھو مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن نہ کرو۔ اس وقت لوگ بھڑکے اور ہماری مخالفت عام ہو گئی اور بغض و عداوت حد سے بڑھ گیا۔ اس وقت میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ بھائی غلام قادر کی شکل پر ایک شخص آیا۔ مگر فوراً مجھے معلوم کرایا گیا کہ یہ فرشتہ ہے۔ میں نے کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ کہا

جِئْتُ مِنَ الْحَضْرَةِ ※

میں جناب باری سے آیا ہوں۔ چونکہ وہاں بہت لوگ معلوم ہوتے تھے۔ میں نے اس سے الگ ہو کر ایک بات کرنے کی درخواست کی تو وہ علیحدہ ہو کر مجھے پوچھنے لگا۔ میں نے کہا کہ لوگ تو مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ کہا کہ نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ معاً میری حالت کشف جاتی رہی۔

قرآن و حدیث کا مرتبہ

فرمایا:۔ سچی بات تو یہ ہے کہ صرف حدیث کو مدار شریعت رکھا جائے اور قرآن کو ترک کر دیا جائے تو یہ ایک تباہی کا نشان ہے۔ جو حدیثیں قرآن کے موافق ہیں۔

میں بھی صرف اسی مقام پر "نووارد" لکھا ہے۔ آگے اس ڈائری میں عرب صاحب ہی لکھا ہے جس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ "نووارد" عرب صاحب ہی تھے۔ (مرتب)

(دیکھو الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

※ الحکم میں جِئْتُ مِنْ حَضْرَةِ الْوِتْرِ لکھا ہے۔

(دیکھو الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

مریم: ۶۵

اُن کی تو عزت کرو اور تعظیم کرو اور دوسری کو ترک کر دو۔

قیامت کے روز حشر کیسے ہوگا

مٹر ب صاحب نے سوال کیا کہ قیامت کے دن لوگ جس طرح مرتے ہیں۔ اسی طرح اوّلُ آخر نمبروار حاضر ہوں گے یا ایک دم تمام متقدمین و متاخرین اکٹھے اٹھیں گے۔ فرمایا:

الگ الگ ثابت نہیں سب اکٹھے اٹھیں گے۔ ماننا پڑتا ہے کہ ہمارا خدا بڑا قادر ہے۔ دیکھو نطفہ کیا چیز ہے اور پھر اُس سے کس طرح انسان کامل بن جاتا ہے۔ ہر شخص جو خدا کو ماننے والا ہے۔ سورج چاند وغیرہ اجرام کو دیکھ کر کیا وہ بتلا سکتا ہے کہ کن چھکڑوں پر یہ اسباب آیا تھا اور ان کا مصالحہ کہاں سے آیا تھا۔ یہی ماننا پڑے گا اور پڑتا ہے کہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[1]۔ پھر ہم کو ایسا ہی ماننا چاہیئے کہ قیامت کے روز سب کا ایک دم مقابلہ کرا دے گا اور جن حسرتوں میں مومن مر گئے تھے اور اُن کو معلوم نہ تھا کہ ہمارے مخالفوں کا کیا حال ہوا وہ اُن کو دکھلا دیا جائے گا کہ دیکھو اے راستباز بندو یہ منکرین کا حال ہے۔ تب ان راستبازوں کو لذّت آوے گی ۔ پس خدا کو ہم مان ہی نہیں سکتے جب تک کہ اس کو صاحب مقدرت کلی نہ مان لیں۔ پہلے اس کے کاموں کو دیکھو۔ ہم سب کو ماننا پڑتا ہے کہ اُن کا کوئی فاعل ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ایک حصہ میں اس کو ماننا اور ایک حصہ میں اس کا انکار کرنا اور شبہات میں پڑنا یا تو پہلی دفعہ ہی انکار کرنا چاہیئے یا بکلی ماننا چاہیئے۔ خدا کی صفات اور کام غیر محدود ہیں۔ کیا دنیا کی ہزارہا مخلوق اس بات کی کافی دلیل نہیں کہ خدا بڑا قوی خدا ہے۔

خدا کبھی معطل نہیں ہوگا۔ ہمیشہ خالق۔ ہمیشہ رازق۔ ہمیشہ رب۔ ہمیشہ رحمان۔ ہمیشہ رحیم ہے اور رہے گا۔ میرے نزدیک ایسے عظیم الشان جبروت والے کی نسبت بحث کرنا گناہ میں داخل ہے۔ خدا نے کوئی چیز منوانی نہیں چاہی جس کا نمونہ یہاں نہیں دیا۔ ہم لڑکپن

[1] یٰس : ۸۳

میں ایسا کرتے تھے۔ اور دیکھتے تھے کہ گلہری کو جب مار دیا جائے تو وہ بے حس و حرکت ہو جاتی ہے مگر پھر اگر اس کے سر کو گوبر میں دبا دیا جائے تو وہ زندہ ہو جایا کرتی ہے۔ اسی طرح لکھی۔ یہ موت حقیقی موت نہیں ہوتی۔ نیند اور غشی بھی موت ہی ہے[1]۔

فرشتوں کے متعلق سوالات

عرب صاحب نے سوال کیا کہ فرشتہ مرنے کے بعد کس زبان میں سوال کریگا؟

فرمایا:- نہیں انگریزی۔ فارسی۔ اُردو۔ عربی وغیرہ سب زبانوں میں الہام ہوتے ہیں فرشتہ ہر زبان بول سکتا ہے۔

سوال کیا کہ کیا فرشتہ یہی سوال کرے گا۔ مَنْ رَبُّكَ وَ مَنْ نَبِيُّكَ۔ اگر یہی سوال کرے گا تو اس کے جواب یاد کر لئے جائیں تو وہاں پاس ہو سکتے ہیں۔

فرمایا:- نہیں یہ ایک ایمانی بات ہے۔ یہی دو لفظ یاد کر کے دنیاوی امتحانوں کی طرح کبھی پاس نہیں ہو سکتے بلکہ انسان جس رنگ سے رنگین ہو گا وہی جواب اس کے منہ سے نکلے گا۔ پھر لکھا ہے بوجہٍ من الوجوہ۔ قبر میں راحت یا رنج کا سامان مہیا کیا جائے گا۔

مرنے کے بعد حشر

پھر عرب صاحب کے سوال پر فرمایا کہ

مرنے کے بعد مُردے کا تعلق زمین سے ضرور رہتا ہے۔ مومن کا تعلق ایک آسمان سے ہوتا ہے اور ایک زمین سے۔ اصل حساب کتاب تو برزخ میں ہو جائے گا۔ مگر مقابلہ کرانا باقی رہ جائے گا وہ حشر کو ہوگا۔ ہزاروں انبیاء دجّال کذّاب کفّار۔ ملعون

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے۔
"یہ موت حقیقی موت نہیں ہوتی۔ غشی اور نیند کی سی حالت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی موت ہے۔ یہ نمونہ ہے احیاء موتیٰ کا۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

وغیرہ خطاب پائے گئے۔ قیامت میں اس لئے حشر ہوگا کہ ان کو عزت کی کرسی پر بٹھا کر اور مکذبوں کو ذلّت کا عذاب دے کر دکھلایا جائے گا کہ دیکھو کون صادق اور کون کاذب تھا۔

سوال کیا کہ حشر کو جسم ہوگا یا نہیں اور یہی جسم ہوگا یا کوئی اور۔ فرمایا

حشر میں جسم دیئے جائیں گے یہ نہیں کہ یہی ہوگا یا کوئی اور۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ تین سال کے بعد پہلا جسم انسانی ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا قائمقام نیا آجاتا ہے۔ پس ہمارا ایمان ہے کہ ایک بدن ملے گا مگر جس طرح اس علیم کے علم میں ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ وہ قادر ہے کہ اس بدن سے بھی کچھ حصہ اس کو دیدے اور اس کے سوا اور جسم بھی عطا کرے۔ سوائے ذات باری کے کسی کی یہ صفت نہیں کہ ہمیشہ ابدی رہے اور یہ طاقت خدا ہی انسان کو دے گا۔ کہ پھر وہ ابدی بن جاوے۔[1]

پھر سوال کیا کہ کیوں یہ مرتبہ صرف انسان کو ہی ملیگا اور حیوانات کو نہیں دیا جائیگا

فرمایا :-

اس پر ہم جھگڑ نہیں سکتے جیسے ایک شخص سخاوت کرتا ہے۔ ایک فقیر کو وہ پیسہ دیتا ہے اور دوسرے کو روپیہ۔ مگر جس کو وہ پیسہ ملا ہے وہ حق نہیں رکھتا کہ جھگڑا کرے بہشت والوں کو تو ابدی رہنا ہوگا اور حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ دوزخی ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے جیسے فرمایا۔ یاتی علیٰ جھنم زمانٌ لیس فیھا احدٌ۔ کیونکہ وہ بھی آخر

---

[1]- الحکم میں یہ عبارت یوں ہے۔

فرمایا۔ جسم تو ہوں گے مگر یہ نہیں لکھا کہ یہی یا اور۔ تین سال کے بعد پہلا جسم تو رہتا نہیں۔ اس کا قائم مقام جسم آجاتا ہے۔ پس ہمارا یہ ایمان ہے کہ ایک جسم دیا جائے گا جیسا اس علیم کے علم میں ہے۔ وہ قادر ہے کہ اس بدن سے بھی کچھ حصہ لے اور مزید لیگا۔ اور اس حصہ کو بھی جلالی رنگ میں غیر فانی کر دے۔ سوائے ذات باری کے کسی دوسرے کی یہ صفت نہیں کہ ابداً لآباد تک رہے انسان کو غیر فانی جسم جو دیا جائے گا یہ خدا کا عطیہ ہوگا

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

خدا کے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں۔ ان پر کوئی زمانہ ایسا آنا چاہیئے کہ اُن کو عذاب کی تخفیف دی جائے۔

یہ معرفت کی باتیں ہوتی ہیں جہنم سے نکلیں گے مگر یہ نہیں لکھا کہ بہشت میں مومنین کی طرح ان کو بھی حصہ ملیگا۔ ہاں ان کے ماتھے پر دوزخ کا نشان ہوگا۔

پھر سوال کیا کہ بہشت والوں کو روز کا عیش و آرام بھی دُکھ ہو جائے گا۔ فرمایا:-

بہشت میں بھی ہر روز ایک تجدد ہوتا رہے گا۔ اسی طرح دوزخیوں پر بھی لکھا ہے بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا۔[1] مگر خدا کا تجدد بے پایاں ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ خدا کے کاموں میں انتہا نہیں۔ فرماتا ہے وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ[2] یعنی زیادتی ہوتی رہے گی۔

پھر سوال کیا کہ میں نے آجتک روزہ نہیں رکھا اس کا کیا فدیہ دوں۔ فرمایا:-

خدا ہر ایک شخص کو اس کی وسعت سے باہر دُکھ نہیں دیتا۔ وسعت کے موافق گذشتہ کا فدیہ دے دو اور آئندہ عہد کرو۔ کہ سب روزے ضرور رکھوں گا۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء)

۳ر جنوری ۱۹۰۳ء

صبح کی سیر

اللہ اور رحمٰن

سیر کو نکلتے ہی سلسلہ کلام یبدی لک الرحمٰن الہام سے شروع ہوا۔ فرمایا:-

رحمٰن اپنے اندر بشارت رکھتا ہے۔ چونکہ یہ بشارت تھی۔ اس لئے اس الہام میں رحمٰن کا لفظ رکھا ہے اور شیئًا کے لفظ میں کچھ اخفاء تھا جو گو اس کی عظمت کے لئے ہے مگر ایک اخفا ضرور ہے۔ اس لئے اس خیال سے کہ وہم نہ پیدا ہو۔ پھر اور واضح الفاظ

[1] النساء: ۵۷ [2] قٓ: ۳۶

میں فرمایا۔

بَشَارَةٌ تَلَقَّمُهَا النَّبِيُّوْنَ

یبدی لك الرحمٰن میں لام بھی انتفاع کے لئے فرمایا۔ دوسرے الہام واللہ یعصمك من العدا میں اللہ کا لفظ اس لئے رکھا کہ اللہ اپنے جلال کو چاہتا ہے اور اس عصمت میں اظہار جلال مقصود تھا۔ اس لفظ کو استعمال فرمایا جو اسم اعظم ہے۔

موسٰی و مثیل موسٰی علیہم السلام

اس ضمن میں فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔[1] اس معیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں اور گویا کل جماعت آپ کی آگئی۔ موسٰی علیہ السلام نے یہ نہیں کہا بلکہ کہا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ۔[2] اس میں کیا بہتر تھا کہ انہوں نے اپنے ہی ساتھ معیت کا اظہار کیا؟ اس میں یہ راز ہے کہ اللہ جامع جمیع شیون کا ہے اور اسم اعظم ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کے ساتھ اسم اعظم کی معیت مع تمام صفات کے پائی جاتی ہے۔ لیکن موسٰی علیہ السلام کی قوم شریر اور فاسق فاجر تھی۔ آئے دن لڑنے اور پتھر مارنے کو تیار ہو جاتی تھی۔ اس لئے ان کی طرف معیت کو منسوب نہیں کیا۔ بلکہ اپنی ذات تک اسے رکھا۔ اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور علو مدارج کا اظہار مقصود ہے

ایمان عرفان کیسے ہوتا ہے

فرمایا:۔

یہ پیشگوئیاں جو ہیں یہ ایمان کو قوی کر کے عرفان بنا دیتی ہیں۔ نری باتوں سے ایمان قوی نہیں ہو سکتا جبتک اس میں قوت کی شعاعیں نہ پڑیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان نشانات سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس ان پیشگوئیوں کو خوب کان کھول کر سننا چاہیئے۔ دوسرے

[1] التوبۃ : ۴۰ [2] الشعراء : ۶۳

وقت جب یہ پُوری ہوتی ہیں تو ایمان کی تقویت کا باعث ہو کر اس کو عرفان بنا دیتی ہیں۔ اس لئے جو امر پیشگوئی پر مشتمل ہو میں اس کو ضرور سُنا دیا کرتا ہوں اور میری غرض اس سے یہی ہوتی ہے۔ یہ ایک نُور بخشتی ہیں اور جب تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے نُور نازل نہ ہو۔ انسان غلطی میں پڑا رہتا ہے۔

تعبیر الرؤیا

ابو سعید عرب صاحب نے اپنی رؤیا بیان کی کہ ایک کتا پیار سے کاٹتا ہے اور پھر اُس نے انڈا دیا۔ جس کو انہوں نے توڑ ڈالا اور وہ بھاگ گیا۔

فرمایا:۔ کُتا ایک برزخ ہے درندگی اور چرندگی میں۔ جب وہ محبت سے کاٹے۔ تو محبت ہے اور کُتے سے مراد خفیف سا دشمن ہوتا ہے۔ اس کے انڈے سے مراد اُس کی ذرّیت ہے۔ جب اس کو توڑ دیا تو گویا خفیف اور کمزور دشمن کی ذرّیت کو تلف کر دیا۔

بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلٰى بَابِ الْاَمِيْرِ

فرمایا:۔ جس بادشاہ کے ہم زیر سایہ ہیں اس کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جانا یہ توہین ہے۔ بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلٰى بَابِ الْاَمِيْرِ۔

مولوی محمد حسین اور اُس کا رجُوع

ابو سعید عرب صاحب نے اپنے ذوق سے بیان کیا کہ محمد حسین والی پیشگوئی یقیناً خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ فرمایا:۔

اس میں کیا شک ہے۔ زور کے ساتھ یہ دعوٰی کیا گیا ہے۔ کہ وہ رجوع کرے گا۔ اور اللہ تعالےٰ نے ایسا ہی مقدر کیا تھا۔ اصل میں محمد حسین زیرک آدمی نہ تھا۔ مگر میں

دیکھتا تھا کہ ابتداء سے اس میں ایک قسم کی خود پسندی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ۱۹۰۶
اس طرح پر اس کا تنقیہ کر دے یہ اس کے لئے استفراغ ہے۔ براہین میں ایک الہام درج ہے جس میں اس کا فرعون نام رکھا گیا ہے۔ اُس نے بھی آخر یہی کہا تھا کہ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ۔[۱] اس لئے اس کے لئے بھی اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ کا وقت مقدر ہے۔

اس پر پوچھا گیا کہ وہ کیا امر ہے جس کی وجہ سے یہ آخری سعادت اس کے لئے مقدر ہے۔ فرمایا :۔

یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر اس نے ایک کام تو کیا ہے۔ براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تھا اور وہ واقعی اخلاص سے لکھا تھا کیونکہ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ بعض اوقات میرے جوتے اُٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھ دیا کرتا تھا اور ایک بار مجھے اپنے مکان میں اس غرض سے لے گیا کہ وہ مبارک ہو جاوے اور ایک بار اصرار کر کے مجھے وضو کرایا۔ غرض بڑا اخلاص ظاہر کیا کرتا تھا۔ کئی بار اس نے ارادہ کیا کہ میں قادیان ہی میں آکر رہوں۔ مگر میں نے اس وقت اسے یہی کہا تھا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اس کے بعد اُسے یہ ابتلاء پیش آگیا۔ کیا تعجب ہے کہ اس اخلاص کے بدلے میں خدا تعالیٰ نے اس کا انجام اچھا رکھا ہو۔ ☆

☆ - البدر میں مزید یوں لکھا ہے :

"یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کے تقاضے ہوتے ہیں۔ ایک کتاب میں مَیں نے دیکھا کہ موسیٰ کے زمانہ میں ایک بہروپیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شکل پر سوانگ بنایا کرتا تھا جس وقت سب قوم فرعون کی غرق ہوئی تو وہ بچا رہا۔ حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے اس کا باعث دریافت کیا تو فرمایا کہ چونکہ یہ تیرے چہرے جیسا چہرہ بنایا کرتا تھا اس لئے ہماری رحمت نے تقاضا نہ کیا کہ تیرے مثیل شکل کو غرق کریں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۰۶ء)

---

[۱] یونس : ۹۱

اس پر ایک بھائی نے سوال کیا کہ حضور اب اسے کیا سمجھیں۔ فرمایا:-

اب تو حکم حالتِ موجودہ ہی پر ہوگا۔ وہ دشمن ہی اس سلسلہ کا ہے۔ دیکھو جب تک نُطفہ ہوتا ہے اس کا نام نُطفہ رکھتے ہیں گو اس کا انسان بن جاوے مگر جُوں جُوں اس کی حالتیں بدلتی جاتی ہیں اس کا نام بدلتا جاتا ہے۔ مضغہ علقہ وغیرہ ہوتا ہے۔ آخر اپنے وقت پر جا کر انسان بنتا ہے۔ یہی حال اس کا ہے۔ سردست تو وہ اس سلسلہ کا مخالف اور دشمن ہے اور یہی اس کو سمجھنا چاہیئے۔

پھر اس ضمن میں فرمایا کہ

سزا اور عذاب صرف کفر ہی کے باعث نہیں آتا۔ بلکہ فسق و فجور بھی عذاب کا موجب ہو جاتا ہے۔

مفتری آخر تھک جاتا ہے

فرمایا:- کبھی کوئی جھوٹ اس قدر چل نہیں سکتا۔ آخر دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بدی کرنے والے جھوٹے اور فریبی اپنے جھوٹ میں تھک کر رہ جاتے ہیں۔ پھر کیا کوئی ایسا مفتری ہو سکتا ہے جو برابر ۲۵ برس سے خدا تعالیٰ پر افترا کر رہا ہو اور تھکا نہ ہو اور خدا کو بھی اُس کے لئے غیرت نہ آوے بلکہ اس کی تائید میں نشانات ظاہر کرتا رہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ صادقوں ہی کی نُصرت اور تائید کرتا ہے۔

دیکھو یہ جو میری پیشگوئی ہے کہ میری عمر اسّی برس کے قریب ہوگی کیا کوئی مفتری اس قسم کی پیشگوئی کر سکتا ہے اور خصوصاً اس پر تیس برس گذر بھی گئے ہوں اور ایسا ہی اس وقت جب کوئی نہ جانتا تھا اور نہ یہاں آتا تھا۔ یہ کہا یَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ اور يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ کیا یہ مفتری کر سکتا ہے کہ ایسا کہے اور پھر خدا بھی ایسے مفتری کی پروا نہ کرے بلکہ اس کی پیشگوئی پُوری کرنے کو دُور دراز سے لوگ بھی اس کے پاس آتے ہیں اور ہر قسم کے تحائف اور نقد بھی آنے لگیں۔ اگر یہ بات ہو کہ مفتری کے ساتھ بھی ایسے معاملات

ہوتے ہیں۔ پھر نبوت سے ہی امان اُٹھ جاوے۔ یہی نشان ہیں جو ہماری جماعت کی محبت اور اخلاص میں ترقی کا باعث ہو رہے ہیں۔ مفتری اور صادق کو تو اس کے منہ ہی سے دیکھ کر پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا۔ سچائی کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ صادق کی محبت سعید الفطرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ احمق کو یہ راہ نہیں ملتی کہ نُور کا حصہ لے۔ وہ ہر بات میں بدگمانی ہی سے کام لیتا ہے۔

فرمایا:۔ ہم کو تکلف اور تصنّع کی حاجت نہیں۔ خواہ کوئی ہماری وضع سے راضی ہو یا ناخوش۔ ہمارا اپنا کوئی کام نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ کا اپنا کام ہے اور وہ خود کر رہا ہے۔

فرمایا:۔ جب انسان خدا کو چھوڑتا ہے تو پھر مکائد پر بھروسہ کرتا ہے۔

اپنی سچائی پر بصیرت

فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ہم کو محجوب ہونے کی حالت میں نہ چھوڑے گا۔ وہ سب پر اتمام حجت کر دے گا۔ یاد رکھو سماوی اور ارضی آدمیوں میں فرق ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ خود اُن کی عزت کو ظاہر کرتا اور اُن کی سچائی کو روشن کر کے دکھاتا ہے۔ اور جو اس کی طرف سے نہیں آتے اور مفتری ہوتے ہیں وہ آخر ذلیل ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

پیشگوئیوں کے متعلق فرمایا کہ

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے اور اس کا کلام بہرحال سچا ہے۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ جسمانی رنگ میں پوری ہوتی ہیں کبھی رُوحانی رنگ میں۔ اور منہاج نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہوئی ہیں تو وہ صحابہؓ کا ذبح ہونا تھا۔ اور آپ نے دیکھا کہ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں جو پھونک مارنے سے اُڑ گئے ہیں۔ اس سے مراد جھوٹے پیغمبر تھے۔ پس خدا کا کلام کسی نہ کسی رنگ میں ضرور سچا ہے۔

جماعت کی خوش قسمتی

فرمایا :- اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ ہماری جماعت کا ایمان کمزور رہے۔ مہمان اگرنہ بھی چاہے تو بھی میزبان کا فرض ہے کہ اس کے آگے کھانا رکھدے۔ اسی طرح پر اگرچہ نشانوں کی ضرورت کوئی بھی نہ سمجھے، تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کے ایمان کو بڑھانے کے لئے نشانات ظاہر کر رہا ہے۔ یہ بھی سچی بات ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کو نشانوں کے ساتھ مشروط کرتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں نے مائدہ کا نشان مانگا تو یہی جواب ملا کہ اگر اس کے بعد کسی نے انکار کیا تو ایسا عذاب ملیگا جس کی نظیر نہ ہوگی۔

طالب کا ادب

پس طالب کا ادب یہی ہے کہ وہ زیادہ سوال نہ کرے اور نشان طلب کرنے پر زور نہ دے۔ جو اس آداب کے طریق کو ملحوظ رکھتے ہیں خدا اُن کو کبھی بے نشان نہیں چھوڑتا۔ اور ان کو یقین سے بھر دیتا ہے۔ صحابہؓ کی حالت کو دیکھو کہ انہوں نے نشان نہیں مانگے۔ مگر کیا خدا نے اُن کو بے نشان چھوڑا؟ ہرگز نہیں۔ تکالیف پر تکالیف اُٹھائیں جانیں دیں۔ اعداء نے عورتوں تک کو خطرناک تکلیفوں سے ہلاک کیا۔ مگر نصرت ہنوز نمودار نہ ہوئی۔ آخر خدا کے وعدہ کی گھڑی آگئی اور اُن کو کامیاب کر دیا۔ اور دشمنوں کو ہلاک کیا۔ یہ سچی بات ہے کہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے ہی دن سارے نشان ظاہر کر دے تو پھر ایمان کا کوئی ثواب اور نتیجہ ہی نہ ہو۔ عرفان آکر یقین سے تو بھر دیتا ہے مگر اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ ان ساری ترقیوں کی جڑ ایمان ہی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان بڑی بڑی منزلیں طے کرتا اور سیر کرتا ہے۔

اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ [1] سے یہی پایا جاتا ہے کہ جب کامل معرفت ہوتی

[1] بنی اسرائیل : ۲

ہے تو پھر اس کو عجیب وغریب مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو ادب سے اپنی خواہشوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ تمام منہاج نبوت اسی پر دلالت کرتا ہے۔ پہلے نشان بھی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ابتلا ہوتے ہیں۔

صدیقی فطرت حاصل کرو

پس صدیقی فطرت حاصل کرنی چاہیئے۔ انہوں نے کونسا نشان مانگا تھا۔ شام سے مکہ کو آ رہے تھے۔ راستہ ہی میں خبر ملی وہیں یقین لے آئے۔ اس کی وجہ وہ معرفت تھی جو آپ کی تھی۔ معرفت بڑی عمدہ چیز ہے۔ جب انسان کسی کے حالات اور چال چلن سے پورا واقف ہو تو اس کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو معجزہ اور نشان کی کوئی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے حالات سے پورے واقف تھے۔ اس لئے سنتے ہی یقین کر لیا۔

اہمیت تقویٰ

فرمایا۔ ہمیں جس بات پر مامور کیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ تقویٰ کا میدان خالی پڑا ہے تقویٰ ہونا چاہیئے نہ یہ کہ تلوار اُٹھاؤ۔ یہ حرام ہے۔ اگر تم تقویٰ کرنے والے ہوگے۔ تو ساری دنیا تمہارے ساتھ ہوگی۔ پس تقویٰ پیدا کرو۔ جو لوگ شراب پیتے ہیں یا جن کے مذہب کے شعائر میں شراب جزو اعظم ہے ان کو تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ نیکی سے جنگ کر رہے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو ایسی خوش قسمت دے اور انہیں توفیق دے کہ وہ بدیوں سے جنگ کرنے والے ہوں اور تقویٰ اور طہارت کے میدان میں ترقی کریں۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی چیز موثر نہیں ہو سکتی۔ اس وقت کُل دنیا کے مذاہب کو دیکھ لو کہ اصل غرض تقویٰ مفقود ہے اور دنیا کی وجاہتوں کو خدا بنایا گیا ہے۔ حقیقی خدا چھپ گیا ہے اور سچے خدا کی ہتک کی جاتی ہے مگر اب خدا چاہتا ہے کہ وہ آپ ہی مانا جاوے اور دنیا کو اس کی معرفت ہو جو لوگ دنیا کو خدا سمجھتے

ہیں وہ متوکل نہیں ہو سکتے۔

(اس سیر میں سے ہم نے مضمون غیر کو نکال کر آپ ہی کی تقریر کے مختلف فقروں کو یک جا جمع کر دیا ہے۔ ایڈیٹر)

تعداد جماعت اور مولوی محمد حسین بٹالوی

ظہر سے پہلے لودھیانہ سے آئے ہوئے احباب نے شرف نیاز حاصل کیا۔ قاضی خواجہ علی صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب کی ملاقات کا ذکر کیا کہ میں نے ان کو کہا تھا کہ قادیان چلو۔ فرمایا:-

اگر وہ یہاں آجاوے تو اس کو اصل حالات معلوم ہوں اور ہماری جماعت کی ترقی کا پتہ لگے وہ ابھی تک تین سو تک ہی کہتا ہے اور یہاں اب ڈیڑھ لاکھ سے بھی تعداد زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اگر شبہ ہو تو گورنمنٹ کے حضور درخواست کر کے ہماری جماعت کی الگ مردم شماری کرالیں۔ براہین احمدیہ میں جو لکھا تھا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ۔ اب دیکھیں کہ وہ وقت آیا ہے یا نہیں۔ گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں جو میموریل ستمبر ۱۸۹۹ء میں بھیجا گیا تھا۔ اس میں صاف اس امر کی پیشگوئی ہے کہ یہ جماعت تین سال میں ایک لاکھ ہو جائے گی۔ اور وہ پوری ہو گئی بہت سے لوگ ایسے ضعفاء و غرباء میں سے ہیں جو اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ مگر آ نہیں سکتے۔

دیندار دنیاداروں سے نفرت کرتا ہے

فرمایا۔ دیندار آدمی دنیاداروں کی طرف رجوع کرنے میں اپنی ذلت اور توہین سمجھتا ہے۔ ایک صحابی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض تھے۔ اس وقت ایک بادشاہ نے اپنا سفیر اُس کے

پاس بھیجا اور چاہا کہ وہ اس کے پاس چلے آویں۔ صحابیؓ نے اُس خط کو لے کر تنور میں پھینک دیا اور رونا شروع کر دیا کہ ایک طرف تو میری یہ حالت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں اور دوسری طرف میں یہانتک گر گیا کہ ایک کافر میرے ایمان پر طمع کرنے لگا۔ مجھ سے ضرور کوئی سخت معصیت ہوئی ہے۔ جس قدر زیادہ دینداری اور خدا پرستی ہوگی۔ اسی قدر اہلِ دُنیا سے نفرت پیدا ہوگی۔ ہم کو جس قدر تکالیف دی گئی ہیں اور جس قدر سَب و شتم کیا گیا ہے۔ یہ ہماری تبلیغ کے لئے ذریعہ ہوگیا ہے۔ جیسے جس قدر گرمی شدّت سے ہو برسات بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ عرب کے لوگ عیش و عشرت اور ناپاک خواہشوں اور فعلوں میں مستغرق تھے۔ انہیں مذہب اور مذہبی مباحثات سے کیا کام تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں یُوں کھڑے ہوگئے جیسے کوئی بڑا عاشق مذہب دیندار ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اس شور سے ساری قوموں میں جلد جلد آپ کی دعوت پھیل جائے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکالیف دیں مگر آخر وہی ہوا جو خدا تعالیٰ کا منشا تھا۔ اسی طرح پر یہاں دیکھ لو کہ کس قدر زور شور سے مخالفت ہوئی۔ اور ہو رہی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو بدعات اور بدکاریوں میں مبتلا ہیں۔ اکثر ہیں جو کنجروں کے پیر بنے ہوئے ہیں۔ اور بھنگ چرس مدک تاڑی گانجا شراب وغیرہ پیتے ہیں یہ دہریہ ہوتے ہیں مگر کوئی اُن سے تعرض نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے ہماری اس قدر مخالفت کی جاتی ہے کہ ایک چھوٹے سے مسئلہ وفات و حیات مسیح پر وہ شور اُٹھایا گیا جس کی حد نہیں رہی۔ قتل کے فتوے دیئے گئے اس میں راز یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ اس سلسلہ کی اشاعت چاہتا ہے۔

دربارِ شام

بیعت کے بعد طاعون کا ذکر ہوا۔ جس پر حضرت اقدس نے ایک لمبی تقریر طاعون کے متعلق فرمائی ہم کسی قدر تلخیص کے ساتھ اس کو ذیل میں لکھتے ہیں:۔

تقویٰ کی ضرورت

فرمایا۔ جبتک انسان تقویٰ میں ایسا نہ ہو جیسے اونٹ کو سوئی کے ناکے سے نکالنا پڑے اس وقت تک کچھ نہیں ہوتا۔ جس قدر زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ بھی توجہ فرماتا ہے۔ اگر یہ اپنی توجہ معمولی رکھتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی معمولی توجہ رکھتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ غضبت غضباً شدیداً یہ طاعون کے متعلق ہے اور پھر فرمایا۔ اِنّیْ مع الرسول اقومُ و الومُ من یلومُ افطرُ و اصومُ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ اور اس کو ملامت کروں گا جو ملامت کرتا ہے۔ میں روزہ کھولوں گا بھی اور روزہ رکھونگا بھی۔ یہ سب الہام طاعون کے متعلق ہیں۔ ملامت ایک دل کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک زبان کے ساتھ۔ زبان کے ساتھ تو یہی ملامت ہے جو مخالف کرتے ہیں۔ لیکن دل کی ملامت یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ کرے جو ہم پیش کرتے ہیں اور ان پر عمل کے لئے تیار نہ ہو۔ روزہ رکھوں گا اور کھولوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک گویا طاعون کا زور گھٹ جائے گا۔ یہ روزے کے دن ہوں گے اور ایک وقت ایسا ہوگا کہ اس میں کثرت سے ہوگی۔ اب دیکھا گیا ہے کہ کثرت سردی اور کثرت گرمی میں اس کی شدت اور تیزی رُک جاتی ہے لیکن بہاری موسم فروری، مارچ اور ستمبر، اکتوبر میں اس کا زور بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ دورے کھٹنے والے نہیں ہیں خدا تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دورے شدید ہیں۔ زمین پر خدا تعالیٰ سے غفلت اور سستی پھیل گئی ہے۔ نیکیوں کی طرف توجہ نہیں رہی۔ ایسی صورت میں کیا اس کا علاج ڈاکٹری اصولوں سے ہوگا یا کوئی اور علاج اثر پذیر ہو سکے گا جبتک خدا تعالےٰ کی مرضی نہ ہو؟

مت خیال کرو کہ ہمارا ملک یا شہر یا گاؤں ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ کُل دنیا کے لئے مامور ہو کر آئی ہے اور اپنے وقت پر ہر جگہ پھرے گی۔ اس کے دورے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ بعض وقت لوگ ان وجوہات کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن یاد رکھو کہ جو کچھ ہو رہا

ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور ایما ر سے ہو رہا ہے۔ اب اس کے وجوہ موٹے ہیں۔ بائیس برس پہلے خدا تعالیٰ نے براہین میں مجھے اس کی خبر دی اور پھر متواتر وقتاً فوقتاً وہ اطلاع دیتا رہا۔ یہاں تک کہ جب ابھی پنجاب کے دو ضلعوں میں تھی تو اُس نے مجھے بتایا کہ کُل پنجاب اس کے اثر سے متاثر ہو جائے گا۔ اس وقت لوگوں نے اس پر ہنسی کی۔ مگر اب بتائیں کہ ان کی ہنسی کا کیا جواب ہوا؟ اجنبی لوگ اگر نہ مانیں تو نہ سہی مگر ہماری جماعت جو دن رات نشانات کو دیکھتی ہے اُسے چاہیئے کہ اپنی تبدیلی کرے۔ جو شخص امن کے زمانہ میں خدا سے ڈرتا ہے وہ بچایا جاتا ہے۔ ڈرنے والے زمانہ میں تو ہر ایک ڈرتا ہے جب سونٹا اُٹھایا جاوے تو اُس سے بھیڑ، بکری، کُتا، بلّی سب ڈرتے ہیں۔ انسان کی اس میں کون سی خوبی ہے۔ یہ تو اس حالت میں اُن سے جا ملا۔ اس کی دانشمندی اور دور بینی کا یہ تقاضا ہونا چاہیئے تھا کہ پہلے ہی سے ڈرتا۔ بعض گاؤں میں سخت تباہی ہو چکی ہے یہاں تک کہ گھروں کے گھر مقفّل ہو گئے۔ جب زور سے پڑتی ہے تو پھر کھا جانے والی آگ کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار بلاد شام میں پڑی تھی تو جانوروں تک کی صفائی اس نے کر دی تھی۔ یہ بڑی خطرناک بلا ہے۔ اس سے بے خوف ہونا نادانی ہے حقیقی ایمان ایک موت ہے۔ جب تک انسان اس موت کو اختیار نہ کرے۔ دوسری زندگی مل نہیں سکتی۔

جو لوگ نری بیعت کر کے چاہتے ہیں کہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں۔ وہ غلطی کرتے ہیں۔ ان کو نفس نے دھوکا دیا ہے۔ دیکھو طبیب جس وزن تک مریض کو دوا پلانی چاہتا ہے۔ اگر وہ اُس حد تک نہ پیوے تو شفا کی امید رکھنی فضول ہے مثلاً وہ چاہتا ہے کہ دس تولہ استعمال کرے اور یہ صرف ایک ہی قطرہ کافی سمجھتا ہے یہ نہیں ہو سکتا پس اس حد تک صفائی کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو جو خدا کے غضب سے بچانے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں پر رحم کرتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو دنیا میں

اندھیر پڑ جاتا۔ انسان جب متقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور اُس کے غیر میں فُرقان رکھ دیتا ہے اور پھر اس کو ہر تنگی سے نجات دیتا ہے نہ صرف نجات بلکہ یرزقہ من حیث لایحتسب[1]۔ پس یاد رکھو جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو مشکلات سے رہائی دیتا ہے اور انعام و اکرام بھی کرتا ہے اور پھر متقی خدا کے ولی ہو جاتے ہیں۔ تقویٰ ہی اکرام کا باعث ہے کوئی خواہ کتنا ہی لکھا پڑھا ہوا ہو وہ اس کی عزت و تکریم کا باعث نہیں اگر متقی نہ ہو۔ لیکن اگر ادنیٰ درجہ کا آدمی بالکل اُمّی ہو مگر متقی ہو وہ معزز ہوگا۔ یہ دن خدا تعالیٰ کے روزہ کے ہیں۔ اُن کو غنیمت سمجھو اس سے پہلے کہ وہ اپنا روزہ کھولے تم اس سے صُلح کر لو اور پاک تبدیلی کر لو جنوری کا مہینہ باقی ہے فروری میں پھر وہی سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ ایسی بلاؤں کا باعث صادق کی تکذیب ہوتی ہے۔ اس لئے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا۔ بعض صحابہؓ بھی اس مرض سے مرے ہیں لیکن وہ شہید ہوئے۔ جیسے لڑائیاں جو دشمنوں کی ہلاکت کا موجب تھیں ان میں مرنے والے صحابہ بھی شہید ہوئے تھے۔ جو نیک آدمی مر جاتا ہے اس کو بشارتِ شہادت ملتی ہے جو بَد آدمی مرتا ہے اس کا انجام جہنم ہے جو شخص نیکیوں میں ترقی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے پناہ مانگتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتا ہے۔ دیکھو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش واللہ اعلم پیغمبر گذرے ہیں۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُن میں سے کوئی طاعون سے بھی ہلاک ہوا تھا۔ ہرگز نہیں۔ یہ بلا بھی مامور ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتی ہے۔ اس کی مجال نہیں کہ بلا حکم کوئی کام کرے۔ (یہاں حضرت اقدس نے ہاتھی والی رؤیا سنائی جو کئی مرتبہ شائع ہوئی)

پھر فرمایا کہ

اگرچہ آج کل کسی قدر امن ہے مگر میں ڈرتا ہوں کہ وہ وقت خطرناک زور کا قریب ہے اس لئے ہماری جماعت کو ڈرنا چاہیئے۔ اگر کسی میں تقویٰ ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ تو وہ بچایا جائیگا۔ اس سلسلہ کو خدا تعالیٰ نے تقویٰ ہی کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ تقویٰ کا میدان

[1] الطلاق : ۴

بالکل خالی ہے۔ پس جو متقی بنیں گے اُن کو معجزہ کے طور پر بچایا جائے گا۔

عرب صاحب نے پوچھا جو لوگ حضور کو بُرا نہیں کہتے اور آپ کی دعوت کو نہیں سُنا۔ وہ طاعون سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ فرمایا :-

میری دعوت کو نہیں سُنا تو خدا کی دعوت تو سُنی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں۔ پس جو تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ہے خواہ اس نے ہماری دعوت سُنی ہو یا نہ سُنی ہو کیونکہ یہی غرض ہے ہماری بعثت کی۔ اس وقت تقویٰ عنقا یا کبریت کی طرح ہوگیا ہے کسی کام میں خلوص نہیں رہا بلکہ ملونی ملی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس ملونی کو جلا کر خلوص پیدا کرو۔ اس وقت ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1] کا نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یورپ اور دیگر ممالک کی بگڑی ہوئی حالتوں کا علم نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کی وحی پر ایمان تھا اور اب عرفان کی حالت پیدا ہوگئی ہے جو چاہے ان ممالک میں جا کر دیکھ لے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۱۰ تا ۱۱ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء)

---

۴ جنوری ۱۹۰۳ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

طاعون اور اس کا علاج

طاعون کے متعلق ذکر ہوا۔ فرمایا کہ

ہمارا علاج کوئی کان دھر کر سُنتا نہیں ہے مگر بہرحال آخری علاج یہی ہے۔ لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ ان کی نظر صرف اسباب پر رہتی ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ آسمان سے سب کچھ ہوتا ہے۔ جب تک وہاں نہ ہو زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ دہریت کا آجکل طبائع میں بہت زور ہے۔ اخباروں میں ہمارے بتلائے ہوئے علاج پر ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طاعون کو خدا سے کیا تعلق۔ ایک بیماری ہے جس کا علاج ڈاکٹروں سے کرانا چاہیئے۔

[1] الروم : ۴۲

ایک صاحب نے لوگوں کا یہ اعتراض پیش کیا کہ طاعون سے اکثر غریب ہی مرتے ہیں مخالف اور امیر نہیں مرتے۔ فرمایا:۔

میرے الہاموں سے پایا جاتا ہے کہ ہم دور سے شروع ہوں گے۔ مکہ میں جب قحط پڑا تو اس میں بھی اول غریب لوگ ہی مرے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ابوجہل جو اس قدر مخالف ہے۔ وہ کیوں نہیں مرا۔ حالانکہ اس نے تو جنگ بدر میں مرنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ابتلا ہوا کرتا ہے اور یہ اس کی عادت ہے اور پھر اس کے علاوہ یہ اس کی مخلوق ہے۔ اس کو ہر ایک نیک و بد کا علم ہے۔ سزا ہمیشہ مجرم کے واسطے ہوا کرتی ہے۔ غیر مجرم کے واسطے نہیں ہوتی۔ بعض نیک بھی اس سے مرتے ہیں مگر وہ شہید ہوتے ہیں۔ اور اُن کو بشارت ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ سب کی نوبت آجاتی ہے۔ اب رسل بابا جو مرا۔ کیا وہ امیروں میں سے نہ تھا۔ ہمارا بھی مخالف تھا۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں طاعون کیوں نہ پڑی ان کا بھی انکار ہوا تھا۔ فرمایا:۔

یہ ضرور نہیں ہے کہ خدا ہر وقت ایک ہی رنگ میں عذاب دیوے۔ قرآن شریف میں عذاب کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔ جیسے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔[1] پ ۱۴۔

جنگ و لڑائی وغیرہ کو بھی عذاب قرار دیا ہے۔ عذاب بہت اقسام کے ہوتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کے پاس عذاب کی ایک ہی قسم ہے؟ اور خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہر نشان میں ایک پہلو اخفا کا رکھتا ہے ورنہ وہ چاہے تو چُن چُن کر بڑے بڑے بدمعاش ہلاک کردے سب لوگ ایک ہی دن میں سیدھے ہو جاویں۔

مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ حضور اب اَلْمُؤْمِنُ مَنْ يَّكُوْمُ کا الہام خوب پورا

[1] الانعام: ۶۶

ہوا۔ حضور کے بتلائے ہوئے علاج پر لوگ کیا کیا باتیں بناتے تھے اور طریق ملامت ان لوگوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس ملامت کے بدلے میں کیسی ملامت کی ہے۔ جس ٹیکہ کو پیش کر کے ملامت کرتے تھے۔ اب خود ہی اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔

پھر حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ

خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں اُسے (طاعون کو) کبھی بند نہ کروں گا جب تک توبہ نہ کریں۔ خدا تعالےٰ کا اصل مطلب تو طاعون سے افطار ہے (یعنی ہلاک کرنے کا) مگر پھر رحم آتا ہے تو روزہ رکھ لیتا ہے (یعنی درمیان میں وقفہ دے دیتا ہے)۔ کہ لوگ اگر چاہیں تو توبہ کر لیں۔ لوگوں سے اگرچہ ہمیں ہمدردی ہے مگر چونکہ لوگ خدا تعالےٰ سے غافل ہیں اس لئے اس کو یاد کرانے کے واسطے تنبیہ کی ضرورت ہے جیسے ایک لحاف کے اندر کا استر بھی میلا اور پلید ہو اور باہر کا اَبرہ بھی ویسے ہی خراب ہو۔ اسی طرح اب اندرونی اور بیرونی دونو حالتیں قابلِ اصلاح ہیں لوگوں کو یہ بات تعجب میں ڈال رہی ہے کہ ایسا ہوگا کہ خدا اپنی ہستی کو منوا دے یہ اُن کی غلطی ہے وہ اپنے وجود کو ضرور منوا دے گا۔

آثار سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں جہاں طاعون پڑی ہوئی ہے ابھی تک لوگ اس سے متاثر نہیں ہوئے۔ ابھی کل امرت سر سے ایک اشتہار آیا ہے کہ تین سالہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور اس پر استہزا کیا ہے حالانکہ ان کو چاہیئے تھا کہ انتظار کرتے کہ ہم کیا لکھتے ہیں اکم از کم ہم سے دریافت ہی کر لیتے کہ ہم کیا کہتے ہیں۔

لوگوں کو بھی شرم نہیں آتی جو کہ اُن کے گالیوں سے بھرے ہوئے اشتہار پڑھتے ہیں کیا مولویوں کی پاکیزگی کا یہی نمونہ ہے ان لوگوں کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ مجھ پر چڑ کر نظم و نثر پڑھ دی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں پر مُہریں لگا دیتا ہے خود ہی توڑے تو ٹوٹے۔

جہلم کے سفر کے متعلق فرمایا کہ

میری طبیعت ہمیشہ شور اور غوغا سے جو کثرت ہجوم کے باعث ہوتا ہے متنفر ہے ایسے لوگوں کے ساتھ مغز خوری کرنا بیفائدہ ہے وہی وقت انسان کسی علمی فکر میں صرف کرے تو خوب ہے خدا تعالیٰ نے ہماری اشاعت کا طریق خوب رکھا ہے۔ ایک جگہ بیٹھے ہیں نہ کوئی واعظ ہے نہ مولوی نہ لیکچرار جو لوگوں کو سُناتا پھرے۔ وہ خود ہی ہمارا کام کر رہا ہے بیعت کرنے والے خود آرہے ہیں بڑے امن کا طریق ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱-۲ مورخہ ۲۳ و ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

۵ جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

جہاد

ظہر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو سرحد کے لوگوں کے جہاد کے بارے میں غلط فہمی کا ذکر چل پڑا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مذہبی امور میں آزادی ہونی چاہیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[1]۔ کہ دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ اس قسم کا فقرہ انجیل میں کہیں بھی نہیں ہے۔ لڑائیوں کی اصل جڑ کیا تھی۔ اس کے سمجھنے میں ان لوگوں کو غلطی ہوئی ہے۔ اگر لڑائی کا ہی حکم تھا تو تیرہ برس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو پھر ضائع ہی گئے کہ آپؐ نے آتے ہی تلوار نہ اُٹھائی۔ صرف لڑنے والوں کے ساتھ لڑائیوں کا حکم ہے۔ اسلام کا یہ اصول کبھی نہیں ہوا۔ کہ خود ابتداء جنگ کریں۔ لڑائی کا سبب کیا تھا اسے خود خدا نے بتلایا ہے کہ ظُلِمُوْا۔ خدا تعالیٰ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ مظلوم ہیں تو اب اجازت دیتا ہے کہ تم بھی لڑو۔ یہ نہیں حکم دیا کہ اب وقت تلوار کا ہے تم زبردستی تلوار کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرو۔ بلکہ یہ کہا کہ تم مظلوم ہو اب مقابلہ کرو۔ مظلوم کو تو ہر ایک قانون اجازت دیتا ہے کہ حفظِ جان کے واسطے مقابلہ کریں۔

[1] البقرۃ : ۲۵۷

ایسے خیالات کی اشاعت کا الزام پادریوں پر نہیں ہے بلکہ اسے خود مُلّانوں نے اپنے اوپر پختہ کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ ایک غافل شخص جسے دین کی حقیقت معلوم نہیں ہے اُسے جبراً مسلمان کیا جائے۔ اب ایک بنیا جس کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال کی ہے اور اُسے دین کی خبر ہی نہیں تو اس کے گلے پر تلوار رکھ کر اس سے لا الٰہ الا اللہ کہلانے سے کیا حاصل ہوگا؟ خدا تعالےٰ کا منشا ہے کہ غفلت چونکہ بہت ہو گئی ہے اب دلائل سے سمجھا دیوے اگر جہاد کریں بھی تو کس سے کریں؟ سب سے اول تو انہیں مسلمانوں سے کرنا چاہیئے کہ جنہوں نے دین کو تباہ کر دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ تو خدا کے فرشتے تھے۔ اور جب ناعاقبت اندیش لوگوں نے تلواریں اُٹھائیں تو خدا نے اُن کے ذریعہ اُن کو سزائیں دلوائیں مگر آجکل کے یہ لوگ کہ جن کی مثال ڈاکوؤں کی ہے کیا یہ خدا تعالیٰ کے وکیل ہو سکتے ہیں۔ قرآن سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کافر سے پہلے فاسق کو سزا دینی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے اسی لئے چنگیز خاں کو اُن پر مسلط کر دیا تھا تا کہ مماثلت پُوری ہو جیسے یہودیوں پر بخت نصر کو متعین کر دیا تھا ویسے ہی ان پر چنگیز خاں کو۔ اس کے وقت میں ایک بزرگ تھے ان کے پاس لوگ گئے کہ وہ دعا کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہاری حرام کاریوں کی وجہ سے ہی تو چنگیز خاں مسلط ہوا ہے۔ قتل کے بعد سُنا ہے کہ چنگیز خاں نے اسلام کے علماء فضلاء کو بُلا کر پُوچھا کہ اسلام کیا ہے انہوں نے کہا کہ پنجوقتہ نماز ہے۔ کہنے لگا کہ یہ تو عمدہ بات ہے کہ اپنے کاروبار میں پانچ وقت دن میں خدا کو یاد کرنا۔ پھر انہوں نے زکوٰۃ بتلائی۔ اس کی بھی تعریف کی، تیسرے انہوں نے حج بتلایا۔ اس کی اُسے سمجھ نہ آئی۔ اس کے بیٹے کا اسلام کی طرف رجوع تھا مگر آخر پوتا بالکل مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح بخت نصر یہودیوں پر مسلط ہوا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اسے کہیں ملعون نہیں کہا ہے بلکہ عِبَاداً لَّنَا ہی کہا ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کا دستور ہے کہ جب ایک قوم فاسق فاجر ہوتی ہے تو اس پر ایک اور قوم مسلط کر دیتا ہے۔

لے بنی اسرائیل ۶:

موت اور دریا اور ابابیل کی تعبیر

قبل از عشاء ایک صاحب نے ایک خواب سُنائی جس میں ایک مُردہ نے اُن کو اُن کی موت کی خبر دی تھی اور یہ خواب بیعت سے پیشتر آئی تھی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

جو بیعت کرتا ہے اس پر بھی ایک موت ہی آتی ہے۔ خوابوں میں موت سے مراد موت ہی نہیں ہوا کرتی اور بھی موت کے بہت سے معنے ہیں خدا کو کوئی نہیں پا سکتا جبتک اس کی اول زندگی پر موت نہ آوے۔

دریا کی تعبیر پر فرمایا کہ

جو معارف اور علم رکھتا ہو اسے دریا سے ہی تعبیر کیا کرتے ہیں اور ابابیل سے مراد وہ جماعت اور لوگ جو اس سے فیوض حاصل کرتے ہیں۔

پھر موت کے ذکر پر فرمایا کہ

موت کے معنے رفعت درجات بھی لکھے ہیں اور صوفی کہتے ہیں کہ انسان نجات نہیں پا سکتا جب تک اس پر بہت موتیں نہ آویں حتیٰ کہ وہ ایک زندگی کو ناقص محسوس کر کے پھر اور ایک زندگی اختیار کرتا ہے۔ پھر اس پر موت ہوتی ہے۔ پھر ایک اور نئی زندگی اختیار کرتا ہے۔ اور اس طرح کئی موتیں اور کئی زندگیاں حاصل کرتا ہے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ خواب کی کتنی اقسام ہیں۔

خوابوں کے اقسام

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

تین قسمیں خوابوں کی ہوتی ہیں۔ ایک نفسانی۔ ایک شیطانی اور ایک رحمانی۔ نفسانی جیسے بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔ شیطانی وہ جس میں ڈرانا یا وحشت ہو۔ رحمانی خواب خدا تعالےٰ کی طرف سے پیغام ہوتی ہیں اور ان کا ثبوت صرف تجربہ ہے۔ اور یہ خدا کی باتیں ہیں

جو اس دُنیا سے بہت دُور تر ہیں اگر ہم اُن کے متعلق عقلی دلائل پر توجہ کریں تو نہ دوسرا اس سے سمجھ سکتا ہے نہ ہم سمجھا سکتے ہیں۔ یہ خدا تعالےٰ کی ہستی کے نشان ہیں جو غیب سے دل پر ڈالتا ہے اور جب دیکھ لیتے ہیں کہ ایک بات بتلائی گئی اور وہ پُوری ہوئی تو پھر اس پر خود ہی اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس عالم کے امور کا جو آلہ ہے وہ اُسے شناخت نہیں کر سکتا۔ یہ رُوحانی امور ہیں۔ انہیں سے اُن کو پہچانا جائے تو سمجھ آئے۔ اور خواب اپنی صداقت پر آپ ہی گواہی دیتی ہیں۔ خدائی امور ایسے ہی ہوتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آیا کرتے اور اگر آجا دیں۔ تو پھر خدا بھی سمجھ میں آجائے۔

سُرخ سیاہی کے قطرات والی رؤیا

پھر اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا جس میں آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ ایک حاکم کی صورت پر متمثل ہوا ہے اور آپ نے کچھ احکام لکھ کر دستخط کرائے ہیں۔ آپ نے وہ تمام کاغذات دستخط کے واسطے حضرت احدیّت میں پیش کئے۔ اس وقت اللہ تعالےٰ ایک کُرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک دوات جس میں سرخ روشنائی تھی وہ پڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قلم لے کر اس روشنائی سے لگائی مگر مقدار سے زیادہ روشنائی اس میں لگ گئی جیسے کہ دستور ہے کہ ایسی حالت میں چھڑک دیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی چھڑک دیا اور کاغذات پر بلا دیکھے دستخط کر دیئے اور اس وقت میرے پاس عبداللہ سنوری اور حامد علی تھے۔ اور میں سویا ہوا تھا کہ یکایک انہوں نے جگایا کہ یہ سرخ قطرات کہاں سے آئے دیکھا تو میرے کرتہ پر اور کسی جگہ پگڑی پر اور کہیں پاجامہ پر پڑے ہوئے تھے۔ میرے دل میں اس وقت بڑی رقت تھی کہ خدا تعالےٰ کا مجھ پر کس قدر احسان ہے اور فضل ہے کہ کاغذات کو بلا دیکھے اور پُوچھے دستخط کر دیئے ہیں۔ اب یہ کیا حیرانی کی بات نہیں ہے۔ کہ میں نے تو ایک معاملہ خواب میں دیکھا اور اس کے قطرات ظاہر میں کپڑوں پر پڑے۔

جو کہ اب تک موجود ہیں اور دو شاہد بھی ہیں۔

جماعت کی ترقّی کا نشان

پھر وہ وقت کہ ایک دو آدمی ہمارے ساتھ تھے اور کوئی نہ تھا اور اب دیکھتے ہیں کہ جوق در جوق آرہے ہیں۔ یاتون من کلّ فجٍ عمیق۔ اور پھر اتنی ہی بات نہیں بلکہ اس کے اوپر ایک اور حاشیہ لگا ہوا ہے کہ مخالفوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ لوگ آنے سے رکیں مگر آخر کار وہ فقرہ پورا ہو کر رہا۔ اب جو نیا شخص ہمارے پاس آتا ہے۔ وہ اسی الہام کا ایک نشان ہوتا ہے۔

اجنبیت کی حالت میں انسان خدا کے کاموں سے ناآشنا ہوتا ہے۔ اب جیسے یہ ریل ہے کہ یہاں کے لوگوں کے نزدیک تو عام بات ہے اور کوئی تعجب اور حیرت کا مقام نہیں ہے مگر جہاں کہ دُور دُور آبادیوں میں یہ نہیں گئی اور نہ ان لوگوں نے اُسے دیکھا ہے اُن سے کوئی بیان کرے تو کب باور کریں گے کہ ایک سواری ہے کہ خود بخود چلتی ہے۔ نہ اس میں گھوڑا ہے نہ بَیل نہ اور جانور۔ تو جن کو ان خدائی امور کا تجربہ نہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

نماز میں لذت نہ آنے کی وجہ

پھر اسی صاحب نے اعتراض کیا کہ بہت کوشش کی جاتی ہے مگر نماز میں لذت نہیں آتی۔ فرمایا:۔

انسان جو اپنے تئیں امن میں دیکھتا ہے تو اسے خدا تعالےٰ کی طرف رجُوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ حالت استغنا میں انسان کو خدا یاد نہیں آیا کرتا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میری طرف وہ متوجہ ہوتا ہے کہ جس کے بازو ٹوٹ جاتے ہیں۔ اب جو شخص غفلت سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اُسے خدا کی طرف توجہ کب نصیب ہوتی ہے۔ انسان کا رشتہ خدا تعالےٰ کے ساتھ عاجزی اور اضطراب کے ساتھ ہے لیکن جو عقلمند ہے وہ

اس رشتہ کو اس طرح سے قائم رکھتا ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ میرے باپ دادا کہاں ہیں اور اس قدر مخلوق کو ہر روز مرتا دیکھ کر وہ انسان کی فانی حالت کا مطالعہ کرتا ہے تو اُس کی برکت سے اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ میں بھی فانی ہوں اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ جہان چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اس میں زیادہ مبتلا ہے تو اُسے چھوڑنے کے وقت حسرت بھی زیادہ ہوگی اور یہ حسرت ایسی ہے کہ خواہ آخرت پر ایمان نہ بھی ہو۔ تب بھی اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اور اس سے امن اس وقت ملتا ہے کہ جب فانی خوشحالی نہ ہو بلکہ سچی خوشحالی ہو۔ بعض آدمیوں کو بیماریوں سے بعض کو دوسری تکالیف سے خدا تعالیٰ کیطرف رجوع ہوتا ہے

نماز میں خدا تعالےٰ کا کلام اور ادعیہ ماثورہ ضرور پڑھے

پھر سوال ہوا کہ اگر ساری نماز کو اپنی زبان میں پڑھ لیا جاوے تو کیا حرج ہے۔ فرمایا۔

خدا تعالےٰ کے کلام کو اسی کی زبان میں پڑھنا چاہیئے۔ اس میں بھی ایک برکت ہوتی ہے خواہ فہم ہو یا نہ ہو اور ادعیہ ماثورہ بھی ویسے ہی پڑھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلیں۔ یہ ایک محبّت اور تعظیم کی نشانی ہے۔ باقی خواہ ساری رات دعا اپنی زبان میں کرتا رہے۔ انسان کو اول محسوس کرنا چاہیئے۔ کہ میں کیسا مصیبت زدہ ہوں۔ اور میرے اندر کیسی کیسی کمزوریاں ہیں۔ کیسے کیسے امراض کا نشانہ ہوں اور موت کا اعتبار نہیں ہے۔ بعض ایسی بیماریاں ہیں کہ آدھ منٹ میں ہی انسان کی جان نکل جاتی ہے۔ سوائے خدا کے کہیں اس کی پناہ نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی ہے جس کی تین سو امراض ہیں۔ ان خیالوں سے انسانی زندگی کی اصلاح ہو سکتی ہے اور پھر اصلاح یافتہ زندگی کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک دریا سخت طغیانی پر ہے۔ مگر یہ ایک عمدہ مضبوط لوہے کے جہاز میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور ہوائے موافق اسے لے جا رہی ہے۔ کوئی خطرہ ڈوبنے کا نہیں ہے لیکن جو شخص یہ زندگی نہیں رکھتا۔ اس کا جہاز بودا ہے۔ ضرور ہے کہ طغیانی میں ڈوب جائے۔ عام

لوگوں کی نماز تو برائے نام ہوتی ہے۔ صرف نماز کو اٹھیر تے ہیں اور جب نماز پڑھ چکے تو پھر گھنٹوں تک دُعا میں رجُوع کرتے ہیں۔

ایک صاحب نے اُٹھ کر عرض کی کہ جبتک حرام خوری وغیرہ نہ چھوڑے تب تک نماز کیا لذت دے اور کیسے پاک کرے۔ حضرت اقدس نے فرمایا:-

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ[1]۔ بھلا جو اوّل ہی پاک ہو کر آیا اُسے پھر نماز کیا پاک کرے گی۔

حدیث میں ہے کہ تم سب مُردہ ہو مگر جسے خدا زندہ کرے۔ تم سب بھوکے ہو مگر جسے خدا کھلاوے۔ الخ۔ ایک طبیب کے پاس اگر انسان اول ہی صاف ستھرا اور مرض سے اچھا ہو کر آوے تو اس نے طبابت کیا کرنی ہے اور پھر خدا تعالےٰ کی غفوریت کیسے کام کرے۔ بندوں نے گناہ کرنے ہی ہیں تو اس نے بخشنے ہی ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ گناہ نہ کریں جس میں سرکشی ہو ورنہ دوسرے گناہ جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اگر اُن سے بار بار خدا سے بذریعہ دعا تزکیہ چاہے گا تو اُسے قوت ملیگی۔ بلا قوت اللہ تعالیٰ کے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ اس کا تزکیہ نفس ہو اور اگر ایسی عادت رکھے کہ جو کچھ نفس نے چاہا اس وقت کر لیا تو اسے کوئی قوت نہیں ملے گی۔ جب اِن جوشوں کا مقابلہ کرے اور گناہ کی طاقت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرے ورنہ اگر وہ اس وقت گناہ سے باز آتا ہے جبکہ خدا تعالےٰ نے طاقتیں چھین لی ہیں تو اسے کیا ثواب ہوگا۔ مثلاً آنکھوں میں بینائی نہ رہے تو اس وقت کہے کہ اب میں غیر عورتوں کو نہیں دیکھتا تو یہ کیا بزرگی ہوئی۔ بزرگی تو اس میں تھی کہ پیشتر اس کے کہ خدا اپنی دی ہوئی امانتیں واپس لیتا وہ اس کے بے محل استعمال سے باز رہتا۔

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی معیّت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالےٰ کی ہی معیّت ہو تو تبدیلی ہوتی ہے اور پھر اس کی خواہشیں اور اور جگہ لگ جاتی ہیں اور خدا کی نافرمانی اسے ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے موت۔ بالکل ایک معصوم بچہ کی طرح ہو جاتا ہے۔

[1] ھود: ۱۱۵

اس لئے جہانتک ہو سکے کوشش کریں کہ دقیق در دقیق پرہیزگار ہو جاوے۔ جب نماز میں کوئی خطرہ پیش آوے۔ اس وقت سلسلہ دعا کا شروع کر دے یہ مشکلات اس وقت تک ہیں کہ جب تک نمونہ قدرت الٰہی کا نہیں دیکھتا۔ کبھی دہریہ ہو جاتا ہے کبھی کچھ۔ بار بار ٹھوکریں کھاتا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہو گناہ نہیں چھوٹ سکتا۔ دیکھو جو لوگ جاہل ہیں۔ ڈاکہ مارتے ہیں۔ چوریاں کرتے ہیں۔ لیکن جن کو علم ہے کہ اس سے ذلت ہوگی۔ خواری ہوگی وہ ایسے کام کرتے شرماتے ہیں کیونکہ اُن کی عظمت میں فرق آتا ہے۔ اس لئے ڈاکہ والوں کا یہ بھی علاج ہے کہ ان کی تعظیم کی جاوے اور ان کو بڑا آدمی بنا دیا جاوے۔ تاکہ پھر اُن کو ڈاکہ مارتے شرم آوے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۲۳، ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

---

۶ جنوری ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

اول طاعون کا ذکر ہوتا رہا اور پھر موت کی حالت کا ذکر آیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ بھی ایک وقت ہے جو انسان پر آتا ہے مگر یہاں آکر سب علوم ختم ہو جاتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں بتلاتا۔

بعض احباب اپنے خواب سُناتے رہے اور حضرت اقدس تعبیر فرماتے رہے چند ایک اُن میں سے واقفیت عام کے لئے درج کی جاتی ہیں:۔

تعبیر رؤیا

خواب میں ختنہ کرنا:۔
تقویٰ کا طریق اختیار کرنا ہے۔ اس سے شہوات کا کاٹنا ہے۔
قیامت کی خبر سُننا:۔

اس سے مراد ہے کہ دینداروں کی فتح ہوگی اور دشمنوں کو ذلت۔ کیونکہ قیامت کو بھی یہی ہونا ہے

قرآن شریف میں ہے کہ فریقٌ فی الجنۃِ و فریقٌ فی السعیر۔ یہ اسی دن ہوگا۔ دُنیا کی رنگارنگ کی وبائیں بھی قیامت ہی ہیں۔

طاعون اور انجام

میرے الہام میں ہے:-

یاتی علیٰ جھنّم زمانٌ لَیْسَ فیھا احدٌ۔ یہ طاعون کی نسبت ہے۔ اسے بھی جہنم ہی کہا گیا ہے حالانکہ جہنم تو قیامت کو ہونا ہے۔

اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کارروائی ہو لیگی تو پھر طاعون ایک دم چُپ ہو کر سو جائے گی۔ پھر اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے۔ یغاث النّاسُ ویعصرُنَ۔ پھر بارشیں ہوں گی۔ کشادگی ہوگی۔ فصلیں خوب پکیں گی۔ موتوں سے لوگ بچیں گے۔ پھر اس وقت لوگوں کا دعائیں کرنا کہ یہ طاعون دور ہو۔ بے فائدہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جب ایک شخص پہر رات رہے اٹھ کر دعا شروع کر دے کہ بہت جلد ابھی دن نکل آوے تو خواہ وہ کچھ ہی کرے مگر دن تو اپنے وقت پر ہی چڑھے گا۔

نیکی کی جڑ اور تنعم میں حد اعتدال

نیکی کے ذکر پر فرمایا کہ

نیکی کی جڑ یہ بھی ہے کہ دنیا کی لذات اور شہوات جو کہ جائز ہیں ان کو بھی حد اعتدال سے زیادہ نہ لے جیسا کہ کھانا پینا اللہ تعالیٰ نے حرام تو نہیں کیا مگر اب اسی کھانے پینے کو ایک شخص نے رات دن کا شغل بنا لیا ہے۔ اس کا نام دین پر بڑھاتا ہے

ـلـہ الشوریٰ: ۸

ورنہ یہ لذات دنیا کی اس واسطے ہیں کہ اس کے ذریعہ نفس کا گھوڑا جو کہ دنیا کی راہ میں ہے کمزور نہ ہو۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ یکہ والے جب لمبا سفر کرتے ہیں تو سات یا آٹھ کوس کے بعد وہ گھوڑے کی کمزوری کو محسوس کر کے اسے دم دلا دیتے ہیں۔ اور نہاری وغیرہ کھلاتے ہیں۔ تا کہ اس کی پچھلی تھکان دُور ہو جاوے تو انبیاؑ نے جو حظ دُنیا کا لیا ہے وہ اسی طرح ہے کیونکہ ایک بڑا کام دُنیا کی اصلاح کا اُن کے سپرد تھا اگر خدا کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا تو ہلاک ہو جاتے۔ اسی واسطے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت حضرت عائشہؓ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرماتے کہ اے عائشہ راحت پہنچا۔ مگر انبیاؑ کا یہ دستور نہ تھا کہ اس میں ہی منہمک ہو جاتے۔ انہماک بیشک ایک زہر ہے ایک بدقماش آدمی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کھاتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک صالح بھی کرے تو خدا کی راہیں اس پر نہیں کُھلتیں۔ جو خدا کے لئے قدم اُٹھاتا ہے۔ خدا کو ضرور اُس کا پاس ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی[1]۔ تنعم اور کھانے پینے میں بھی اعتدال کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ صرف یہی گناہ نہیں ہے کہ انسان زنا نہ کرے۔ چوری نہ کرے بلکہ جائز امور میں حدِ اعتدال سے نہ بڑھے۔

اُسوۂ حسنہ

ایک دفعہ حضرت عمرؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ اندر ایک حجرہ میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت چاہی۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے آکر دیکھا کہ صف کھجور کے پتوں کی آپؐ نے بچھائی ہوئی ہے اور اس پر لیٹنے کی وجہ سے پیٹھ پر پتوں کے داغ لگے ہوئے ہیں۔ گھر کی جائیداد کی طرف حضرت عمرؓ نے نظر کی تو دیکھا کہ ایک گوشہ میں تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر اُن کے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا کہ اے عُمر تو کیوں رویا؟ عرض کی کہ خیال آتا ہے۔ اہ

[1] المائدۃ : ۹

کہ قیصر وکسریٰ جو کافر ہیں۔ ان کے لئے کس قدر تنعم اور آپ کے لئے کچھ بھی نہیں۔ فرمایا میرے لئے دنیا کا اسی قدر حصہ کافی ہے کہ جس سے میں حرکت کر سکوں۔ میری مثال یہ ہے کہ جیسے ایک مسافر سخت گرمی کے دنوں میں اُونٹ پر جا رہا ہو اور جب سُورج کی تپش سے بہت تنگ آوے تو ایک درخت کو دیکھ کر اس کے نیچے ذرا آرام کر لیوے اور جونہی کہ ذرا پسینہ خشک ہو پھر اُٹھ کر چل پڑے۔ تو یہ اسوہ حسنہ ہے جو کہ اسلام کو دیا گیا ہے۔ دنیا کو اختیار کرنا بھی گناہ ہے اور مومن کی زندگی اضطراب کے ساتھ گذرتی ہے۔

پھر ہماری دو آنکھیں ہیں اور کیا کچھ دیکھ رہی ہیں اور کوئی فولاد وغیرہ کی بنی ہوئی نہیں ہیں۔ ذرا بینائی جاتی رہے تو پھر ہستی کا اندازہ ہو جاتا ہے اور جب اندھا ہو تو پھر موت ہی ہے۔ تو دنیا کی زندگی کا بھی یہی حساب ہے۔

مومن اور دنیوی زندگی

مومن کو اس زندگی پر ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ اتنی بلائیں اس زندگی میں ہیں کہ شمار نہیں۔ ایک بیماری ہوتی ہے کہ انسان کے پاخانہ کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور منہ کے راستہ پاخانہ آتا ہے اور اس کا نام ایلاوس ہے اور پھر اسی طرح گردہ اور مثانہ کی بیماریاں ہیں کہ رنگا رنگ کے سُرخ، سبز اور سیاہ پتھر بن جاتے ہیں اور اُن کا کوئی خاص سبب بھی کیا بیان ہو سکتا ہے بلکہ امراء لوگ جو کہ عمدہ غذا اور نفیس پانی استعمال کرتے ہیں انہیں کو ایسی امراض ہوتی ہیں۔ اگر دو شخص ایک ہی جگہ رہتے ہوں۔ ایک ہی قسم کی ان کی خورد و نوش ہو۔ پھر ایک ان میں سے ایسے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے دوسرا نہیں ہوتا۔ اس لئے طب کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ظنی علم ہے۔ علل مادیہ میں یہ لوگ اسباب کی تحقیق کرتے ہیں مگر اس کا بھی سبب بتلاویں کہ جب الہام ہونے لگتا ہے یا کشف تو اس وقت نیند سی آنے لگتی ہے۔ اس کے کیا اسباب ہیں۔ ان لوگوں کا دستور ہے کہ جب ان کو ایک بات کا سبب معلوم نہ ہو تو اس سے انکار کر بیٹھتے ہیں اور اسی لئے وحی اور الہام کے منکر ہیں۔

یہ علوم بے انتہا ہیں جب تک بے اعتدالیوں کا حصہ دُور نہ کریں۔ اس سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی۔[1] پ ۳۰۔ ۴۔ جو خواہش جائز اپنے مقام اعتدال سے بڑھ جائے۔ اس کا نام ھویٰ ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک خواب

کوئی تیس سال کا عرصہ گذرا میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ بٹالہ کے مکانات میں ایک حویلی ہے۔ اس میں ایک سیاہ کمبل پر میں بیٹھا ہوں اور لباس بھی کمبل ہی کی طرح پہنا ہوا ہے۔ گویا کہ دنیا سے الگ ہوا ہوں۔ اتنے میں ایک لمبے قد کا شخص آیا اور مجھ سے پوچھتا ہے کہ مرزا غلام احمد مرزا غلام مرتضیٰ کا بیٹا کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ میں ہوں کہنے لگا کہ میں نے آپ کی تعریف سُنی ہے کہ آپ کو اسرار دینی اور حقائق اور معارف میں بہت دخل ہے۔ یہ تعریف سُن کر ملنے آیا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا جواب دیا۔ اس پر اُس نے آسمان کی طرف مُنہ کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور بہہ کر رُخسار پر پڑتے تھے۔ ایک آنکھ اُوپر تھی اور ایک نیچے اور اس کے مُنہ سے حسرت بھرے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ "تہیدستانِ عشرت را" اس کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ یہ مرتبہ انسان کو نہیں ملتا جبتک کہ وہ اپنے اُوپر ایک ذبح اور موت وارد نہ کرے۔

اس مقام پر عرب صاحب نے حضرت کا ایک یہ شعر پڑھا۔ جس میں یہ کلمہ منسلک تھا۔ کہ 'میخواہد نگارِ من تہیدستانِ عشرت را'

حضرت نے فرمایا کہ

میں نے پھر اس کلمہ کو اس مصرعہ میں جوڑ دیا کہ یاد رہے۔[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۳ء)

---

[1] حاشیہ:۔ آئینہ کمالات اسلام میں اس پر نظم لکھی ہے۔

(ایڈیٹر البدر)

---

[1] النّٰزعٰت: ۴۱

دربار شام*

عربی تصانیف کی اہمیت

عربی تصانیف کے متعلق اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ

یہ سلسلہ نہ ہوتا تو یہ سب مولوی ہماری جماعت کو نظر استخفاف سے دیکھتے اور کہتے کہ یہ لوگ جاہل ہیں۔ مگر اب خود ہی بولنے کے لائق نہیں رہے۔

اسی سلسلہ کلام میں ابو سعید عرب صاحب نے عرض کیا کہ اگرچہ میں نے حضور کی تصنیفات کا مطالعہ نہیں کیا۔ مگر میرا ایمان ہے کہ حضور بالکل سچے ہیں اور مسیح اور مہدی کا دعویٰ حق ہے۔ مگر دوسرے لوگوں سے کلام کرنے کے لئے میں چاہتا ہوں کہ حضور کی زبان مبارک سے مسیح موعود ہونے کا ثبوت سُنوں۔

حضرت اقدس نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا۔ ہم اس کو اختصار کے طور پر لکھیں گے کیونکہ اس مضمون کے متعلق بسط کے ساتھ کلمات طیبات میں بھی ایک مضمون چھپ رہا ہے۔ بہرحال آپ نے فرمایا:-

مسیح موعود ہونے کا ثبوت

قرآن پر تدبر سے نظر کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ دو سلسلوں کا مساوی ذکر ہے اول وہ سلسلہ جو موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہو کر مسیح علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتا ہے یہ اُس شخص پر ختم ہونا چاہیئے جو مثیلِ مسیح ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰ ہیں۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[1] (سورہ مزمل)۔ اور پھر سورہ نور میں وعدہ استخلاف فرمایا کہ جس طرح پر موسوی سلسلہ ہو گذرا ہے۔ اسی طرح پر محمدی سلسلہ بھی ہوگا تاکہ

*حاشیہ۔ چونکہ اس دن کی شام کی ڈائری البدر کی نسبت الحکم میں زیادہ مفصل اور مربوط ہے۔ اس لئے شام کی ڈائری الحکم سے یہاں درج کی گئی ہے۔ مرتب

[1] مزمل: ۱۶

دونوں سلسلوں میں بموجب آیات قرآنی باہم مطابقت اور موافقت تامہ ہو۔ چنانچہ جبکہ موسوی سلسلہ آخر عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ ضروری تھا کہ محمدی سلسلہ کا خاتم بھی عیسیٰ موعود ہوتا ان دونوں سلسلوں کا باہم تقابل مرایا متقابلہ کی طرح ہے یعنی جب دو شیشے ایک دوسرے کے بالمقابل رکھے جاتے ہیں تو ایک شیشہ کا دوسرے میں انعکاس ہوتا ہے۔

موسوی مسیح اور محمدی مسیح

اور اس تقابل سلسلہ سے یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آخری سلسلہ کا آخری موعود کس شان کا ہوگا کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ آخر آنے والا عظیم الشان ہوتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے۔ اگر یہ قاعدہ اور سنت نہ ہوتی۔ تو پھر معاذاللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عزت اور عظمت باقی انبیاء سابقین پر نہ ہوتی لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ کی مصلحت دنیا میں عظیم الشان اصلاح چاہتی تھی اس لئے مناسب یہی تھا کہ اُن سب سے بڑھ کر آپؐ کی عظمت دکھاوے تاکہ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہو۔ دنیاوی حکام بھی جب ایسی مصلحت رکھ لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ اس مصلحت کو مدنظر نہ رکھتا۔ کبھی حکام دنیا پسند نہیں کرتے کہ آخر میں کسی نالائق کو بھیج دیں اور کہہ دیں کہ گو یہ نالائق ہے مگر اس کی بات مان لو۔ اب ایک شخص جو کُل دنیا کی اصلاح کے لئے آنے والا تھا کب ہو سکتا تھا کہ وہ ایک معمولی انسان ہوتا۔ جس قدر انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے وہ سب ایک خاص خاص قوم کے لئے آئے تھے۔ اس لئے کہ ان کی شریعت مختص القوم اور مختص الزمان تھی۔ مگر ہمارے نبی وہ عظیم الشان نبی ہیں جن کے لئے حکم ہوا کہ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[1] اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[2]۔ اس لئے جس قدر عظمتیں آپ کی بیان ہوئی ہیں مصلحتِ الٰہی کا بھی یہی تقاضا تھا۔ کیونکہ جس پر ختم نبوت ہونا تھا۔ اگر وہ اپنے کمالات میں کمی رکھتا تو پھر وہی کمی آئندہ امت میں رہتی۔ کیونکہ جس قدر کمالات اللہ تعالےٰ نے کسی

---

[1] الانبیاء: ۱۰۸ [2] الاعراف: ۱۵۹

نبی میں پیدا کرتا ہے اسی قدر اس کی امت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جس قدر کمزور تعلیم وہ لاتا ہے اتنا ہی ضعف اس کی امت میں نمودار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی۔ کہ جس عظمت اور شان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اسی عظمت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ تقابل میں بھی وہی عظمت دکھاتا۔ اور ہم ظاہر طور پر دیکھتے ہیں کہ دونوں تعلیموں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے کہ قرآن شریف حقائق اور معارف سے بھرا ہوا ہے توریت اور انجیل بالکل ان سے خالی ہے۔ اُن کی کُل تعلیم قصص کے رنگ میں ہے اور قرآن شریف علوم کا خزانہ ہے۔ ان دونو سلسلوں کا اقتضار اس وجہ سے بھی تھا کہ چونکہ اسحاقؑ اور اسمٰعیلؑ دونو بھائی تھے اور دونو میں برکات کی تقسیم مساوی تھیں۔ تصفیہ تقسیم تب ہی ہوتا کہ دونو سلسلوں میں باہم تطابق اور عین موافقت ہوتی۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان نبی مبعوث فرمایا۔ جس کی امت کو كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[1] کہا کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو۔ کیونکہ وہ لوگ جن کو شریعت قصہ کے رنگ میں ملی تھی وہ دماغی علوم کی کتاب و شریعت کے ماننے والوں کے کب برابر ہو سکتے ہیں۔ پہلے صرف قصص پر راضی ہو گئے۔ اور اُن کے دماغ اس قابل نہ تھے کہ حقائق و معارف کو سمجھ سکتے۔ مگر اس امت کے دماغ اعلیٰ درجہ کے تھے اسی لئے شریعت اور کتاب علوم کا خزانہ ہے جو علوم قرآن مجید لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں پائے نہیں جاتے۔ اور جیسے شریعت کے نزول کے وقت وہ اعلیٰ درجہ کے حقائق و معارف سے لبریز تھی ویسے ہی ضروری تھا کہ ترقی علوم و فنون اسی زمانہ میں ہوتا۔ بلکہ کمال انسانیت بھی اسی میں پورا ہوا۔

قرآن شریف حقیقی علوم کا جامع ہے

اس مقام پر عرب صاحب نے سوال کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر بھی یونان وغیرہ میں علوم کا چرچا تھا۔ فرمایا :-

علوم سے مراد دنیوی علوم نہیں ہے۔ اور نہ ہیں۔ ان ارضی علوم سے کچھ تعلق نہیں علومِ

[1] آل عمران : ۱۱۱

حقیقی وہی ہوتے ہیں جو انبیاء لیکر آتے ہیں۔ اور ارضی اور سفلی علوم جو دنیا کے لوگ سمجھتے ہیں۔ جیسے تار۔ ریل۔ غبارہ یا کلوں کی ایجاد وغیرہ یہ کھیلیں ہیں اور ارضی چیزیں ہیں جو جونہی انسان مر جاتا ہے اس کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہیں مگر وہ علوم جو انبیاء لے کر آتے ہیں وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ان کو کبھی فنا نہیں۔ ان علوم سے مراد خدا کے علوم ہیں (پھر اسی سلسلہ میں اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے فرمایا) یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف جو علوم لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی اور کتاب میں پائے نہیں جاتے ہیں۔ توریت میں کسی علوم کا ذکر نہیں اور انجیل میں نشان تک بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن کریم کی عظمت کے بڑے بڑے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں عظیم الشان علوم ہیں جو توریت و انجیل میں تلاش کرنے ہی عبث ہیں اور ایک چھوٹے اور بڑے درجہ کا آدمی اپنے فہم کے موافق ان سے حصہ لے سکتا ہے۔ توریت کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے متعلق ایک بھی فقرہ اس میں نہیں ہے۔ ادھر قرآن شریف کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے کیسے دلائل بھرے ہوئے ہیں۔ اور پھر عقلی اور نقلی دونو طرح کے ثبوت ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں صرف نقل ہی نقل تھی۔ پھر یہود نصاریٰ آریہ۔ برہمو۔ نیچری غرض سب فرقوں کا ردّ اس میں موجود ہے۔ غرض قرآن مجید ایک اکمل اور اتم کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دیکھا کہ خلقت میں علوم حاصل کرنے کے دماغ موجود ہو گئے ہیں تو اس نے قرآن جیسی کتاب بھیج دی۔

غرض یہ سلسلہ موسوی سلسلہ سے کسی طرح کم نہ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تو مماثلت اور مطابقت میں فرمایا کہ بدی کا حصہ بھی تم کو ویسے ہی ملے گا جیسے یہود کو ملا اور اس سلسلہ کی نسبت بار بار ذکر ہوا کہ آخر تک اس کی عظمت قائم رکھے گا۔ سورہ فاتحہ میں بھی اس کا ذکر ہے جبکہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[1] فرمایا۔ مغضوب سے مراد یہودی ہیں۔ اب قابلِ غور یہ امر ہے کہ یہودی کیسے مغضوب ہوئے۔ اُنہوں نے پیغمبروں کو نہ مانا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا انکار کیا تو ضرور تھا کہ اس امت میں بھی کوئی زمانہ ایسا ہوتا اور ایک مسیح آتا

[1] الفاتحہ : ۷

جس سے یہ لوگ انکار کرتے اور وہ مماثلت پوری ہوتی ورنہ کوئی ہم کو بتائے کہ اگر اسلام کوئی ایسا زمانہ آنے والا ہی نہ تھا اور نہ کوئی مسیح آنا تھا پھر اس دعا ر فاتحہ کی تعلیم کا کیا فائدہ تھا۔ قرآن شریف کی مختلف آیات کے جمع کرنے سے اور پھر ان پر یکجائی نظر کرنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آنے والا مسیح ضرور اس اُمت میں سے ہوگا اور حدیث بھی اس کی شرح کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ اس امت میں سے ہوگا۔

غرض اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سلسلوں میں بالکل مطابقت ہے۔ اور محمدی سلسلہ میں آنے والا خاتم الخلفاء مسیح کے رنگ پر ہوگا۔ حدیثوں میں بھی یہی آیا ہے کہ اِمامکم منکم یعنی وہ امام تم ہی میں سے ہوگا۔

مسیح موعود کس قوم سے ہوگا؟

سوال ہوا کہ مسیح کس قوم سے ہوگا؟

فرمایا۔ مہدی کی بابت تو مختلف روایات ہیں۔ مگر مسیح کی بابت نہیں لکھا کہ وہ کس قوم سے ہوگا اور یہ لُطف کی بات ہے کہ چونکہ کسی قوم کا ذکر نہیں ہے اور مسلمانوں کا خیال تھا کہ وہ اُوپر سے آنے والا ہے۔ اس لئے اس دعویٰ میں آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ افتراء سے کام لیتا۔ مہدی کاذب ہونے کے دعوے جو بہت لوگوں نے کئے اس کی وجہ یہی تھی کہ اس کی قوم کا ذکر تھا۔ جہاں جس کو گنجائش ملی۔ اس نے پاؤں جما کر دعویٰ کر دیا۔

مسیح ناصری شارح توریت اور مسیح موعود شارح قرآن ہے

پوچھا گیا کہ عیسائی لوگ توریت کو نہیں مانتے۔ انجیل کو ہی مانتے ہیں۔ فرمایا۔

انجیل میں ہرگز کوئی شریعت نہیں ہے بلکہ توریت کی شرح ہے اور عیسائی لوگ توریت کو الگ نہیں کرتے جیسے مسیح توریت کی شرح بیان کرتے تھے۔ اسی طرح ہم بھی قرآن شریف کی شرح بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ مسیحؑ۔ موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سَو

برس بعد آئے تھے۔ اسی طرح ہم بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں آئے ہیں۔

ایک شخص نے سوال کیا۔ بعض مخالف کہتے ہیں کہ ہم بھی تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[1] کہتے ہیں ہم کو یہودی اور مغضوب کیوں کہا جاتا ہے؟ فرمایا کہ یہودی بھی تو ہدایت اب تک طلب کر رہے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[2] مانگ رہے ہیں اور توریت پڑھتے ہیں پھر گمراہ کیوں ہیں۔

خلیفہ کے معنے

عرب صاحب نے خلیفہ کے معنے دریافت کئے۔ فرمایا:۔

خلیفہ کے معنے جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دور کرنے کے واسطے جو اُن کی جگہ آتے ہیں۔ انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیم میں مطابقت

مثلاً گذشتہ انبیاء میں جو خلیفے ہوئے وہ وہ تھے جو مقاصد توریت کے کھول کر بیان کیا کرتے تھے ورنہ تعلیم سب کی ایک ہی تھی۔ یہود کو جو توریت میں یہ تعلیم دی تھی کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ مگر توریت کا اس عدل سے وہ مطلب نہ تھا جو یہودی لوگ اپنی جھوٹی روائتوں اور حدیثوں کی بناء پر اصل اخلاق کو دُور کر کے ظاہری شریعت کے پیچھے لگ گئے کہ اگر ظاہر شریعت پر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ٹھہریں گے اور عفو گویا بالکل نہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اس سے خدا تعالیٰ پر حرف آتا ہے۔ کہ وہ کیوں عفو کی عادت ترک کر بیٹھا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بنی اسرائیل چار سو سال کی غلامی کی وجہ سے فرعونیوں کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے جو ظالمانہ طبیعت رکھتے تھے۔ اس لئے بہت سے مفاسد ان میں پیدا ہو گئے تھے اور چال چلن خراب ہو گیا تھا۔ اس ظالمانہ

[1] الفاتحہ : ۶

عادات کی بیخکنی کے لئے عدل کے رنگ میں یہ تعلیم ان کو دی گئی تھی مگر انہوں نے اس کو اُلٹا سمجھا ورنہ ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اخلاق کا وہ حصہ جو عفو کہلاتا ہے بالکل زائل کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بڑے سخت دل ہو گئے چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہودیوں کی سخت دلی بہت بڑھی ہوئی ہے اور وہ کئی قسم کے فسق و فجور میں مبتلا تھے اس لئے انہوں نے آکر عفو کی تعلیم دی اور اخلاق کی تجدید کی۔ یہ کہنا کہ انجیل ہی میں اخلاق بھرے ہوئے ہیں سخت غلطی ہے۔ کیا پہلے نبیوں کی کتابیں جو ستّر سے زیادہ ہیں۔ وہ سب اخلاقی تعلیم سے خالی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مسیح نے کوئی نئی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ نئی شریعت پیش کی۔ یہودی اب تک کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ لیا۔ ہمارے ہی صحیفوں سے لیا ہے۔ چنانچہ ایک یہودی نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ کون کون سے فقرے عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کی کسی کتاب سے لئے ہیں۔

غرض سچی تعلیم کی یہ نشانی ہے کہ وہ انبیاء کی تعلیم سے مشابہ ہو۔ ان کا اصول ایک ہی ہوتا ہے اور اختلاف تب ہوتا ہے کہ اصول میں ہو۔ ورنہ فروع میں اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ اختلاف نہیں کہلاتا اور اگر فروع میں اختلاف ہو بھی تو اس کی مثال ایسی ہے کہ گرمیوں میں اور کپڑا ہوتا ہے سردیوں میں اور۔ فروعات میں تبدیلیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ ایسا ہی مثلاً ایک زمانہ تھا کہ شراب جیسی خبیث چیز کو لوگ بے دھڑک پیتے تھے اور پھر وہ زمانہ آپ کا آگیا کہ اس کی بیخکنی کی جاوے۔ حضرت دانیال کو کہا گیا کہ آپ شراب پئیں تا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو جاوے اور بادشاہ وقت کا حکم ہے کہ جس کا چہرہ سُرخ نہ ہوگا۔ وہ مارا جاوے گا اس پر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ شراب پیو مگر میں ساگ پات کھاتا ہوں اور دیکھنا کہ کس کا چہرہ زیادہ سُرخ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپ آئے تو سب سے زیادہ آپ کا چہرہ سُرخ تھا۔

پوچھا گیا کہ مسیح نے اپنے شاگردوں کو شریعت کے ماننے کا کیوں حکم نہ دیا؟ فرمایا کہ

وہ خود شریعت کو مانتے تھے اور شاگردوں کو ماننے کے لئے فرمایا۔ اگر اُن کے وقت

میں شریعت منسوخ ہو گئی ہوتی تو یہ کیوں فرماتے کہ فریسی اور فقیہ جو موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں وہ جو کہیں سو کرو اور جو وہ کریں وہ نہ کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شریعت توریت کی بحال تھی اور انجیل میں بذاتِ خود کوئی شریعت نہیں تھی۔

مسیح موعود ہونے کا ذکر قرآن میں

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح موعود کے متعلق قرآن میں کہاں کہاں ذکر ہے۔ فرمایا

سورہ فاتحہ۔ سورہ نور۔ سورہ تحریم وغیرہ میں۔ سورہ فاتحہ میں تو اھدنا الصراط المستقیم[1] سورہ نور میں وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ۔[2] الآیۃ۔ اور سورہ تحریم میں جہاں مومنوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔ اُن میں فرمایا۔ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا۔[3]

مومنوں کی دو مثالیں

فرمایا:- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس میں دو قسم کی عورتوں سے مثال دی ہے اول فرعون کی بیوی سے اور ایک مریم سے پہلی مثال میں یہ بتایا ہے کہ ایک مومن اس قسم کے ہوتے ہیں جو ابھی اپنے جذبات نفس کے پنجے میں گرفتار ہوتے ہیں اور اُن کی بڑی آرزو اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ خدا ان کو اس سے نجات دے۔ یہ مومن فرعون کی بیوی کی طرح ہوتے ہیں کہ وہ بھی فرعون سے نجات چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔ لیکن جو مومن اپنے تئیں تقویٰ اور طہارت کے بڑے درجہ تک پہنچاتے ہیں اور احصان فرج کرتے ہیں تو پھر خدا تعالیٰ اُن میں عیسیٰ کی رُوح نفخ کر دیتا ہے۔ نیکی کے یہ دو مرتبے ہیں جو مومن حاصل کر سکتا ہے مگر دوسرا بہت بڑھ کر ہے کہ اس میں نفخِ رُوح ہو کر وہ عیسیٰ بن جاتا ہے یہ آیت صاف اشارہ کرتی ہے۔ کہ اس امت میں کوئی شخص مریم صفت ہوگا کہ اس میں نفخ ہو کر عیسیٰ بنا دیا جائے گا۔ اب کوئی عورت تو ایسی ہے نہیں اور نہ کسی عورت کے متعلق پیشگوئی ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ اس امت میں ایک ایسا انسان ہوگا جو پہلے اپنے تقویٰ وطہارت اور احصان اور عفت کے لحاظ سے

[1] الفاتحہ: ۶ [2] النور: ۵۶ [3] التحریم: ۱۳

صفت مریمیت سے موصوف ہوگا اور پھر اس میں نفخ ہو کر صفات عیسوی پیدا ہوں گی۔ اب اس کی کیفیت اور لطافت براہین احمدیہ سے معلوم ہو گی کہ پہلے میرا نام مریم رکھا۔ پھر اس میں رُوح صدق نفخ کر کے مجھے عیسٰی بنایا۔ مومنوں کی جو یہ دو مثالیں بیان کی ہیں۔ وہ اس آیت[1] سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔

(پھر اس کے متعلق آپ نے جو فرمایا۔ بارہا الحکم میں درج ہوا ہے۔ آخر اس لطیفہ پر اس کو ختم کر دیا کہ)

مریم صفات والے کے لئے ضرور ہے کہ وہ عیسویت کے رنگ میں تبدیل ہو جاوے۔ اگر اس آیت میں صرف مریم کا لفظ ہوتا تو بہت سے افراد ہو سکتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے احصان فرج اور نفخ رُوح کی قید لگا کر بتا دیا ہے کہ ایک ہی شخص ہو گا۔ یہ ایک استعارہ تھا۔ جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے لئے یہی وقت مقدر تھا۔ پھر عجیب تر بات یہ ہے۔ کہ مریم، نفخ رُوح اور میرا نام عیسٰی رکھنے کے الہاموں میں صرف ۹ یا ۱۰ ماہ کا فاصلہ ہے جو کہ مدت حمل ہے۔ ان تمام ترقیات کا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کو کیا خبر ہے۔ کہ کس طرح ایک بیج زمین کے اندر کیا کیا بن کر آخر کار ایک پتہ بن جاتا ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۸ تا ۱۰ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء)

[1] ۔ الحکم میں اس آیت کا ذکر رہ گیا ہے۔ مگر البدر میں اس کی تفصیل دی ہے جو درج ذیل ہے:۔

اُمت کی دو ہی قسم ہیں۔ ایک فرعون کی بیوی اور دوسرے مریم بنت عمران اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ[1]۔ ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ نفس امارہ کے تابع ہیں کہ جس راہ پر نفس نے ڈالا۔ اسی راہ پر چل پڑے اور وہ صُمٌّ بُكْمٌ[2] کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ان کی مثال بہائم کی ہے۔ اس لئے کسی مد میں نہیں آسکتے اور یہ کثرت سے ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد نفس لوامہ والے جو کہ فرعون کی بیوی (کی طرح) ہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] فاطر: ۳۳ [2] البقرۃ: ۱۹

۷؍جنوری ۱۹۰۳ء

ظاہر و باطن میں اسلام کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے

حضرت اقدس حسب دستور سیر کے لئے تشریف لائے۔ عرب صاحب نے انگریزی وضع قطع پر کچھ ذکر چھیڑا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

انسان کو جیسے باطن میں اسلام دکھانا چاہیئے۔ ویسے ہی ظاہر میں بھی دکھلانا چاہیئے۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیئے جنہوں نے آج کل علیگڈھ میں تعلیم پا کر کوٹ پتلون وغیرہ سب کچھ ہی انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے حتی کہ وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی عورتیں بھی انگریزی عورتوں کی طرح ہوں اور ویسے ہی لباس وغیرہ وہ پہنیں۔ جو شخص ایک قوم کے لباس کو پسند کرتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ اس قوم کو اور پھر ان کے دوسرے اوضاع و اطوار حتی کہ مذہب کو بھی پسند کرنے لگتا ہے۔ اسلام نے سادگی کو پسند کیا ہے اور تکلفات سے نفرت کی ہے۔

چھری کانٹے سے کھانے پر فرمایا کہ

شریعت اسلام نے چھُری سے کاٹ کر کھانے سے تو منع نہیں کیا۔ ہاں تکلف سے ایک بات یا فعل پر زور ڈالنے سے منع کیا ہے۔ اس خیال سے کہ اُس قوم سے مشابہت نہ ہو جاوے ورنہ یوں تو ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھُری سے گوشت کاٹ کر کھایا۔ اور یہ فعل اس لئے کیا کہ تا امت کو تکلیف نہ ہو۔ جائز ضرورتوں پر اس طرح کھانا جائز ہے۔ مگر بالکل اس کا پابند ہونا اور تکلف کرنا اور کھانے کے دوسرے طریقوں کو حقیر

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ

یعنی ان کو نفس ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ امارہ سے ان کو آزادی ملے یہ کم ہوتے ہیں اور پھر ان میں سے کم نفس مطمئنہ والے یعنی مریم بنت عمران جس زمانے کا وعدہ خدا نے کیا ہوا تھا ضرور تھا کہ اس میں ایک نفس مریم کی طرح ہوتا اور اس زمانے میں خدا نے فیہ ضمیر مذکر استعمال کی ہے تاکہ اشارہ اس طرف ہو کہ ایک مرد ہوگا جو صفات مریمیت حاصل کرکے عیسیٰ ہوگا۔

(البدر جلد دوم نمبر ۳ صفحہ ۲۰ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۳ء)

جانا منع ہے کیونکہ پھر آہستہ آہستہ انسان کی نوبت تتبع کی یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ وہ اُن کی طرح طہارت کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سے مراد یہی ہے کہ التزاماً ان باتوں کو نہ کرے ورنہ بعض وقت ایک جائز ضرورت کے لحاظ سے کرلینا منع نہیں ہے جیسے کہ بعض دفعہ کام کی کثرت ہوتی ہے اور بیٹھے لکھتے ہوتے ہیں تو کہدیا کرتے ہیں کہ کھانا میز پر لگا دو اور اس پر کھالیا کرتے ہیں اور صف پر بھی کھالیتے ہیں۔ چارپائی پر بھی کھالیتے ہیں۔ تو ایسی باتوں میں صرف گذارہ کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

تشبہ کے معنے اس حدیث میں یہی ہیں کہ اس لکیر کو لازم پکڑ لینا۔ ورنہ ہمارے دین کی سادگی تو ایسی شئے ہے کہ جس پر دیگر اقوام نے رشک کھایا ہے اور خواہش کی ہے۔ کہ کاش اُن کے مذہب میں ہوتی اور انگریزوں نے اس کی تعریف کی ہے اور اکثر اصول ان لوگوں نے عرب سے لے کر استعمال کئے ہیں مگر اب رسم پرستی کی خاطر وہ مجبور ہیں۔ ترک نہیں کرسکتے۔

داڑھی رکھنا اور اُسترے کا استعمال

پھر عرب صاحب نے داڑھی کی نسبت دریافت کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ انسان کے دل کا خیال ہے بعض انگریز تو داڑھی اور مونچھ سب کچھ منڈوا دیتے ہیں وہ اسے خوبصورتی خیال کرتے ہیں اور ہمیں اس سے ایسی کراہت آتی ہے کہ سامنے ہو تو کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ داڑھی کا جو طریق انبیاء اور راستبازوں نے اختیار کیا ہے وہ بہت پسندیدہ ہے۔ البتہ اگر بہت لمبی ہو جاوے تو کٹوا دینی چاہیئے۔ ایک مُشت رہے۔ خدا نے یہ ایک امتیاز مرد اور عورت کے درمیان رکھ دیا ہے۔

ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے عرض کی کہ حضور آج کل ایک کتاب پلیگ گائڈ چھپی ہے وہ کُل ڈاکٹروں کے پاس روانہ کی گئی اس میں ایک ہدایت ہے کہ ان طاعون کے ایام میں داڑھی ہرگز نہ منڈوانی چاہیئے۔ کیونکہ اگر ذرا بھی زخم ہوا۔ تو طاعونی مادہ

اس پر بہت جلد اثر کرتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اُستروں سے بھی بعض وقت زہر اور آتشک کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسلئے ہمیشہ اُسترے کے استعمال کرنے میں بہت احتیاط لازم ہے اور اُسترے کا استعمال مُنہ پر تو بہت خطرناک ہے۔ اِن غیر مناسب بال جیسا کہ بعض رخسار پر ہوتے ہیں یا داڑھی کے زوائد وغیرہ کاٹ دینے چاہئیں نہ کہ منڈوانے۔

پیشگوئی کی تفہیم میں احتیاط

پھر حضرت اقدس نے عرب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

رات کو جو آپ نے سوال کیا تھا وہ بیشک بہت ضروری تھا۔ کیونکہ ایسے ملکوں میں جہاں لوگ بہت ناواقف ہیں سمجھانے کے لئے ضرور علم چاہیئے۔

پھر اس مضمون کا مختصر خلاصہ حضور نے اعادہ فرمایا کہ جو گذشتہ شب میں ہم درج کر چکے ہیں اور اس پر یہ ایزادی فرمائی کہ

پیشگوئی کے بارے میں یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ وہ ایسی کُھلی کُھلی ہوں کہ نام لے لے کر بتلایا جاوے ورنہ پھر یہی سوال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہو سکتا ہے اور ویسے ہی ثبوت کی ضرورت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعاوی پر آپڑتی ہے۔ کیونکہ خدا نے توریت میں یہ تو ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں ایک نبی ہوگا اور پھر یہ کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ مگر یہ تشریح نہ کی کہ یہ اسمٰعیل کی نسل سے ہوگا حالانکہ یہود کا یہی خیال رہا کہ بنی اسرائیل سے ہوگا ورنہ کیا خدا تعالےٰ قادر نہ تھا کہ آپؐ کا نام آپؐ کے باپ کا نام آپؐ کے شہر کا نام سب کچھ بتلا دیتا اور کسی کو کوئی وجہ شک کی نہ رہتی۔ مگر ایسے الفاظ تھے کہ اُن سے اہل یہود نے فائدہ اُٹھا لیا۔ اور اُن کا ابھی تک یہی مذہب ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے مراد یہی

ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے ہوگا۔ دوسری جگہ جہاں اہلِ یہود نے ٹھوکر کھائی وہ الیاس والا مقدمہ ہے کہ انہوں نے یوحنا کو الیاس نہ مانا۔ غرض اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام امور پر یکجائی نظر ڈالے اور مومن اور متقی آدمی ہو تو پھر اسے ثبوت ملتا ہے کہ ایک طرف تو قرآن اور حدیث اور سابقہ کتب ہمارے ساتھ ہیں اور ایک طرف صدہا نشان جو کہ ظاہر ہو چکے ہیں اور ان میں سے ایک سو پچاس کا ذکر نزول المسیح میں ہے۔ غرض یہ سنّت اللہ ہے کہ نشانوں سے صادق شناخت کیا جاتا ہے۔

اور سچی بات یہی ہے کہ اگر وہ پھر اعتراض کریں تو حضرت عیسیٰؑ اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور صداقت کا ثبوت پیش کریں۔ پھر اس سے جو کمی رہ جائے گی وہ ہم پوری کر دیں گے یہودیوں کو دوبار حیرت کا مقام پیش آیا۔ ایک تو مسیحؑ کے وقت کہ جب انہوں نے پوچھا کہ تجھ سے پیشتر آنے والا الیاس کہاں ہے؟ تو جواب دیا کہ وہ یوحنا ہے چاہو تو قبول کرو چاہو قبول نہ کرو۔ اور دوسرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت کہ آپ بنی اسماعیل میں سے ہوئے۔

اور مسیح کو بھی دیوانہ کہا گیا تھا چنانچہ ان کا نام منکروں نے بعل زبول رکھا تھا۔ بعل کے معنے رئیس اور زبول کے معنے مکھیاں جو کہ گندگی پر بیٹھتی ہیں یعنی کل گندگیوں کا سردار یہ ان کی سخت غلطی تھی اور مخالفت کی وجہ سے اُسے کہتے تھے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور مجنون کہتے تھے۔

اس زمانہ کی خبر قرآن کریم سے

ریل وغیرہ کے ذکر پر فرمایا کہ

اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو فائدہ پہنچایا ہے کہ سفر کا بہت آرام ہے ورنہ کہاں سے کہاں ٹھوکریں کھاتا ہوا انسان ایک سے دوسرے مقام پر پہنچتا تھا۔ مدراس جہاں سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب ہیں۔ اگر کوئی جاتا تو گرمیوں میں روانہ ہوتا اور سردیوں میں پہنچتا

تھا۔ اس زمانہ کی نسبت خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ[1] کہ جب ایک اقلیم کے لوگ دوسرے اقلیم والوں کے ساتھ ملیں گے۔ *

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ[2] یعنی اس وقت خط و کتابت کے ذریعے عام ہوں گے اور کتب کثرت سے دستیاب ہوسکیں گی۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[3]۔ اس وقت اونٹنیاں بیکار ہوں گی۔ ایک زمانہ تھا کہ یہاں ہزارہا اُونٹ آیا کرتے مگر اب نام و نشان بھی نہیں اور مکہ میں بھی اب نہ رہیں گے۔ ریل کے جاری ہونے کی دیر ہے

کسوف وخسوف اور شق القمر

پھر عرب صاحب نے کسوف و خسوف رمضان کی نسبت دریافت کیا کہ اس کا ذکر آپ کی کتب میں ہے کہ نہیں؟ فرمایا کہ

یہ ایک پرانا نشان چلا آتا تھا جو اس وقت پورا ہوا ہے۔ براہین احمدیہ میں اس کا ذکر استعارہ کے طور پر ہے۔ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[4] یہ میرا الہام بھی ہے اور بعض محدثین کا مذہب یہ بھی ہے کہ شق القمر بھی ایک قسم خسوف کا تھا۔

(مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جواب دیا کہ عبداللہ ابن عباس کا یہی مذہب ہے)

اور شاہ عبدالعزیز بھی یہی کہتے ہیں اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ از قسم خسوف تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے علماء اس طرف گئے ہیں۔

طوفان نوح

نوح علیہ السلام کے طوفان کی نسبت فرمایا۔ کہ

قرآن شریف سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کُل زمین کی آبادی کو اس وقت تباہ کردیا تھا صرف نوح (علیہ السلام) کی قوم پر تباہی آئی تھی۔

* ۔ البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶؍ جنوری ۱۹۰۳ء

[1] التکویر : ۸ [2] التکویر : ۱۱ [3] التکویر : ۵ [4] القمر : ۳

ختم نبوت

ایک شخص نے سوال کیا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب مسیح ناصری کے آنے سے ختم نبوت ٹوٹتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے ختم نبوت نہیں ٹوٹتی؟ فرمایا کہ

مسیح کا یہ دعویٰ کہاں ہے کہ جس طرح ہم اپنے آپ کو امت محمدیہ میں اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فنا شدہ کہتے ہیں۔ انہوں نے بھی کہا ہو؛ وہ تو حضرت موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے والے تھے اور مماثلت کا سلسلہ چاہتا ہے کہ کوئی اَور ہی آدے وہ نہ آویں۔ مماثلت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ بالکل اس کا عین ہو۔ جیسے کسی کو شیر کہیں تو اب اس کے لئے دُم تجویز کریں۔ اور پھر گوشت کا کھانا بھی۔ خدا کے کلام میں استعارات ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کو کہا جائے کہ اس نے ایک رکابی چاولوں کی کھائی تو اس کے یہ معنے نہ ہونگے کہ وہ رکابی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا گیا۔

مماثلت میں صرف بعض پہلوؤں میں تشابہ ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ کہا کہ جیسے موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون سے چھڑایا۔ آنحضرت نے بھی اپنی قوم کو طاغوت اور بتوں سے رہائی دلوائی۔ مشابہت میں ہوبہو عین نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ تو پھر حقیقت ہوگی نہ کہ مشابہت۔

عرب صاحب نے اِدھر اُدھر غیر آبادی کو دیکھ کر عرض کی کہ یہ صرف حضور ہی کا دم ہے کہ جس کی خاطر اس قدر انبوہ ہے ورنہ اس غیر آباد جگہ میں کون اور کب آتا ہے۔ فرمایا کہ اس کی مثال مکّہ کی ہے کہ وہاں بھی عرب لوگ دُور دراز جگہوں سے جا کر مال وغیرہ لاتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ۔[1] (الآیۃ)

⁂ ⁂ ⁂

[1] قریش: ۲، ۳

ایک اعتراض کا جواب

لوگوں کے اس اعتراض پر کہ جو شخص لاوارث مرجاتا ہے اس کے وارث مرزا صاحب ہوجاتے ہیں اور اس طرح سے بہت سے مِلک املاک جمع کرتے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ والد صاحب ایسے دنیاوی کاموں میں مجھے مامور کردیا کرتے تھے اور اُن کے حکم اور رضامندی کے لئے اکثر مجھے عدالتوں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ جب سے والد صاحب فوت ہوگئے ہیں کیا کسی نے دیکھا ہے کہ ہم نے ان باتوں میں کوئی حصہ لیا ہے۔ حالانکہ ہمیں حق پہنچتا ہے کہ اگر چاہیں تو لے لیویں۔

سیرت مسیح موعود کی چند باتیں

حضور نے نماز مغرب ادا کرکے مجلس کی اور ایک دو مختلف ذکروں کے بعد میاں احمد دین صاحب از گوجرانوالہ نے عرض کی کہ اگر جناب ٹھیک ٹھیک پتہ یہاں سے روانگی کا فرمادیں تو کچھ کھانے پینے کا انتظام کرکے گوجرانوالہ پر حاضر رہوں۔

خدا کے برگزیدہ نے فرمایا کہ

ہمیں تو خدا ہی نے لے جانا ہے۔ اسی کے حکم سے جانا ہے۔ ابھی کیا معلوم کس وقت روانہ ہونا ہے۔ انسان بہت عاجز اور ہیچ ہے۔ خدا ہی کے ساتھ وہ جاتا ہے اور خدا ہی کے ساتھ آتا ہے۔

دیگر احباب نے عرض کی کہ ایک اور صاحب نے راستہ کی خوراک وغیرہ کا انتظام کرلیا ہے اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دل میں جو اخلاص ہے اس کا ثواب آپ لیویں گے۔ کیونکہ اب دعوت آپ کی طرف سے تو پیش ہوگئی۔

علالتِ طبع پر فرمایا کہ

اب دو تین دن سیر بند رہے گی۔ کیونکہ آجکل بارشیں نہیں ہوتیں۔ اس لئے راستہ میں خاک بہت اُڑتی ہے اور اسی سے میں بیمار ہو گیا تھا۔

ایک صاحب نے کہا کہ چونکہ لوگ حضور کے آگے چلتے ہیں۔ اس لئے خاک اڑ کر آپ پر پڑتی ہے۔ لیکن اس مجسمۂ رحمت انسان نے جواب دیا کہ

نہیں۔ بارش کے نہ ہونے سے یہ تکلیف ہے۔ (اللہ اللہ کیا رحم ہے اور حسن ظن ہے کہ اپنے احباب کو ہرگز ملزم نہیں ٹھہراتے)

تصنیفات کے ذکر پر فرمایا کہ

خدا تعالےٰ کی عجیب قدرت ہے کہ ہمارے مخالف ہزاروں ہی ہیں اور ان کے مقابل میں ہماری جماعت بہت قلیل ہے۔ مگر ہماری طرف سے جس قدر تازہ بتازہ کتابیں کثرت سے نکل رہی ہیں۔ ان کی طرف سے معدودے چند بھی نہیں نکلتیں اور کوئی نکلتی بھی ہے تو اس میں گالیاں ہی ہوتی ہیں جو اُن کے لئے شرم کی جگہ ہے۔

یہود اور عیسائیوں کی نسبت فرمایا کہ

وہ دونو ضدین ہیں۔ ایک نے بڑھا دیا ہے ایک نے گھٹا دیا ہے۔ ان کی مثال رافضیوں اور خارجیوں سے خوب ملتی ہے جیسے یہودی کے آگے عیسائی نہیں ٹھہرتا ایسے ہی خارجی کے آگے رافضی نہیں ٹھہرتا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۸ جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

نماز مغرب کے بعد شیخ نور احمد صاحب پلیڈر ایبٹ آباد اور سید حامد علی شاہ صاحب

بدوملی اور ایک اور صاحب نے بیعت کی۔

جماعت کیلئے ضروری نصائح اور ترقی مدارج کا طریق

بعد بیعت حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہماری جماعت کے لئے ضروری ہے کہ اس پُرآشوب زمانہ میں جبکہ ہر طرف ضلالت، غفلت اور گمراہی کی ہوا چل رہی ہے تقویٰ اختیار کریں۔ دنیا کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی عظمت نہیں ہے۔ حقوق اور وصایا کی پروا نہیں ہے۔ دنیا اور اس کے کاموں میں حد سے زیادہ انہماک ہے۔ ذرا سا نقصان دنیا کا ہوتا دیکھ کر دین کے حصہ کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ یہ سب باتیں مقدمہ بازیوں اور شرکاء کے ساتھ تقسیم حصص میں دیکھی جاتی ہیں۔ لالچ کی نیت سے ایک دوسرے سے پیش آتے ہیں۔ نفسانی جذبات کے مقابلہ میں بہت کمزور واقع ہوئے ہیں۔ اس وقت تک کہ خدا نے ان کو کمزور کر رکھا ہے گناہ کی جرأت نہیں کرتے مگر جب ذرا کمزوری رفع ہوئی اور گناہ کا موقع ملا تو جھٹ اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آج اس زمانہ میں ہر ایک جگہ تلاش کرلو۔ تو یہی پتہ ملیگا کہ گویا سچا تقویٰ اُٹھ گیا ہوا ہے اور سچا ایمان بالکل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ اُن کے سچے تقویٰ اور ایمان کا تخم ہرگز ضائع نہ کرے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب فصل بالکل تباہ ہونے پر آتی ہے تو اور فصل پیدا کر دیتا ہے۔

وہی تازہ بتازہ قرآن موجود ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کہا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1]۔ بہت سا حصہ احادیث کا بھی موجود ہے اور برکات بھی ہیں مگر دلوں میں ایمان اور عملی حالت بالکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اسی لئے مبعوث کیا ہے کہ یہ باتیں پھر پیدا ہوں۔ خدا نے جب دیکھا کہ میدان خالی ہے تو اس کی الوہیت کے تقاضا نے ہرگز پسند نہ کیا کہ یہ میدان خالی رہے اور لوگ ایسے ہی دُور رہیں اس لئے اب اُن کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ ایک نئی قوم زندوں کی پیدا کرنا چاہتا ہے اور اسی لئے ہماری تبلیغ ہے کہ تقویٰ

[1] الحجر : ۱۰

کی زندگی حاصل ہو جاوے۔

آدمی کئی قسم کے ہیں بعض ایسے کہ بدی کر کے پھر اس پر فخر کرتے ہیں۔ بھلا یہ کونسی صفت ہے جس کے اُوپر ناز کیا جاوے۔ شر سے اس طرح پرہیز کرنا نیکی میں داخل نہیں ہے۔ اور نہ اس کا نام حقیقی نیکی ہے۔ کیونکہ اس طرح تو جانور بھی سیکھ سکتے ہیں۔ میاں حسین بیگ تاجر ایک شخص تھا اس کے پاس ایک کتا تھا وہ اسے کہہ جاتا کہ روٹی کو دیکھتا رہ تو وہ روٹی کی حفاظت کرتا۔ اسی طرح ایک بلی کو سُنا ہے کہ اسے بھی ایسے ہی سکھایا ہوا تھا جب بعض لوگوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے امتحان کرنا چاہا اور ایک کوٹھڑی کے اندر حلوہ دودھ اور گوشت وغیرہ ایسی چیزیں رکھ کر جس پر بلّی کو ضرور لالچ آوے اس بلی کو چھوڑ کر دروازہ کو بند کر دیا کہ دیکھیں اب وہ ان اشیاء میں سے کھاتی ہے کہ نہیں پھر جب ایک دو دن کے بعد کھول کر دیکھا تو ہر ایک شئے اسی طرح پڑی تھی اور بلّی مری ہوئی تھی اور اس نے کسی شئے کو ہلایا تک بھی نہ تھا۔ اس لئے اب شرم کرنی چاہیئے کہ انہوں نے حیوان ہو کر انسان کا حکم ایسا مانا اور یہ انسان ہو کر خدا تعالےٰ کے حکم کو نہیں مانتا۔ نفس کو تنبیہ کرنے کے واسطے ایسی ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اور بہت سے وفادار کتے بھی موجود ہیں مگر افسوس اُس کے لئے کہ جو کُتے جتنا مرتبہ بھی نہیں رکھتا تو بتلا دے کہ پھر وہ خدا سے کیا مانگتا ہے؟ انسان کو تو خدا نے وہ قویٰ عطا کئے ہیں۔ کہ اور کسی مخلوق کو عطا نہیں کئے۔ شر سے پرہیز کرنے میں تو بہائم بھی اس کے شریک ہیں۔ بعض گھوڑوں کو دیکھا ہے کہ چابک آقا کے ہاتھ سے گر پڑی۔ تو مُنہ سے اُٹھا کر اُسے دیتے ہیں اور اس کے کہنے سے لیٹتے ہیں اور بیٹھتے ہیں اور اُٹھتے ہیں اور پُوری اطاعت کرتے ہیں تو یہ انسان کا فخر نہیں ہو سکتا کہ چند گنے ہوئے گناہ ہاتھ پاؤں وغیرہ دیگر اعضاء کے جو ہیں ان سے بچا رہے۔ جو لوگ ایسے گناہ کرتے ہیں وہ تو بہائم سیرت ہیں جیسے کُتے بلیوں کا کام ہے کہ ذرا برتن ننگا دیکھا تو منہ ڈال لیا اور کوئی کھانے کی شئے ننگی دیکھی تو کھالی۔ تو ایسے انسان کُتے بلّی کے سے ہی ہوتے

ہیں۔ انجام کار پکڑے جاتے ہیں جیلخانوں میں جاتے ہیں۔ جا کر دیکھو تو ایسے مسلمانوں سے زندان بھرے ہوئے ہیں ؎

حضرت انساں کہ حد مشترک را جامع است
مے تواند شد مسیحا مے تواند شد خرے

تو اب یہ موقع ہے اور خدا تعالےٰ کی لہروں کے دن ہیں یعنی جیسے بعض زمانہ خدا کی رحمت کا ہوتا ہے اور اس میں لوگ قوت پاتے ہیں۔ ایسے ہی یہ وقت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بالکل دنیا کے کاروبار چھوڑ دیوے بلکہ ہمارا منشا یہ ہے کہ حد اعتدال تک کوشش کرے اور دنیا کو اس نیت سے کماوے کہ دین کی خادم ہو مگر یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ اس میں ایسا انہماک ہو جاوے کہ دین کا پہلو بھول ہی جاوے نہ روزہ کی خبر ہے نہ نماز کی۔ جیسے کہ آج کل لوگوں کی حالت دیکھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر دلی کا جلسہ ہی اب دیکھ لو جہاں کہتے ہیں کہ پندرہ لاکھ آدمی جمع ہوا ہے۔ میرا تصور تو یہی ہے کہ سارے دنیا پرست ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ خدا سے نفرت دلانے والے سلاطین ہی ہیں کیونکہ یہ مثل ایک بڑی دیوی کے ہوتے ہیں جس قدر اُن کا قرب زیادہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی قلب سخت ہوتا ہے۔ ہم کسی کو تجارت سے منع نہیں کرتے کہ وہ بالکل ترک کر دیوے مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ ذرا سوچیں اور دیکھیں کہ اُن کے باپ دادا کہاں ہیں؟ بڑے بڑے عزیز انسان کے ہوا کرتے ہیں اور کس طرح وہ ان کے ہاتھوں میں ہی اُٹھ جایا کرتے ہیں اور موت کس طرح آپس میں تفرقہ ڈال دیتی ہے۔

سال دیگر را کہ مے داند حساب
تا کجا رفت آں کہ با ما بود یار

اب طاعون کی بلا سروں پر ہے کہتے ہیں کہ اس کی میعاد ستر برس ہوا کرتی ہے اور اس کے آگے کوئی حیلہ پیش نہیں جاتا۔ سب (حیلے) فضول ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی

طلب آتی ہے کہ خدا کے وجود کو منوا دیوے۔ سوائس کا وجود برحق ہے۔ اور خدا کی بلا سے سوائے خدا کے کوئی بچا نہیں سکتا۔ سچا تقویٰ اختیار کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے راضی ہو جب شریر گھوڑے کی طرح انسان ہوتا ہے تو ماریں کھاتا ہے۔ اور جو خاص لوگ ہیں وہ اشارات سے چلتے ہیں جیسے سدھا ہوا گھوڑا اشارے سے چلتا ہے اور ان کو وحی اور الہام ہوتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ وحی کے معنے اشارہ کے بھی لکھے ہیں۔ مگر جب مار کھانے کا زمانہ گذر جاتا ہے تو پھر وحی کا زمانہ آتا ہے اور یہ بات ضروری ہے کہ یہ مرحلہ سہولت سے طے نہیں پاتا۔ کیونکہ تقویٰ ایسی شئے نہیں جو کہ صرف مُنہ سے انسان کو حاصل ہو جاوے بلکہ یہ شیطانی گناہ کا کوئی حصہ دار ہے[1]۔ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ذرا سی شیرینی رکھ دیں تو بے شمار چیونٹیاں اس پر آجاتی ہیں۔ یہی حال شیطانی گناہوں کا ہے اور اسی سے انسانی کمزوری کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اگر خدا چاہتا تو ایسی کمزوری نہ رکھتا۔ مگر خدا تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا علم ہو کہ ہر ایک طاقت کا سرچشمہ خدا ہی کی ذات ہے۔ کسی نبی یا رسول کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس سے طاقت دے سکے اور یہی طاقت جب خدا کی طرف سے انسان کو ملتی ہے تو اس میں تبدیلی ہوتی ہے اس کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ دعا سے کام لیا جاوے اور نماز ہی ایک ایسی نیکی ہے جس کے بجالانے سے شیطانی کمزوری دُور ہوتی ہے اور اسی کا نام دعا ہے شیطان چاہتا ہے کہ انسان اس میں کمزور رہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس قدر اصلاح اپنی کرے گا وہ اسی ذریعہ سے کرے گا۔ پس اس کے واسطے پاک صاف ہونا شرط ہے جبتک گندگی انسان میں ہوتی ہے۔ اس وقت تک شیطان اس سے محبت کرتا ہے۔

---

[1] ۔ الحکم میں یہ عبارت یوں ہے:۔

"تقویٰ ایسی شیئ نہیں جو صرف مُنہ سے پُورا ہو جاوے بلکہ شیطان بہکاتا ہے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء)

خدا تعالیٰ سے مانگنے کے واسطے ادب کا ہونا ضروری ہے اور عقلمند جب کوئی شئے بادشاہ سے طلب کرتے ہیں تو ہمیشہ ادب کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے کہ کس طرح مانگا جاوے اور اس میں سکھایا ہے کہ الحمد للہ رب العلمین[1] یعنی سب تعریف خدا کو ہی ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔ الرحمٰن[2] یعنی بلا مانگے اور سوال کئے کے دینے والا۔ الرحیم[2] یعنی انسان کی سچی محنت پر ثمرات حسنہ مرتب کرنے والا ہے۔ مالک یوم الدین[3] جزا سزا اسی کے ہاتھ میں ہے چاہے رکھے چاہے مارے۔ اور جزا سزا آخرت کی بھی اور اس دنیا کی بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے جب اس قدر تعریف انسان کرتا ہے تو اسے خیال آتا ہے کہ کتنا بڑا خدا ہے جو کہ رب ہے۔ رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ اسے غائب مانتا چلا آرہا ہے۔ اور پھر اسے حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین. اھدنا الصراط المستقیم[4] یعنی ایسی راہ جو کہ بالکل سیدھی ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے ایک راہ اندھوں کی ہوتی ہے کہ محنتیں کر کر کے تھک جاتے ہیں اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا اور ایک وہ راہ کہ محنت کرنے سے اس پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ پھر آگے صراط الذین انعمت علیھم[5] یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا اور وہ وہی صراط مستقیم ہے جس پر چلنے سے انعام مرتب ہوتے ہیں۔ پھر غیر المغضوب علیھم[5] نہ ان لوگوں کی جن پر تیرا غضب ہوا۔ اور ولا الضالین[6] اور نہ ان کی جو دُور جا پڑے ہیں۔ اِھدِنا الصراط المستقیم سے کل دنیا اور دین کے کاموں کی راہ مراد ہے۔ مثلاً ایک طبیب جب کسی کا علاج کرتا ہے۔ تو جب تک اُسے ایک صراط مستقیم ہاتھ نہ آوے۔ علاج نہیں کرسکتا۔ اسی طرح تمام وکیلوں اور ہر پیشہ اور علم کی ایک صراط مستقیم ہے۔ کہ جب وہ ہاتھ آجاتی ہے تو پھر کام آسانی سے ہوجاتا ہے۔ اس مقام پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ انبیاء کو اس دعا کی کیوں ضرورت تھی وہ تو پیشتر ہی سے صراط مستقیم پر ہوتے

[1] الفاتحہ: ۲ [2] الفاتحہ: ۳ [3] الفاتحہ: ۴ [4] الفاتحہ ۵، ۶ [5] الفاتحہ: ۷ [6] الفاتحہ: ۱

ہیں۔ تلمیذ الرحمٰن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

وہ یہ دعا ترقی مراتب اور درجات کے لئے کرتے ہیں بلکہ یہ اھدنا الصراط المستقیم[1] تو آخرت میں مومن بھی مانگیں گے کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے اسی طرح اس کے درجات اور مراتب کی ترقی کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔[+]

(پھر اصل مضمون تقویٰ پر فرمایا) کہ

متقی بننے کے واسطے یہ ضروری ہے۔ کہ بعد اس کے کہ موٹی باتوں جیسے زنا، چوری، تلفِ حقوق، ریا، عُجب، حقارت، بخل کے ترک میں پکا ہو تو اخلاق رذیلہ سے پرہیز کر کے اُن کے بالمقابل اخلاق فاضلہ میں ترقی کرے۔ لوگوں سے مروّت، خوش خلقی، ہمدردی سے پیش آوے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچی وفا اور صدق دکھلاوے۔ خدمات کے مقام محمود تلاش کرے۔ ان باتوں سے انسان متقی کہلاتا ہے اور جو لوگ ان باتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ وہی اصل متقی ہوتے ہیں (یعنی اگر ایک ایک خلق فرداً فرداً کسی میں ہوں تو اُسے متقی نہ کہیں گے جب تک بحیثیت مجموعی اخلاق فاضلہ اس میں نہ ہوں) اور ایسے ہی شخصوں کے لئے لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ[2] ہے۔ اور اس کے بعد ان کو کیا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کا متولی ہوجاتا ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے۔ وھو یتولی الصالحین[3]۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ہاتھ ہوجاتا ہے جس سے وہ پکڑتے ہیں۔ اُن کی آنکھ ہوجاتا ہے جس سے وہ دیکھتے ہیں۔ اُن کے کان ہوجاتا ہے جن سے وہ سُنتے ہیں۔ اُن کے پاؤں ہوجاتا ہے جن سے وہ چلتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ جو میرے ولی کی

[+] الحکم میں یہ عبارت یُوں ہے :۔

"چونکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے اس کے فیضان و فضل بھی غیر منقطع ہیں۔ اس لئے وہ ان غیر محدود فضلوں کے حاصل کرنے کے لئے اس دعا کو مانگتے تھے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۱۲ کالم ۲ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء)

[1] الفاتحہ : ۶ [2] البقرۃ : ۶۳ [3] الاعراف : ۱۹۷

۱۹۰۴ دشمنی کرتا ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ میرے مقابلہ کے لئے تیار رہو۔ ایک جگہ فرمایا ہے کہ جب کوئی خدا کے ولی پر حملہ کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اس پر ایسے جھپٹ کر آتا ہے جیسے ایک شیرنی سے کوئی اس کا بچہ چھینے تو وہ غضب سے جھپٹتی ہے۔

خدا کی رحمت کے سرچشمہ سے فائدہ اُٹھانے کا اصل قاعدہ یہی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ خاصہ ہے کہ جیسے اس انسان کا قدم بڑھتا ہے ویسے ہی پھر خدا کا قدم بڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہر ایک کے ساتھ نہیں ہوتیں۔ اور اسی لئے جن پر یہ ہوتی ہیں۔ ان کے لئے وہ نشان بولی جاتی ہیں۔ (اس کی نظیر دیکھ لو کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر اُن کے دشمنوں نے کیا کیا کوششیں آپ کی ناکامیابی کے واسطے کیں مگر ایک پیش نہ گئی حتیٰ کہ قتل کے منصوبے کئے۔ مگر آخر ناکامیاب ہی ہوئے۔ خدا تعالیٰ یہ تجویز پیش کرتا ہے (اس خاص رحمت کے حصول کے واسطے جو اخلاق وغیرہ حاصل کئے جاویں) ان امروں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاوے نہ کہ ہمارے سامنے۔ اپنے دلوں میں خدا تعالےٰ کی محبت اور عظمت کا سلسلہ جاری رکھیں اور اس کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی شئے نہیں ہے۔ کیونکہ روزے تو ایک سال کے بعد آتے ہیں۔ اور زکوٰۃ صاحب مال کو دینی پڑتی ہے۔ مگر نماز ہے کہ ہر ایک حیثیت کے آدمی کو) پانچوں وقت ادا کرنی پڑتی ہے اسے ہرگز ضائع نہ کریں۔ اسے بار بار پڑھو اور اس خیال سے پڑھو کہ میں ایسی طاقت والے کے سامنے کھڑا ہوں کہ اگر اس کا ارادہ ہو تو ابھی قبول کر لیوے۔ اسی حالت میں بلکہ اسی ساعت میں بلکہ اسی سیکنڈ میں۔ کیونکہ دوسرے دنیوی حاکم تو خزانوں کے محتاج ہیں۔ اور اُن کو فکر ہوتی ہے کہ خزانہ خالی نہ ہو جاوے اور ناداری کا اُن کو فکر لگا رہتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کا خزانہ ہر وقت بھرا بھرایا ہے۔ جب اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو صرف یقین کی حاجت ہوتی ہے۔ اُسے اس امر پر یقین ہو کہ میں ایک سمیع علیم اور خبیر اور قادر ہستی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں اگر اُسے مہر آجاوے تو ابھی دیدیوے۔ بڑی تضرع

سے دعا کرے۔ نا امید اور بدظن ہرگز نہ ہووے اور اگر اسی طرح کرے تو (اس راحت کو) جلدی دیکھ لیگا۔ اور خدا تعالیٰ کے اور اور فضل بھی شامل حال ہوں گے اور خود خدا بھی ملیگا تو یہ طریق ہے جس پر کاربند ہونا چاہیئے۔ مگر ظالم فاسق کی دُعا قبول نہیں ہوا کرتی کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے لاپرواہ ہے۔ ایک بیٹا اگر باپ کی پروانہ کرے اور ناخلف ہو تو باپ کو اس کی پروا نہیں ہوتی تو خدا کو کیوں ہو۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ بلعم باعور کی دعا کیوں قبول ہوئی تھی؟ فرمایا۔

یہ ابتلا تھا دعا نہ تھی آخر وہ مارا ہی گیا۔ دعا وہ ہوتی ہے جو خدا کے پیارے کرتے ہیں ورنہ یوں تو خدا تعالیٰ ہندوؤں کی بھی سُنتا ہے اور بعض اُن کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کا نام ابتلا ہے دُعا نہیں۔ مثلاً اگر خدا سے کوئی روٹی مانگے تو کیا نہ دے گا؟ اس کا وعدہ ہے۔ مامن دابۃٍ فی الارضِ اِلّا علی اللّٰہِ رزقھا۔[1] کُتّے بلّی بھی تو اکثر پیٹ پالتے ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں کو بھی رزق ملتا ہے مگر اصطفینا کا لفظ خاص موقعوں کے لئے ہے۔

یہاں تک تقریر حضرت اقدس نے مبائعین کے واسطے کی جن میں سے ایک تو شیخ نور احمد صاحب پلیڈر اور دوسرے حامد علی شاہ صاحب بدوملی تھے۔

اس کے بعد حضور انور نے پھر ابو سعید عرب صاحب کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ

آپ نے جو ثبوت مسیحیت کے دعویٰ کے بارے میں پوچھا تھا۔ یہ بہت ضروری بات تھی اور اس کو خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر آپ سے کوئی ان ممالک (ملک برما) میں پوچھے کہ ہماری صداقت کا کیا ثبوت ہے تو مختصر طور پر یہی جواب دینا چاہیئے کہ وہی ثبوت ہے جو کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا ہے تمام انبیاء کی صداقت کے دو ہی ثبوت ہوتے ہیں۔ اول۔ کتب سابقہ میں ان کا ذکر مگر وہ استعارہ کے رنگ میں ضرور ہوتا ہے اور اس میں ایک پہلو ٹھوکر کا بھی ہوتا ہے۔ جیسے یہود

[1] ھود: ۷

کو دھوکا لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بنی اسرائیل میں سے آنا چاہیئے تھا۔ بنی اسمٰعیل میں سے کیوں ہوئے۔ اور پھر اسی طرح مسیحؑ کے وقت الیاس کے منتظر رہے۔ ان معاملوں میں اب تک جھگڑتے ہیں یہ سب ان کی بکواس ہے۔

اسی طرح ہمارا ذکر کتب سابقہ میں ہے۔ اگر کوئی ہم سے بھی اسی طرح بکواس سے جھگڑا کرے تو انہیں میں سے ہوگا۔

دوسرا ثبوت نشانات ہیں جس سے بہت صفائی سے استنباط ہوتا ہے وہی ثبوت ہمارے ساتھ بھی ہیں اور جس قاعدہ سے خدا تعالیٰ نے یہ نشانات دکھلائے ہیں اگر اسی طرح شمار کریں تو یہ بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یاتون من کل فج عمیق اور یاتیك من کلِّ فج عمیق کی تحت میں آکر ہر ایک شخص جو ہمارے پاس آتا ہے ہر ایک ہدیہ اور نذر جو پیش ہوتی ہے ایک ایک نشان الگ الگ ہے مگر ہم نے صرف ایک سو پچاس نشان نزول المسیح میں درج کئے ہیں جن کے ہزارہا گواہ موجود ہیں۔ پھر دیکھو یہ کس وقت کی خبر ہے۔ قرآن کے نصوص، حدیث کی اخبار اور مکاشفات اور رویاء وغیرہ سب ہماری تائید میں ہیں۔ پھر اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کے نشانات۔ پھر زمانہ کی موجودہ ضرورت، یہ سب ثبوت پیش کرنے کے قابل ہیں۔ اس وقت خدا تعالےٰ کا منشاء ہے کہ لوگوں کو غلطیوں سے نکالے اور تقویٰ پر قائم کرے۔ خدا تعالیٰ جس کو چاہیگا بُلاتا جاوے گا۔ یہ اس کی طرف سے ایک دعوت ہے جو بلایا جاتا ہے۔ اُسے فرشتے کھینچ کھینچ کر لے آتے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ تا ۲۹ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۳ء)

۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء

مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان آنا

عصر کے وقت خدا تعالٰے کے برگزیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر ہوئی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری قادیان آئے ہوئے ہیں مگر آپ نے اُس کے متعلق صرف یہی فرمایا کہ ہزاروں لوگ راہ پر آتے ہیں ہمیں اُس سے کیا؟

مغرب کی نماز باجماعت ادا کر کے جب حضرت اقدس دولت سرا کو تشریف لے چلے تو ایک شخص نے ہاتھ میں قلم دوات لئے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں کچھ کاغذات پیش کئے۔ اس قلم دوات سے اس کی یہ غرض تھی کہ حضرت سے رقعہ کی رسید لے مگر حضرت نے توجہ نہ کی اور اس کے وہ کاغذات لے کر تشریف لے گئے اور جب عشاء کی نماز کے واسطے تشریف لائے تو فرمایا کہ

ایک ہی مضمون کے دو رقعے مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے پہنچے ہیں۔ معلوم دو رقعوں کی کیا غرض تھی۔

اس وقت یہ عقدہ حل ہوا کہ غالباً دوسرا رقعہ دستخط یعنی رسید رقعہ لینے کی غرض سے تھا۔ مگر قاصد کو رسید مانگنے کی جراُت نہ ہوئی اور وہ رقعہ اس وقت سید سرور شاہ صاحب کے حوالہ کیا گیا کہ وہ اسے پڑھ کر اہل مجلس کو سُنا دیویں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہم تیار ہیں وہ ہفتہ عشرہ آرام سے سب باتیں سُنے اور اگر اس کا منشاء مباحثہ کا ہو تو یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ اب مدت ہوئی کہ ہم مباحثات کو بند کر چکے ہیں۔ اگر اس کو طلب حق کی ضرورت ہے تو وہ رفق اور آہستگی سے اپنی غلطی دُور کروائے۔ طالبِ حق کے لئے ہمارا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ہاں جو شخص ایک منٹ رہ کر چلا جانا چاہتا ہے اور آگے فتح اور شکست اور ہار اور جیت کا خیال ہے وہ مستفید نہیں ہو سکتا بجز ایسے شخص

کے جو نیک نیت بن کر آوے ہم تو دوسرے کے ساتھ کلام کرنا بھی تضیع اوقات خیال کرتے ہیں ہمیں تعجب ہے کہ وہ کیوں کمہار کے ہاں جاکر اُترے۔ چاہیئے تھا کہ مستفیدوں کی طرح آتا اور ہمارے مہمان خانہ میں اُترتا۔

پھر فرمایا۔ ہم اس رقعہ کا صبح کو جواب دیں گے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نماز سے فارغ ہو کر تشریف لے چلے تو ثناء اللہ صاحب کے قاصد نے آواز دی کہ حضرت جی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کا کیا جواب ہے حضرت نے فرمایا کہ صبح کو دیا جائے گا۔

قاصد نے کہا کہ میں آکر جواب لے جاؤں یا آپ بذریعہ ڈاک روانہ کریں گے۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ خواہ تم آکر لے جاؤ خواہ ثناء اللہ آکر لے جاوے۔

پھر آپ نے قاصد کا نام پوچھا۔ اس نے کہا محمد صدیق۔

(البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء)

۱۱ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز یکشنبہ

مولوی ثناء اللہ کے رقعہ کا جواب

فجر کی نماز کو جب حضرت اقدس تشریف لائے تو قبل از نماز آپ نے وہ رقعہ جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ احباب کو سنایا۔ وہ رقعہ یہ تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

از طرف عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ و اید۔

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب

آپ کا رقعہ پہنچا۔ اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو۔ کہ اپنے شکوک و شبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا اُن کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی

جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہوں، رفع کرادیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگرچہ میں کئی سال ہوئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کرچکا ہوں کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہ کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ نہیں ہوا مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ تو کردیا ہے کہ طالبِ حق ہوں مگر مجھے تامّل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ایک بات کو کشاں کشاں بے ہودہ اور مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کرچکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دُور ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسیٰؑ پر یا حضرت موسیٰؑ پر یا حضرت یونسؑ پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن شریف کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے۔ پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا۔ اعتراض کے لئے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری یہ شرط ہوگی، کہ ایک دن میں صرف ایک ہی آپ اعتراض پیش کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے۔ چوروں کی طرح آ گئے۔ اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں کرسکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ واعظ کی طرح ہم سے گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا۔ جیسے صُمٌّ بُکمٌ۔ یہ اس لئے کہ تا گفتگو

مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جاوے۔ اور صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ میں تین گھنٹہ تک اس کا جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جاوے گا۔ کہ اگر ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سُنادیں ہم خود پڑھ لیں گے۔ مگر چاہیئے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ ہرج نہیں ہے کیونکہ آپ تو شبہات دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں باآواز بلند لوگوں کو سُنا دوں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اس طرح تمام وساوس دور کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقع دیا جاوے تو ہرگز نہ ہوگا۔ ۱۴؍ جنوری ۱۹۰۳ء تک میں اس جگہ ہوں۔ بعد میں ۱۵؍ جنوری کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤں گا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے۔ لیکن ۱۴؍ جنوری تک آپ کے لئے تین گھنٹے تک خرچ کر سکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیویں تو یہ ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے خود خدا تعالیٰ فیصلہ کریگا والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ بذریعہ تحریر جو سطر دو سطر سے زیادہ نہ ہو ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شُبہ پیش کرتے جاویں گے اور میں وہ وسوسہ دور کرتا جاؤں گا۔ ایسے ہی صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسہ دور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرے گا۔ اس کو وساوس دور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے اُن کی تو نیتیں ہی اور ہوتی ہیں۔"

میرزا غلام احمد [مہر]

اور فرمایا کہ

یہ طریق بہت امن کا ہے۔ اگر یہ نہ کیا جاوے تو بدامنی اور بدنتیجہ کا اندیشہ ہے۔

پھر فرمایا کہ

ابھی فجر کو میں نے ایک خواب دیکھا۔

رؤیا

کہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ اس کے ایک طرف کچھ اشتہار ہے اور دوسری طرف ہماری طرف سے کچھ لکھا ہوا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

بقیۃ الطّاعون

اس کے بعد فجر کی نماز ہوئی تو حضرت اقدس نے قلم دوات طلب فرمائی اور فرمایا کہ تھوڑا سا اور اس رقعہ پر لکھنا ہے۔

اتنے میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے قاصد پھر آموجود ہوئے اور جواب طلب کیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ابھی لکھ کر دیا جاتا ہے۔

پھر بقیہ حصہ آپ نے لکھ کر اپنے خدام کے حوالہ کیا کہ اس کی نقل کر کے روانہ کردو۔ وہ حصہ رقعہ کا یہ ہے۔

"بالآخر اس غرض کے لئے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں تو قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں۔

دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں (۱) اول چونکہ میں انجام آتھم میں خدا سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے قطعی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقعہ دیا جاوے گا کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیشگوئی پر ہو ایک سطر یا دو سطر یا حد تین سطر تک لکھ کر پیش

کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیشگوئی پُوری نہ ہوئی اور منہاج نبوت کی رُو سے قابلِ اعتراض ہے اور پھر چُپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دُوں گا جیسا کہ مفصّل لکھ چکا ہوں۔ پھر دُوسرے دن دوسری پیشگوئی اسی طرح لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی زبانی بات نہیں سُنوں گا اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ کوئی کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جاویں اور ناحق فتنہ و فساد میں عُمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونو قسموں سے جو شخص اعراض کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہو اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ آمین۔ سو میں دیکھوں گا کہ آپ سُنّت نبویہ کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں اور چاہیئے کہ اول آپ اس عہد موکّد قسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھ کر بھیجدیں اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا۔ اور آپ کو بتلایا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دیئے جاویں گے۔"

رقعہ دے کر آپ تشریف لے گئے اور اندر سے حضور نے کہلا بھیجا کہ رقعہ وہاں اُن کو جا کر سُنا دیا جاوے اور پھر اُن کے حوالہ کیا جاوے۔

چنانچہ یہ رقعہ مولوی ثناءاللہ صاحب کو پہنچا دیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد پھر مولوی ثناءاللہ صاحب کی طرف سے جواب الجواب آیا۔[1]

یہ نامعقول اور اصل بحث سے بالکل دُور جواب سُنکر حضرت اقدس کو بہت رنج

[1] - البدر جلد اول نمبر ۱۲- مورخہ ۱۶؍ جنوری ۱۹۰۳ء

ہوا اور آپ نے فرمایا کہ

ہم نے جو اسے خدا کی قسم دی تھی اس سے فائدہ اُٹھاتا یہ نظر نہیں آتا۔ اب خدا کی لعنت لے کر واپس جانا چاہتا ہے۔ جس بات کو ہم بار بار لکھتے ہیں کہ ہم مباحثہ نہیں کرتے جیساکہ ہم انجام آتھم میں اپنا عہد دُنیا میں شائع کر چکے ہیں۔ تو اب اس کا منشا ہے کہ ہم خدا کے اس عہد کو توڑ دیں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اور پھر اس رقعہ میں کس قدر افترا سے کام لیا گیا ہے کیونکہ جب ہم اُسے اجازت دیتے ہیں کہ ہر ایک گھنٹہ کے بعد وہ دو تین سطریں ہماری تقریر پر اپنے شبہات کی لکھ دیوے تو اس طرح سے خواہ اس کی دن میں تیس سطور ہو جاویں ہم کب گریز کرتے ہیں اور خواہ ایک ہی پیشگوئی پر وہ ہم سے دس دن تک سُنتا رہتا اور اپنے وساوس اس طرز سے پیش کرتا رہتا۔ اُسے اختیار تھا۔ پھر ایک دوسرا جھوٹ یہ بولا ہے۔ کہ لکھتا ہے کہ آپ مجمع پسند نہیں کرتے بھلا ہم نے کب لکھا ہے کہ ہم مجمع پسند نہیں کرتے بلکہ ہم تو عام جلسہ چاہتے ہیں۔ کہ تمام قادیان کے لوگ اور دوسرے بھی جس قدر ہوں جمع ہوں تاکہ ان لوگوں کی بے ایمانی کھلے کہ کس طرح یہ لوگوں کو فریب دے رہے ہیں۔ اگر اسے حق کی طلب ہوتی تو اسے ہمارے شرائط ماننے میں کیا عذر تھا مگر یہ بدنصیب واپس جاتا نظر آتا ہے۔

پھر مولوی محمد احسن صاحب کو حضور انور نے فرمایا کہ

آپ اس کا جواب لکھ دیں مجھے فرصت نہیں۔ میں کتاب لکھ رہا ہوں۔

یہ کہہ کر حضور تشریف لے گئے اور مولوی محمد احسن صاحب نے رقعہ کا جواب تحریر فرمایا اس کے بعد کوئی جواب مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے نہ آیا۔ اور وہ قادیان سے چلے گئے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۲۳، ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

۱۲؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

اللہ تعالیٰ کے راستے میں دینے کا ایک طریق

ظہر کے وقت ایک شخص نے حضرت اقدس سے عرض کی کہ میرے پاس کچھ زمین ہے۔ مگر ایک عرصہ سے اس کی آبادی کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوتی اس لئے اب ارادہ ہے کہ اُسے خدا کے نام پر احمدیہ مشن کی خدمت میں وقف کر دُوں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس میں آبادی کر دے اور وہ دین کی راہ میں کام آوے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ کی نیت کا ثواب تو خدا تعالیٰ آپ کو دے گا لیکن آپ خود وہاں جا کر آبادی کریں اور اخراجات کاشت وغیرہ نکال کر پھر جو کچھ اس میں سے بچا کرے وہ اللہ کے نام پر اس سلسلہ میں دے دیا کریں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۹ مورخہ ۱۳؍فروری ۱۹۰۳ء)

۱۳؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز سہ شنبہ

نماز فجر کے وقت

الٰہی جماعتوں سے مُرتد ہوتے رہے

ابو سعید عرب صاحب نے عرض کی کہ چونکہ جناب نے جمعرات کو روانہ ہونا ہے۔ اور آدمی زیادہ ہوں گے اس لئے ریلوے کروں کو ریزرو کروا لینے سے آرام ہوگا۔

حضرت صاحب نے فرمایا کہ

ہاں۔یہ امر مناسب ہے کہ تکلیف نہ ہو۔

خاکسار ایڈیٹر نے مولوی جلال دین صاحب سید والہ کی طرف سے عرض کی کہ ایک حافظ نے اُن کو بُلا کر بہت ناجائز دھمکیاں دی ہیں۔ اور کچھ آدمی جو بیعت میں داخل تھے ان کو بہکا

کہ بیعت سے توبہ کروائی ہے۔ مولوی صاحب نے درخواست کی ہے کہ دعا کی جائے کہ خدا ان کو نیچا دکھاوے۔

فرمایا۔ مرتد ہونا یہ بھی ایک سنّت اللہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی مرتد ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی مرتد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کا تو ارتداد ہی عجیب ہے۔

خدا کا وعدہ ہے کہ اگر ایک جائے گا تو وہ اس کے بدلے میں ایک جماعت دے دیگا۔

چونکہ آج کل رات دن ایک عربی کتاب[۱] برائے تبلیغ زیر طبع ہے۔ پروف کی صحت اور اس کے پروف وغیرہ دیکھے جانے میں صرف اس لئے کمال احتیاط سے کام لیا جاتا ہے کہ فرقہ مولویوں نے اب ہر قسم کی بددیانتی غلط بیانی کو حضرت میرزا صاحب کے مقابلے میں جائز رکھا ہوا ہے۔ پروف کی صحت پر فرمایا کہ

ان لوگوں کو کیا علم ہے کہ ہم کس طرح راتوں کو کام کر کر کے کتابیں چھپواتے ہیں اور پھر اگر پریس مین کی ذرا سی غلطی رہ جاوے تو ان لوگوں کو اعتراض کا موقعہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ خود محمد حسین نے میرے سامنے ایک دفعہ اشاعت السُّنّة کی چھپوائی پر اعتراف کیا کہ ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی حالت مسخ شدہ ہے کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

کمرہ گرم کرنے کے متعلق ہدایت

حضرت اقدس نے ظہر کے وقت سید فضل شاہ صاحب کو یہ فرمایا کہ

آپ کا کمرہ بہت تاریک رہتا ہے اور اس میں نم بھی بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

---

[۱] یعنی مواہب الرحمٰن۔ مرتب۔

آجکل وبائی دن ہیں۔ رعایت اسباب کے لحاظ سے ضروری ہے کہ وہاں آگ وغیرہ جلا کر مکان گرم کر لیا کریں۔

کتاب مواہب الرحمٰن[1]

مغرب کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو کتاب زیرطبع کی نسبت فرمایا کہ

امید ہے کہ یہ معجزہ کی طرح پھرے گی اور دلوں میں داخل ہوگی۔ اول و آخر کے سب مسائل اس میں آگئے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے۔ دیر کا باعث ایک یہ ہو جاتا ہے کہ لغات جو دل میں آتے ہیں پھر اُن کو کتب لغت میں دیکھنا پڑتا ہے۔ میرا دل اس وقت گواہی دیتا ہے کہ اندر فرشتہ بول رہا ہے۔ جب مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہوں گے تو ان کا بھی ایسا ہی حال ہوگا کیونکہ وہ بھی ہماری تائید میں ہی ہے۔ رات آدھی رات جب تک مضمون ختم نہ ہولے۔ جاگتا رہوں گا

(البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۹ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء بروز چہار شنبہ

فجر کے وقت فرمایا کہ

میں کتاب تو ختم کر چکا ہوں۔ رات آدھی رات تک بیٹھا رہا۔ نیت تو ساری رات کی تھی مگر کام جلدی ہی ہوگیا۔ اس لئے سو رہا۔ اس کا نام مواہب الرحمٰن رکھا ہے۔

ایک سقہ کی وفات اور اس پر الہام کا انطباق

ایک سقہ جو کہ حضرت اقدس کے ہاں پانی بھرا کرتا تھا وہ ایک ناگہانی موت سے مرگیا۔

---

[1] یعنی مواہب الرحمٰن ۔ مرتب

اور اسی دن اس کی شادی تھی۔ اس کی موت پر آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال آیا کہ قُتِلَ خَیْبَۃً وَزِیْدَ ھَیْبَۃً جو وحی ہوئی تھی وہ اسی کی طرف اشارہ ہے

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

۱۵ جنوری ۱۹۰۳ء

خدا کے کام کے لئے جاگنا جہاد ہے

فجر کے وقت فرمایا کہ

رات تین بجے تک جاگتا رہا تو کاپیاں اور پروف صحیح ہوئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت علیل تھی وہ بھی جاگتے رہے۔ وہ اس وقت تشریف نہیں لا سکیں گے۔ یہ بھی ایک جہاد ہی تھا۔ رات کو انسان کو جاگنے کا اتفاق تو ہوا کرتا ہے مگر کیا خوش وہ وقت ہے جو خدا کے کام میں گذارے۔ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ وہ جب مرنے لگے تو روتے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ کیا موت کے خوف سے روتے ہو تو کہا موت کا کوئی خوف نہیں مگر یہ افسوس ہے کہ یہ وقت جہاد کا نہیں ہے۔ جب میں جہاد کیا کرتا تھا۔ اگر اس وقت یہ موقعہ ہوتا۔ تو کیا خوب تھا۔

فرمایا کہ

میرے اعضاء تو بے شک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ کام کئے جاؤ۔

مولوی ثناء اللہ کا ذکر

بابو شاہ دین صاحب نے ثناء اللہ کے آنے کا ذکر کیا تو فرمایا کہ

آخر لعنت لے کر چلا گیا اور جو منصوبہ وہ گھڑ کے لایا تھا۔ اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی

ہم نے اس کا ذکر اور جواب وغیرہ اس عربی کتاب میں کر دیا ہے۔ اب جہلم سے واپس آکر بشرطِ فرصت اُردو میں لکھیں گے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ جنوری ۱۹۰۳ء[1] کو

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوقت سیر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی (ایڈیٹر الحکم)

دعا اور اُس کے آداب

دعا بڑی عجیب چیز ہے مگر افسوس یہ ہے کہ نہ دُعا کرانے والے آدابِ دُعا سے واقف ہیں اور نہ اس زمانہ میں دُعا کرنے والے ان طریقوں سے واقف ہیں جو قبولیتِ دُعا کے

---

[1] ایڈیٹر صاحب الحکم کو "۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء" کی تاریخ لکھنے میں سہو ہوا ہے یا کاتب کی غلطی سے یہ تاریخ لکھی گئی ہے۔ دراصل حضور علیہ السلام کی یہ تقریر جو حضور نے سیر کے دوران فرمائی کسی اور گذشتہ تاریخ کی ہے۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کی نہیں۔ "الحکم" اور "البدر" دونوں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ۸ر جنوری سے ۲۷ر جنوری ۱۹۰۳ء تک سیر ملتوی رہی۔ "الحکم" میں ۸ر جنوری کی سیر کی جو ڈائری چھپی ہے۔ اس میں تو ذکر نہیں۔ لیکن البدر میں سیر کی ڈائری میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ "اب دو تین دن سیر بند رہے گی کیونکہ آج کل بارشیں نہیں ہوئیں۔ اس لئے راستہ میں خاک بہت اُڑتی ہے اور اسی سے میں بیمار ہو گیا تھا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۹ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء) اس کے بعد ۲۴ر جنوری کو مغرب کے بعد جب حضور علیہ السلام مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ تو فرمایا "اب بارش ہونے کی وجہ سے گرد و غبار کم ہو گیا ہے ایک دو دن ذرا باہر ہو آویں" (یعنی سیر کو جایا کریں)۔ (البدر جلد دوم نمبر ۵ صفحہ ۳۶ مورخہ ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء) اس سے معلوم ہو گیا کہ اس عرصہ میں حضور علیہ السلام سیر کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ "الحکم" اور "البدر" دونوں میں اس عرصہ میں سیر کا کوئی ذکر نہیں اور نہ

ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ دعا کی حقیقت ہی سے بالکل اجنبیت ہو گئی ہے۔ بعض ایسے ہیں جو سرے سے دُعا کے منکر ہیں اور جو دعا کے منکر تو نہیں مگر اُن کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ چونکہ ان کی دعائیں بوجہ آدابِ دعا سے ناواقفیت کے قبول نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ دعا اپنے اصلی معنوں میں دعا ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے وہ منکرین دعا سے بھی گری ہوئی حالت میں ہیں۔ اُن کی عملی حالت نے دوسروں کو دہریت کے قریب پہنچا دیا ہے۔ دعا کے لئے سب سے اول اس امر کی ضرورت ہے کہ دعا کرنے والا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو جاوے۔ اور اللہ تعالےٰ پر یہ سُوءِ ظن نہ کر بیٹھے کہ اب کچھ بھی نہیں ہو گا۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس قدر دعا کی گئی کہ جب مقصد کا شگوفہ سرسبز ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ دعا کرنیوالے تھک گئے ہیں جس کا نتیجہ ناکامی اور نامرادی ہو گیا ہے۔ اور اس نامرادی نے یہاں تک بُرا اثر پہنچایا کہ دعا کی تاثیرات کا انکار شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اس درجہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ پھر خدا کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ اگر خدا ہوتا اور وہ دعاؤں

سیر کی کوئی ڈائری ہے۔ حالانکہ باقی اوقات کی ڈائریاں ان ایام کی موجود ہیں۔

نیز ان ایام میں حضور علیہ السلام کتاب "مواہب الرحمٰن" کی تصنیف میں بیحد مصروف تھے۔ ۱۴؍جنوری کو فجر کی نماز کے وقت حضور نے فرمایا "میں کتاب تو ختم کر چکا ہوں۔ رات آدھی رات تک بیٹھا رہا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴) اور ۱۵؍جنوری کو فجر کی نماز کے وقت تشریف لائے تو فرمایا "رات تین بجے تک جاگتا رہا تو کاپیاں اور پروف صحیح ہوئے۔" اور پھر فرمایا کہ "میرے انصار تو بیشک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا" (البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ نیز الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۳) اور پھر اسی روز ظہر کے وقت ظہر و عصر کی نمازیں جمع ادا فرما کر حضور جہلم کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ سب قرائن بتاتے ہیں کہ ۱۵؍جنوری ۱۹۰۳ء کو حضور سیر کیلئے تشریف نہیں لیگئے۔ یہ ڈائری یقیناً کسی گذشتہ تاریخ کی ہے جس پر سہواً ۱۵؍جنوری ۱۹۰۳ء کی تاریخ لکھی گئی ہے چونکہ مطبوعہ ملفوظات کی پہلی تین جلدوں میں حضور کی یہ تقریر درج نہیں ہو سکی۔ لہٰذا اب اسے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ (خاکسار مرتب)

کو قبول کرنے والا ہوتا تو اس قدر عرصہ دراز تک جو دعائیں کی گئی کیوں قبول نہ ہوئیں؟ مگر ایسا خیال کرنے والا اور ٹھوکر کھانے والا انسان اگر اپنے عدم استقلال اور تلون کو سوچے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ ساری نامرادیاں اس کی اپنی ہی جلد بازی اور شتاب کاری کا نتیجہ ہیں۔ جن پر خدا کی قوتوں اور طاقتوں کے متعلق بدظنی اور نامراد کرنے والی مایوسی بڑھ گئی۔ پس کبھی تھکنا نہیں چاہیئے۔

دعا کی ایسی ہی حالت ہے۔ جیسے ایک زمیندار باہر جا کر اپنے کھیت میں ایک بیج بو آتا ہے۔ اب بظاہر تو یہ حالت ہے کہ اُس نے اچھے بھلے اناج کو مٹی کے نیچے دبا دیا۔ اس وقت کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کہ یہ دانہ ایک عمدہ درخت کی صورت میں نشو و نما پا کر پھل لائیگا۔ باہر کی دنیا اور خود زمیندار بھی نہیں دیکھ سکتا کہ یہ دانہ اندر ہی اندر زمین میں ایک پودا کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد وہ دانہ گل کر اندر ہی اندر پودا بننے لگتا ہے اور تیار ہوتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ اُس کا سبزہ اُوپر نکل آتا ہے۔ اور دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اب دیکھو وہ دانہ جس وقت سے زمین کے نیچے ڈالا گیا تھا۔ دراصل اسی ساعت سے وہ پودا بننے کی تیاری کرنے لگ گیا تھا۔ مگر ظاہر بین نگاہ اُس سے کوئی خبر نہیں رکھتی اور اب جبکہ اس کا سبزہ باہر نکل آیا تو سب نے دیکھ لیا لیکن ایک نادان بچہ اس وقت یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کو اپنے وقت پر پھل لگیگا۔ وہ یہ چاہتا ہے۔ کیوں اسی وقت اس کو پھل نہیں لگتا۔ مگر عقلمند زمیندار خوب سمجھتا ہے کہ اس کے پھل کا کونسا موقع ہے۔ وہ صبر سے اس کی نگرانی کرتا اور غور و پرداخت کرتا رہتا ہے۔ اور اس طرح پر وہ وقت آ جاتا ہے کہ جب اس کو پھل لگتا ہے اور وہ پک بھی جاتا ہے۔ یہی حال دعا کا ہے اور بعینہٖ اسی طرح دعا نشو و نما پاتی اور مثمر بثمرات ہوتی ہے۔ جلد باز پہلے ہی تھک کر رہ جاتے ہیں اور صبر کرنے والے مآل اندیش استقلال کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اور اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں۔

یہ سچی بات ہے کہ دعا میں بڑے بڑے مراحل اور مراتب ہیں جن کی ناواقفیت کی وجہ سے دعا کرنے والے اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کو ایک جلدی لگ جاتی ہے اور وہ صبر نہیں کر سکتے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں ایک تدریج ہوتی ہے۔ دیکھو یہ کبھی نہیں ہوتا کہ آج انسان شادی کرے تو کل کو اس کے گھر بچہ پیدا ہو جاوے حالانکہ وہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے مگر جو قانون اور نظام اس نے مقرر کر دیا ہے وہ ضروری ہے۔ پہلے نباتات کی نشوونما کی طرح کچھ پتہ ہی نہیں لگتا۔ چار مہینے تک کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا۔ پھر کچھ حرکت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور پوری میعاد گذرنے پر بہت بڑی تکالیف برداشت کرنے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بچہ کا پیدا ہونا ماں کا بھی ساتھ ہی پیدا ہونا ہوتا ہے۔ مرد شاید ان تکالیف اور مصائب کا اندازہ نہ کر سکیں جو اس مدت حمل کے درمیان عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مگر یہ سچی بات ہے کہ عورت کی بھی ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔ اب غور کرو کہ اولاد کے لئے پہلے ایک موت خود اس کو قبول کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر وہ اس خوشی کو دیکھتی ہے۔ اسی طرح پر دعا کرنے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ تلون اور عجلت کو چھوڑ کر ساری تکلیفوں کو برداشت کرتا رہے۔ اور کبھی بھی یہ وہم نہ کرے کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ آخر آنے والا زمانہ آجاتا ہے۔ دعا کے نتیجہ کے پیدا ہونے کا وقت پہنچ جاتا ہے جبکہ گویا مراد کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دعا کو پہلے ضروری ہے کہ اس مقام اور حد تک پہنچایا جاوے جہاں پہنچ کر وہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ جس طرح پر آتشی شیشے کے نیچے کپڑا رکھ دیتے ہیں اور سورج کی شعاعیں اس شیشہ پر آکر جمع ہوتی ہیں اور ان کی حرارت اور حدت اس مقام تک پہنچ جاتی ہے جو اس کپڑے کو جلا دے۔ پھر یکایک وہ کپڑا جل اٹھتا ہے۔ اسی طرح پر ضروری ہے کہ دعا اس مقام تک پہنچے۔ جہاں اس میں وہ قوت پیدا ہو جاوے کہ نامرادیوں کو جلا دے اور مقصد مراد کو پورا کرنے والی ثابت ہو جاوے

س ۵ پیدا است ندا را کہ بلند است جنابت

مدت دراز تک انسان کو دعاؤں میں لگے رہنا پڑتا ہے۔ آخر خدا تعالےٰ ظاہر کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے تجربہ سے دیکھا ہے اور گذشتہ راستبازوں کا تجربہ بھی اس پر شہادت دیتا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں دیر تک خاموشی کرے تو کامیابی کی امید ہوتی ہے لیکن جس امر میں جلد جواب مل جاتا ہے وہ ہونے والا نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ ایک سائل جب کسی کے دروازہ پر مانگنے کے لئے جاتا ہے اور نہایت اضطراب اور عاجزی سے مانگتا ہے اور کچھ دیر تک جھڑکیاں کھا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ اور سوال کئے ہی جاتا ہے تو آخر اس کو بھی کچھ شرم آ ہی جاتی ہے۔ خواہ کتنا ہی بخیل کیوں نہ ہو۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ سائل کو دے ہی دیتا ہے۔ تو کیا دعا کرنے والے کا ایک معمولی سائل جتنا بھی استقلال نہیں ہونا چاہیئے؟ خدا تعالےٰ جو کریم ہے اور حیا رکھتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کا عاجز بندہ ایک عرصہ سے اس کے آستانہ پر گرا ہوا ہے تو کبھی اس کا انجام بد نہیں کرتا۔ جیسے ایک حاملہ عورت چار پانچ ماہ کے بعد کہے کہ اب بچہ پیدا کیوں نہیں ہوتا اور اس خواہش میں کوئی مسقط دوائی کھالے تو اس وقت کیا بچہ پیدا ہوگا۔ یا ایک مایوسی بخش حالت میں وہ خود مبتلا ہوگی؟ اسی طرح جو شخص قبل از وقت جلدی کرتا ہے وہ نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ اور نہ نرا نقصان بلکہ ایمان کو بھی صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ بعض ایسی حالت میں دہریہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک نجار تھا۔ اس کی عورت بیمار ہوئی اور آخر وہ مر گئی۔ اس نے کہا اگر خدا ہوتا تو میں نے اتنی دعائیں کیں تھیں وہ قبول ہو جاتیں اور میری عورت نہ مرتی۔ اس طرح پر وہ دہریہ ہو گیا۔ لیکن سعید اگر اپنے صدق اور اخلاص سے کام لے تو اس کا ایمان بڑھتا اور سب کچھ ہو بھی جاتا ہے۔ زمین کی دولتیں خدا تعالےٰ کے آگے کیا چیز ہیں۔ وہ ایک دم میں سب کچھ کر سکتا ہے کیا دیکھا نہیں۔ کہ اس نے اس قوم کو جس کو کوئی جانتا بھی نہ تھا بادشاہ بنا دیا۔ اور بڑی بڑی سلطنتوں کو

ان کا تابع فرمان بنا دیا۔ اور غلاموں کو بادشاہ بنا دیا۔ انسان اگر تقویٰ اختیار کرے۔ خدا تعالےٰ کا ہو جاوے تو دنیا میں اعلیٰ درجہ کی زندگی ہو۔ مگر شرط یہی ہے کہ صادق اور جواں مرد ہو کر دکھائے۔ دل متزلزل نہ ہو اور اس میں کوئی آمیزش ریاکاری و شرک کی نہ ہو۔ ابراہیم علیہ السلام میں وہ کیا بات تھی جس نے اس کو ابو الملّت اور ابو الحنفاء قرار دیا۔ اور خدا تعالےٰ نے اس کو اس قدر عظیم الشان برکتیں دیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں یہی صدق اور اخلاص تھا۔

دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں سے عرب میں ایک نبی ہو۔ پھر کیا وہ اسی وقت قبول ہو گئی؟ ابراہیم کے بعد ایک عرصہ دراز تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ اس دعا کا کیا اثر ہوا۔ لیکن رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں وہ دعا پُوری ہوئی اور پھر کس شان کے ساتھ پُوری ہوئی۔

ظاہری نماز اور روزہ اگر اس کے ساتھ اخلاص اور صدق نہ ہو کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ جوگی اور سنیاسی بھی اپنی جگہ بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اُن میں سے بعض اپنے ہاتھ تک سُکھا دیتے ہیں اور بڑی بڑی مشقتیں اُٹھاتے اور اپنے آپ کو مشکلات اور مصائب میں ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ تکالیف ان کو کوئی نور نہیں بخشتیں اور نہ کوئی سکینت اور اطمینان اُن کو ملتا ہے بلکہ اندرونی حالت اُن کی خراب ہوتی ہے۔ وہ بدنی ریاضت کرتے ہیں۔ جس کو اندر سے کم تعلق ہوتا ہے۔ اور کوئی اثر ان کی روحانیت پر نہیں پڑتا۔ اسی لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ لن ینال اللہ لحومها ولادماؤها ولکن ینالہ التقوی منکم[1] یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے حقیقت میں خدا تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ مغز چاہتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے تو پھر قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس طرح نماز روزہ اگر روح کا ہے تو پھر ظاہر کی کیا ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ یہ بالکل پکی بات ہے کہ جو لوگ جسم

[1] الحج : ۳۸

خدمت لینا چھوڑ دیتے ہیں اُن کو رُوح نہیں مانتی اور اس میں وہ نیازمندی اور عبودیت پیدا نہیں ہو سکتی جو اصل مقصد ہے اور جو صرف جسم سے کام لیتے ہیں رُوح کو اس میں شریک نہیں کرتے وہ بھی خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور یہ جوگی اسی قسم کے ہیں۔ رُوح اور جسم کا باہم خدا تعالیٰ نے ایک تعلق رکھا ہوا ہے اور جسم کا اثر رُوح پر پڑتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تکلف سے رونا چاہے تو آخر اس کو رونا آ ہی جائے گا۔ اور ایسا ہی جو تکلف سے ہنسنا چاہے اُسے ہنسی آ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر نماز کی جس قدر حالتیں جسم پر وارد ہوتی ہیں۔ مثلاً کھڑا ہونا یا رکوع کرنا۔ اس کے ساتھ ہی روح پر بھی اثر پڑتا ہے اور جس قدر جسم میں نیازمندی کی حالت دکھاتا ہے۔ اسی قدر روح میں پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ خدا نرے سجدہ کو قبول نہیں کرتا مگر سجدہ کو روح کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ اس لئے نماز میں آخری مقام سجدہ کا ہے۔ جب انسان نیازمندی کے انتہائی مقام پر پہنچتا ہے۔ تو اس وقت وہ سجدہ ہی کرنا چاہتا ہے جانوروں تک میں بھی یہ حالت مشاہدہ کی جاتی ہے۔ کُتّے بھی جب اپنے مالک سے محبت کرتے ہیں تو آکر اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیتے ہیں۔ اور اپنی محبت کے تعلق کا اظہار سجدہ کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جسم کو روح کے ساتھ خاص تعلق ہے ایسا ہی رُوح کی حالتوں کا اثر جسم پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جب روح غمناک ہو تو جسم پر بھی اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور آنسو اور پژمردگی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر رُوح اور جسم کا باہم تعلق نہیں تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دورانِ خون بھی قلب کا ایک کام ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ قلب آبپاشی جسم کے لئے ایک انجن ہے۔ اس کے بسط اور قبض سے سب کچھ ہوتا ہے۔

غرض جسمانی اور روحانی سلسلے دونو برابر چلتے ہیں۔ روح میں جب عاجزی پیدا ہو جاتی ہے پھر جسم میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب روح میں واقع میں عاجزی اور نیازمندی ہو تو جسم میں اس کے آثار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایسا ہی جسم پر ایک الگ اثر پڑتا ہے تو روح بھی اس سے متاثر ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے حضور نماز میں کھڑے ہو تو چاہیئے کہ

اپنے وجود سے عاجزی اور ارادت مندی کا اظہار کرو۔ اگرچہ اس وقت یہ ایک قسم کا نفاق ہوتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا اثر دائمی ہو جاتا ہے اور واقعی رُوح میں وہ نیاز مندی اور فروتنی پیدا ہونے لگتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نمازوں میں لذت نہیں آتی۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ لذت اپنے اختیار میں نہیں ہے اور لذت کا معیار بھی الگ ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اشد درجہ کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے مگر وہ اس تکلیف کو بھی لذت ہی سمجھ لیتا ہے۔ دیکھو ٹرانسوال[۱] میں جو لوگ لڑتے ہیں۔ باوجودیکہ اس میں جانیں جاتی ہیں۔ اور عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں۔ مگر قومی حمیت اور پاسداری ان کو ایک لذت اور سرور کے ساتھ موت کے منہ میں لے جا رہی ہے۔[۲]

ان کو قومی حمیت اور پاسداری موت کے منہ میں خوشی کے ساتھ لے جاتی ہے۔ ادھر قوم ان کی محنتوں اور جانفشانیوں کی قدر کر رہی ہے جبکہ اغراض قومی متحد ہیں۔ پھر اُن کی محنتوں کی قدر کیوں ہوتی ہے؟ ان کے دُکھ اور تکالیف کی وجہ سے۔ ان کی محنت اور جانفشانی کے باعث۔

غرض ساری لذت اور راحت دُکھ کے بعد آتی ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں یہ قاعدہ بتایا ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا[۳] اگر کسی راحت سے پہلے تکلیف نہیں تو وہ راحت راحت ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح پر جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو عبادت میں لذت نہیں آتی۔ اُن کو پہلے اپنی جگہ سوچ لینا ضروری ہے کہ وہ عبادت کے لئے کس قدر دُکھ اور تکالیف اُٹھاتے ہیں۔ جس قدر دُکھ اور تکالیف انسان اُٹھائے گا۔ وہی تبدیل صورت کے بعد لذت ہو جاتا ہے۔ میری مراد اُن دُکھوں سے نہیں کہ انسان اپنے آپ کو بیجا مشقتوں میں ڈالے

---

[۱] اس وقت ٹرانسوال کی جنگ جاری تھی (ایڈیٹر الحکم)

[۲] الحکم جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء

[۳] الم نشرح :

اور مالا یطاق تکالیف اُٹھانے کا دعویٰ کرے۔

قرآن شریف میں لایکلف اللّٰہ نفسًا الا وسعھا[1] آیا ہے اور رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔ جس میں پڑ کر انسان اپنا ہاتھ سُکھالے یا اپنی دوسری قوتوں کو بیکار چھوڑ دے یا اور قسم قسم کی تکالیف شدیدہ میں اپنی جان کو ڈالے۔ عبادت کے لئے دُکھ اُٹھانے سے ہمیشہ یہ مراد ہوتی ہے کہ انسان ان کاموں سے رُکے جو عبادت کی لذت کو دور کرنے والے ہیں۔ اور اُن سے رُکنے میں اولاً ایسی ضرور تکلیف محسوس ہوگی۔ اور خدا تعالےٰ کی نارضامندیوں سے پرہیز کرے۔ مثلاً ایک چور ہے اس کو ضروری ہے کہ وہ چوری چھوڑے بدکار ہے تو بدکاری اور بدنظری چھوڑے . . . . اسی طرح نشوں کا عادی ہے تو اُن سے پرہیز کرے۔ اب جب وہ اپنی محبوب اشیاء کو ترک کریگا تو ضرور ہے کہ اول اول سخت تکلیف اُٹھاوے مگر رفتہ رفتہ اگر استقلال سے وہ اس پر قائم رہے گا تو دیکھ لیگا کہ ان بدیوں کے چھوڑنے میں جو تکلیف اُس کو محسوس ہوتی ہے۔ وہ تکلیف اب ایک لذت کا رنگ اختیار کرتی جاتی ہے۔ کیونکہ ان بدیوں کے بالمقابل نیکیاں آتی جائیں گی اور اُن کے نیک نتائج جو سُکھ دینے والے ہیں وہ بھی ساتھ ہی آئیں گے۔ یہانتک کہ وہ اپنے ہر قول و فعل میں جب خدا تعالےٰ ہی کی رضا کو مقدم کر لیگا اور اس کی ہر حرکت اور سکون اللہ ہی کے امر کے نیچے ہوگی تو صاف اور بیّن طور پر وہ دیکھے گا کہ پورے اطمینان اور سکینت کا مزا لے رہا ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب کہا جاتا ہے کہ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ[2]۔ اسی مقام پر اللہ تعالےٰ کی ولائت میں آتا ہے اور ظلمات سے نکل کر نُور کی طرف آجاتا ہے۔

یاد رکھو کہ جب انسان خدا تعالےٰ کے لئے اپنی محبوب چیزوں کو جو خدا کی نظر میں مکروہ اور اس کے منشاء کے مخالف ہوتی ہیں چھوڑ کر اپنے آپ کو تکالیف میں ڈالتا ہے تو ایسی تکالیف اُٹھانے والے جسم کا اثر روح پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اس سے متاثر

[1] البقرۃ: ۲۸۷ [2] یونس: ۶۳

ہوکر ساتھ ہی ساتھ اپنی تبدیلی میں لگتی ہے یہانتک کہ کامل نیازمندی کے ساتھ آستانۂ اُلوہیت پر بے اختیار ہوکر گر پڑتی ہے یہ طریق ہے عبادت میں لذت حاصل کرنے کا۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنی عبادت میں لذت کا یہ طریق سمجھتے ہیں کہ کچھ گیت گا لئے یا باجے بجالئے اور یہی اس کی عبادت ہوگی۔ اس سے دھوکا مت کھاؤ۔ یہ باتیں نفس کی لذت کا باعث ہوں تو ہوں مگر رُوح کے لئے ان میں لذت کی کوئی چیز نہیں۔ ان سے روح میں فروتنی اور انکساری کے جوہر پیدا نہیں ہوتے اور عبادت کا اصل منشاء گُم ہو جاتا ہے۔ طوائف کی محفلوں میں بھی ایک آدمی ایسا مزا حاصل کرتا ہے تو کیا وہ عبادت کی لذت سمجھی جاتی ہے؟ یہ باریک بات ہے جس کو دوسری قومیں سمجھ ہی نہیں سکتی ہیں کیونکہ انہوں نے عبادت کی اصل غرض اور غائت کو سمجھا ہی نہیں۔

قرآن شریف سے پہلے دو قومیں تھیں۔ ایک براہمہ کہلاتی تھی جو رہبانیت کو پسند کرتی تھی اور اپنی زندگی کا اصل منشا یہی سمجھ بیٹھے ہوئے تھے۔ عیسائی قوم میں بھی ایسے لوگ تھے جو راہب ہونا پسند کرتے تھے اور ہوتے تھے رومن کیتھولک۔ عیسائیوں میں اب تک ایسے لوگ موجود ہیں اور یہ طریق ان میں جاری ہے کہ وہ راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر اب اُن کی رہبانیت اس حد تک ہی ہے کہ وہ شادی نہیں کرتے ورنہ ہر طرح عیش و عشرت اور آرام کے ساتھ کوٹھیوں میں رہتے اور مکلّف لباس پہنتے اور عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور جس قسم کی زندگی وہ بسر کرتے ہیں۔ عام لوگ جانتے ہیں۔ مگر میری مراد رہبانیت سے اس وقت یہی ہے کہ وہ فرقہ جو اپنے آپ کو تعذیب بدن میں ڈالتا تھا اور دوسرا فرقہ ان کے مقابل وہ تھا جو اباحت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اسلام جب آیا تو اس نے ان دونو کو ترک کیا اور صراطِ مستقیم کو اختیار کیا۔ اس نے بتایا کہ انسان نہ رہبانیت اختیار کرے جس سے وہ نفس کش ہو جاوے اور خدا تعالےٰ کی عطا کردہ قوتوں کو بالکل بیکار چھوڑ دے اور اس طرح پر اُن اخلاق فاضلہ کے حصول سے محروم ہو جاوے۔ جو اِن قوتوں کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں

کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ جس قدر قوتیں انسان کو دی گئی ہیں یہ سب کی سب دراصل اخلاقی قوتیں ہیں۔ غلط استعمال کی وجہ سے یہ اخلاق بداخلاقیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے رہبانیت سے منع کیا اور فرمایا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔

اسلام چونکہ انسان کی کامل تربیت چاہتا ہے اور اس کی ساری قوتوں کا نشو ونما اس کا مقصد ہے۔ اس لئے اُس نے جائز نہیں رکھا کہ وہ طریق اختیار کیا جاوے جو انسان کی بے حرمتی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی توہین کرنے والا ٹھہر جاوے اور پھر اسلام کا منشا یہ ہے کہ وہ انسان کو افراط و تفریط کی راہوں سے اس اعتدال کی راہ پر چلاوے جو صراطِ مستقیم ہے۔ اس لئے اس نے اباحت کے مسئلہ کی بھی تردید کی جو دوسرا فرقہ تھا جو قرآن شریف سے پہلے موجود تھا۔ وہ سب کچھ جائز سمجھتا تھا اور آزاد اور بے قیدی میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ ساری راحتوں اور لذتوں کی معراج سمجھتا تھا۔ مگر اسلام نے اس کو رد کیا اور انسان کو بے قید بنانا نہ چاہا کہ وہ نماز کی ضرورت سمجھے نہ روزہ کی۔ غرض کسی پابندی کے نیچے ہی نہ رہے۔ اور ایک وحشی جانور کی طرح مارا مارا پھرے۔ اب تک بھی یہ لوگ موجود ہیں۔ وہ وجودی مذہب جو بدقسمتی سے پھیلا ہوا ہے دراصل ایک اباحتی فرقہ ہے اور نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا اور ممنوعات اور محرمات سے پرہیز نہیں کرتا۔ اسی لئے اسلام نے یہ بھی جائز نہ رکھا۔

رہبانیت اور اباحت انسان کو اس صدق اور وفا سے دُور رکھتے تھے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان سے الگ رکھ کر اطاعت الٰہی کا حکم دے کر صدق اور وفا کی تعلیم دی جو ساری رُوحانی لذتوں کی جاذب ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص کسی سہارے پر چلتا ہے۔ وہ سست الوجود اور کاہل ہوتا ہے جیسے بچے اپنے والدین کی سرپرستی کے نیچے اپنی فکرِ معاش یا ضرورت کے پیدا کرنے سے کاہل اور لاپروا ہوتے ہیں۔ یا عیسائی لوگ جس طرح پر اعمال میں مستعد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کفارہ

کا مسئلہ جب ان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ مسیح نے ان کے سارے گناہ اُٹھا لئے پر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسی چیز ہو سکتی ہے جو اُن کو اعمال کی طرف متوجہ کرے۔ اعمال کا مدعا تو نجات ہے اور یہ ان کو بلا مشقت محنت صرف خونی مسیح پر اتنا ایمان رکھنے سے کہ وہ ہمارے لئے مر گیا۔ ہمارے گناہوں کے بدلہ لعنتی ہوا مل جاتی ہے تو اب نجات کے سوا اور کیا چاہیئے پھر اُن کو اعمال حسنہ کی ضرورت کیا باقی رہی۔ اگر کفارہ پر ایمان لاکر بھی نجات کا خطرہ اور اندیشہ باقی ہے تو یہ امر دیگر ہے کہ اعمال کئے جائیں لیکن اگر نجات خونِ مسیح کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ تو کوئی عقلمند نہیں مان سکتا کہ پھر ضرورت اعمال کی کیا باقی ہے۔

روافض بھی سہارے ہی پر چلتے ہیں اور اپنی جگہ عیسائیوں کی طرح امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خون کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر اعمال کی ضرورت ہے تو فقط اتنی کہ اُن کے مصائب کو یاد کرکے آنکھوں سے آنسو گرا لئے یا کوئی سینہ کوبی کرلی۔ سارے اعمال حسنہ کی روح یہی اشک باری اور سینہ کوبی ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ اس کو نجات سے کیا تعلق ؟

اس لئے میں یہ تعلیم کبھی دینا نہیں چاہتا اور نہ اسلام نے دی کہ تم اپنے گناہوں کی گٹھڑی کسی دوسرے کی گردن پر لاد دو اور خود اباحت کی زندگی بسر کرو۔ قرآن شریف نے صاف فیصلہ کردیا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[1]۔ ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا اور نہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر خدا تعالےٰ کے عام قانونِ قدرت میں ملتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا جاتا کہ زید مثلاً سنکھیا کھا لیوے اور اسی سنکھیا کا اثر بکر پر ہو جاوے اور وہ مر جاوے۔ یا ایک مریض ہو اور دوسرے آدمی کے دوا کھا لینے سے وہ اچھا ہو جاوے بلکہ ہر ایک کھانے خود متاثر ہو گا۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص ساری عمر گناہ کرتا رہے اور دلیری کے ساتھ خدا تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا رہے اور لکھ دے کہ میرے گناہوں کا بوجھ دوسرے شخص کی گردن پر ہے جو شخص ایسی امید کرتا ہے وہ سہ

[1] الزمر : ۸

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

کا مصداق ہے۔

پس اسلام کسی سہارے پر رکھنا نہیں چاہتا کیونکہ سہارے پر رکھنے سے ابطالِ اعمال لازم آجاتا ہے۔ لیکن جب انسان سہارے کے بغیر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے اس وقت اس کو اعمال کی ضرورت پڑتی ہے اور کچھ کرنا پڑتا ہے اسی لئے قرآن شریف نے فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[1] فلاح وہی پاتا ہے۔ جو اپنا تزکیہ کرتا ہے خود اگر انسان ہاتھ پاؤں نہ ہلائے تو بات نہیں بنتی۔

شفاعت کا فلسفہ

مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ شفاعت کوئی چیز نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ شفاعت حق ہے۔ اور اس پر یہ نصِ صریح ہے وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ[2]۔ یہ شفاعت کا فلسفہ ہے یعنی جو گناہوں میں نفسانیت کا جوش ہے وہ ٹھنڈا پڑ جاوے۔ شفاعت کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ گناہوں کی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور نفسانی جوشوں اور جذبات میں ایک برودت آجاتی ہے جس سے گناہوں کا صدور بند ہو کر اُن کے بالمقابل نیکیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ پس شفاعت کے مسئلہ نے اعمال کو بیکار نہیں کیا بلکہ اعمال حسنہ کی تحریک کی ہے۔

شفاعت اور کفارہ میں فرق

شفاعت کے مسئلہ کے فلسفہ کو نہ سمجھ کر احمقوں نے اعتراض کیا ہے اور شفاعت اور کفارہ کو ایک قرار دیا۔ حالانکہ یہ ایک نہیں ہو سکتے۔ کفارہ اعمال حسنہ سے مستغنی کرتا ہے اور شفاعت اعمال حسنہ کی تحریک۔ جو چیز اپنے اندر فلسفہ نہیں رکھتی ہے۔ وہ ہیچ ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی اصول اور عقائد اور اس کی ہر تعلیم اپنے اندر ایک فلسفہ رکھتی ہے اور علمی پیرایہ اس کے ساتھ موجود ہے جو دوسرے مذاہب کے عقائد میں نہیں

---

[1] الشمس : ۱۰ [2] التوبہ : ۱۰۳

ملتا۔ شفاعت اعمالِ حسنہ کی محرک کس طرح پر ہے؟

اس سوال کا جواب بھی قرآن شریف ہی سے ملتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفارہ کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس پر حصر نہیں کیا جس سے کاہلی اور سستی پیدا ہوتی بلکہ فرمایا۔ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ[۱] یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو کہدے کہ میں قریب ہوں۔ قریب والا تو سب کچھ کرسکتا ہے۔ دُور والا کیا کرے گا؟ اگر آگ لگی ہوئی ہو تو دُور والے کو جب تک خبر پہنچے اس وقت تک تو شاید وہ جل کر خاک سیاہ بھی ہو چکے۔ اس لئے فرمایا کہ کہدو میں قریب ہوں۔ پس یہ آیت بھی قبولیّت دعا کا ایک راز بتاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت اور طاقت پر ایک ایمان کامل پیدا ہو اور اُسے ہر وقت اپنے قریب یقین کیا جاوے۔ بہت سی دعاؤں کے ردّ ہونے کا یہ بھی سِر ہے کہ دعا کرنے والا اپنی ضعیف الایمانی سے دُعا کو مسترد کرالیتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کو قبول ہونے کے لائق بنایا جاوے کیونکہ اگر وہ دعا خدا تعالےٰ کی شرائط کے نیچے نہیں ہے تو پھر اس کو خواہ سارے نبی بھی مل کر کریں تو قبول نہ ہوگی اور فائدہ اور نتیجہ اس پر مرتب نہیں ہو سکیگا۔

اب یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا صَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ[۲] تیری صلوٰۃ سے اُن کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور جوش اور جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ[۳] کا بھی حکم فرمایا ان دونو آیتوں کے ملانے سے دعا کرنے اور کرانے والے کے تعلقات۔ پھر ان تعلقات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ صرف اسی بات پر منحصر نہیں کر دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا ہی کافی ہے۔ اور خود کچھ نہ کیا جاوے اور نہ یہی فلاح کا باعث ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی شفاعت اور دعا کی ضرورت ہی نہ سمجھی جاوے۔ غرض نہ اسلام میں رہبانیت ہے نہ بیکار نشینی کا سبق۔ بلکہ ان افراط اور

[۱] البقرۃ: ۱۸۷ [۲] التوبہ: ۱۰۳

تفریط کی راہوں کو چھوڑ کر وہ صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ نہ یہ چاہا کہ تعذیب جسم کے اصولوں کو اختیار کرو اور اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالو نہ یہ کہ سارا دن کھیل اور کود اور تماشوں اور شکار میں گذار دیا ناول خوانی میں بسر کرو اور رات کو سو کر یا عیاشی میں۔*

خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدق دکھایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرب حاصل کیا تو اس کی وجہ یہی تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ [1]

ابراہیمؑ وہ ابراہیمؑ ہے جس نے وفاداری دکھائی خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور صدق اور اخلاص دکھانا ایک موت چاہتا ہے جب تک انسان دنیا اور اس کی ساری لذتوں اور شوکتوں پر پانی پھیر دینے کو تیار نہ ہو جاوے۔ اور ہر ذلت اور سختی اور تنگی خدا کے لئے گوارا کرنے کو تیار نہ ہو۔ یہ صفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ بُت پرستی یہی نہیں کہ انسان کسی درخت یا پتھر کی پرستش کرے بلکہ ہر ایک چیز جو اللہ تعالیٰ کے قرب سے روکتی اور اس پر مقدم ہوتی ہے۔ وہ بُت ہے اور اس قدر بُت انسان اپنے اندر رکھتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں بُت پرستی کر رہا ہوں۔ پس جب تک خالص خدا تعالیٰ ہی کے لئے نہیں ہو جاتا اور اس کی راہ میں ہر مصیبت کی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ صدق اور اخلاص کا رنگ پیدا ہونا مشکل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو یہ خطاب ملا۔ یہ یونہی مل گیا تھا؟ نہیں۔ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ کی آواز اس وقت آئی جبکہ وہ بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عمل کو چاہتا اور عمل ہی سے راضی ہوتا ہے۔ اور عمل دُکھ سے آتا ہے لیکن جب انسان خدا کے لئے دُکھ اُٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اس کو دُکھ میں بھی نہیں ڈالتا۔ دیکھو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے اپنے بیٹے کو قربان کر دینا چاہا اور پوری تیاری کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے کو بچا لیا۔

* الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء

[1] النجم : ۳۸

وہ آگ میں ڈالے گئے لیکن آگ اُن پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ اللہ تعالےٰ کی راہ میں تکلیف اُٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ تکالیف سے بچا لیتا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں جسم تو ہے رُوح نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ رُوح کا تعلق جسم سے ہے اور جسمانی امور کا اثر رُوح پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جسم سے رُوح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس قدر اعمال انسان سے ہوتے ہیں۔ وہ اسی مرکب صورت سے ہوتے ہیں الگ جسم یا اکیلی رُوح کوئی نیک یا بد عمل نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ جزا سزا میں بھی دونو کے متعلقات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بعض لوگ اسی راز کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراض کر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا بہشت جسمانی ہے۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتے جب اعمال کے صدور میں جسم ساتھ تھا تو جزا کے وقت الگ کیوں کیا جاوے؟ غرض یہ ہے کہ اسلام نے ان دونو طریقوں کو جو افراط اور تفریط کے ہیں چھوڑ کر اعتدال کی راہ بتائی ہے۔ یہ دونو خطرناک باتیں ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ مجرد تعذیب جسم سے کچھ نہیں بنتا اور محض آرام طلبی سے بھی کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔

ولایت کیسے حاصل ہوتی ہے

ایک مرتبہ ایک شخص میرے پاس نور محمد نام ٹانڈہ سے آیا تھا۔ اس نے کہا کہ غلام محبوب سبحانی نے ولی ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ اب ولایت کا معیار یہی رہ گیا ہے کہ غلام محبوب سبحانی یا کسی نے سرٹیفکیٹ دے دیا۔ حالانکہ ولائت ملتی نہیں جب تک انسان خدا کے لئے موت اختیار کرنے کے لئے تیار نہ ہو جاوے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں جن کو کچھ بھی معلوم نہیں کہ وہ دنیا میں کیوں آئے ہیں۔ حالانکہ یہی پہلا سوال ہے جس کو اسے حل کرنا چاہیئے۔ خود شناسی کے بعد خدا شناسی پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنے فرائض کو سمجھتا ہے اور مقاصد زندگی پر غور کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی کی غرض خدا شناسی ہے اور اس پر ایمان لاتا اور اس کی عبادت کرتا ہے۔ تب وہ فرائض کو ادا کرتا

اور نوافل کو شناخت کرتا ہے۔ وہ رُوحانیت جو ایمان کے بعد پیدا ہوتی ہے اب اُسے تلاش کرو کہ کہاں ہے؟ نہ مولویوں میں ہے نہ راگ سننے والے صوفیوں میں۔ یہ گوسالہ صورت ہیں روحانیت سے بے خبر ہو کر ہزار سال تک بھی اگر مغز مارتے رہیں تو کچھ نہیں بنتا۔ یہ لوم اور دمار ہیں تقویٰ نہیں۔ پھر لوم اور دمار اللہ تعالیٰ کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔

رُوح و جسم کا تعلق ابدی ہے

دہریہ رُوح کا ہی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ حشر اجساد کوئی چیز نہیں۔ یہاں روح تعلیم پا کر آئندہ کیا کرے گی۔ یہ خیالی باتیں ہیں۔ ان میں معقولیت نہیں ہے۔ اگر رُوح کوئی چیز نہیں ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ جسم پر جو فعل واقع ہوتے ہیں اُن کا اثر اندرونی قوتوں پر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً اگر مقدم الراس پر چوٹ لگ جائے تو اس فساد کے ساتھ انسان مجنون ہو جاتا ہے یا حافظہ جاتا رہتا ہے۔ مجنونوں کی روح تو وہی ہے۔ نقص تو جسم میں ہے۔ جسم کا اگر اچھا انتظام نہ رہے تو روح بیکار ہو جاتی ہے وہ بدوں جسم کسی کام نہیں ہے اس لئے ہمیشہ جسم کی محتاج ہے جس کا انتظام عمدہ ہو روحانی حالت بھی اچھی ہوگی۔ چھوٹے بچہ میں کیوں اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ عواقب الامور کو سمجھ سکے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُن میں ابھی قویٰ کا نشو ونما کامل نہیں ہوا ہوتا۔

اسی طرح پیٹ میں جو نطفہ جاتا ہے کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ رُوح اس کے ساتھ کہاں سے چلی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دراصل ایک مخفی قوت چلی جاتی ہے جو انبساط اور نشاط کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح اناج میں بھی وہی کیفیت چلی آتی ہے۔ اسی کی طرف مولوی رومی نے اشارہ کر کے کہا ہے۔ ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

نافہم اور کوڑمغز لوگوں نے اس شعر کو تناسخ پر حمل کر لیا ہے اور کہتے ہیں اِس سے

تناسخ ثابت ہوتا ہے مگر اُن کو معلوم نہیں کہ یہ دراصل تغیرات نُطفہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جن تغیرات سے نُطفہ تیار ہوتا ہے۔ اس کو اس شعر میں ظاہر کیا گیا ہے۔ شائد بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوں گے جن کو یہ معلوم ہو کہ نُطفہ بہت سے تغیرات سے بنتا ہے۔ جس اناج سے نُطفہ بنتا ہے۔ نُطفہ کی حالت میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت سے تغیرات میں ڈالا ہے اور پھر اس کو محفوظ رکھا ہے کیونکہ وہ درحقیقت نُطفہ ہے اپنے وقت پر وہ پیسا بھی جاتا ہے اور اس سے روٹی بھی تیار کی جاتی ہے لیکن وہ محفوظ کا محفوظ چلا آتا ہے۔ آجکل نُطفہ کے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس میں کیڑے ہوتے ہیں یہ ایک الگ امر ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل میں وہ ایک قوت ہے جو برابر محفوظ چلی آتی ہے ممکن ہے کہ جو کچھ ڈاکٹروں نے سمجھا ہو وہ اسی قوت کو سمجھا ہو۔ ہر اناج کے ساتھ انسانیت کا خاصہ نہیں بلکہ وہ جوہر قابل الگ ہی ہے اور اس کو وہی کھاتا ہے جس کے لئے وہ مقدر ہوتا ہے اور وہ اسی دن کے لئے مقدر ہوتا ہے۔ وہ نُطفہ جس میں رُوحانیت کی جُز ہے بڑھتا جاتا ہے یہانتک کہ مضغہ علقہ وغیرہ چھ حالتوں میں سے گذرتا ہے اور ان چھ تغیرات کے بعد ثم انشانا ہ خلقاً اٰخر[1] کا وقت آتا ہے اب اس آخری تبدیلی کو نشاءِ آخری کہا ہے یہ نہیں کہا ثُم انزلنا فیہ روحاً اٰخر اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہر سے کوئی چیز نہیں آتی۔ اب اس کو خوب غور سے سوچو تو معلوم ہو گا کہ رُوح کا جسم کے ساتھ کیسا ابدی تعلق ہے۔ پھر یہ کیسی بے ہودگی ہے جو کہا جاوے کہ جسم کا رُوح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کس قدر زبردست ثبوت رُوح کی ہستی کا ہے۔ اس کو کوئی معمولی نگاہ سے دیکھے تو اور بات ہے لیکن معقولیت اور فلسفہ سے سوچے تو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

اسی طرح ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ دُنیا میں کبھی کوئی شخص کامیاب نہیں ہوا جو جسم اور رُوح دونو سے کام نہ لے۔ اگر رُوح کوئی چیز نہیں۔ تو ایک مُردہ جسم سے

[1] مومنون: ۱۵

کوئی کام کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا اس کے سارے قویٰ اور اعضاء موجود نہیں ہوتے۔ اب یہ بات کیسی صفائی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے کہ رُوح اور جسم کا تعلق جبکہ ابدی ہے۔ پھر کیوں کسی ایک کو بیکار قرار دیا جاوے۔

دعا کے لئے بھی یہی قانون ہے کہ جسم تکالیف اُٹھاوے اور روح گداز ہو اور پھر صبر اور استقلال سے اللہ تعالےٰ کی ہستی پر ایمان لاکر حُسنِ ظن سے کام لیا جاوے[1]

دعا کے زمانہ میں بھی ابتلا آتے ہیں

ہر ایک کام کے لئے زمانہ ہوتا ہے اور سعید اس کا انتظار کرتے ہیں۔ جو انتظار نہیں کرتا اور چشم زدن میں چاہتا ہے کہ اس کا نتیجہ نکل آوے وہ جلد باز ہوتا ہے۔ اور بامراد نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے اور ہوتا ہے کہ دعا کے زمانہ میں ابتلا کے طور پر اور بھی ابتلا آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے آئے تو ان کو پہلے مصر میں فرعون نے یہ کام دیا ہوا تھا۔ کہ وہ آدھا دن اینٹیں پاتھا کریں اور آدھا دن اپنا کام کیا کریں۔ لیکن جب حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اُن کو نجات دلانے کی کوشش کی۔ تو پھر شریروں کی شرارت سے بنی اسرائیل کا کام بڑھا دیا گیا اور انہیں حکم ملا کہ آدھا دن تو تم اینٹیں پاتھا کرو اور آدھا دن گھاس لایا کرو۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا اور انہوں نے بنی اسرائیل کو سُنایا تو وہ بڑے ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ موسیٰ۔ خدا تم کو وہ دُکھ دے جو ہم کو ملا ہے اور بھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بد دعائیں دیں مگر موسےٰ علیہ السلام نے اُن کو یہی کہا کہ تم صبر کرو۔ تورات میں یہ سارا قصہ لکھا ہے کہ جُوں جُوں موسیٰ علیہ السلام انہیں تسلی دیتے تھے وہ اور بھی برافروختہ ہوتے تھے۔ آخر یہ ہوا کہ مصر سے بھاگ نکلنے کی تجویز کی گئی اور مصر والوں کے کپڑے

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء

اور برتن وغیرہ جو لئے تھے وہ ساتھ ہی لے آئے۔ جب حضرت موسٰی علیہ السلام قوم کو لے کر نکل آئے تو فرعون نے اپنے لشکر کو لے کر اُن کا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ فرعونیوں کا لشکر ان کے قریب ہے تو وہ بڑے ہی مضطرب ہوئے چنانچہ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ اس وقت وہ چلّائے اور کہا

إِنَّا لَمُدْرَكُونَ [1]

اے موسٰے۔ ہم تو پکڑے گئے مگر موسٰی علیہ السلام نے جو نبوت کی آنکھ سے انجام کو دیکھتے تھے۔ انہیں یہی جواب دیا

كَلَّآ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ [2]

ہرگز نہیں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے

توراۃ میں لکھا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کیا مصر میں ہمارے لئے قبریں نہ تھیں۔ اور یہ اضطراب اس وجہ سے پیدا ہوا کہ پیچھے فرعون کا لشکر اور آگے دریائے نیل تھا وہ دیکھتے تھے کہ نہ پیچھے جا کر بچ سکتے ہیں اور نہ آگے جا کر مگر اللہ تعالٰی قادر مقتدر خدا ہے۔ دریائے نیل میں سے انہیں راستہ مل گیا اور سارے بنی اسرائیل آرام کے ساتھ پار ہو گئے۔ مگر فرعونیوں کا لشکر غرق ہو گیا۔ سید احمد خاں صاحب اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ یہ جوار بھاٹا تھا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ کچھ ہو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ عظیم الشان معجزہ تھا جو ایسے وقت پر اللہ تعالٰی نے اُن کے لئے راہ پیدا کر دی۔ اور یہی متقی کے ساتھ ہوتا ہے کہ ہر ضیق سے اُسے نجات اور راہ ملتی ہے۔ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا [3]

غرض ایسا ہوتا ہے کہ دعا اور اس کی قبولیت کے زمانہ کے درمیانی اوقات میں بسا اوقات ابتلاء پر ابتلاء آتے ہیں اور ایسے ایسے ابتلا بھی آجاتے ہیں جو کمر توڑ دیتے ہیں مگر مستقل مزاج سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے رب کی عنایتوں

[1] الشعراء: ۶۲ [2] الشعراء: ۶۳ [3] الطلاق: ۳

کی خوشبو سونگھتا ہے اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس کے بعد نصرت آتی ہے۔
ان ابتلاؤں کے آنے میں ایک سِتر یہ بھی ہوتا ہے کہ دعا کے لئے جوش بڑھتا ہے۔ کیونکہ جس جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا جاوے گا اسی قدر روح میں گدازش ہوتی جائے گی۔ اور یہ دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ہیں۔ پس کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے اور بے صبری اور بیقراری سے اپنے اللہ پر بدظن نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کبھی بھی خیال کرنا نہ چاہیئے کہ میری دعا قبول نہ ہوگی یا نہیں ہوتی۔ ایسا وہم اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے انکار ہوجاتا ہے کہ وہ دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک امر کے لئے دعا کرتا ہے۔ مگر وہ دعا اس کی اپنی ناواقفی اور نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یعنی ایسا امر خدا تعالیٰ سے چاہتا ہے جو اس کے لئے کسی صورت سے مفید اور نافع نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو تو ردّ نہیں کرتا۔ لیکن کسی اور صورت میں پورا کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک زمیندار جس کو ہل چلانے کے لئے بیل کی ضرورت ہے۔ وہ بادشاہ سے جاکر ایک اونٹ کا سوال کرے اور بادشاہ جانتا ہے کہ اس کو دراصل بیل دینا مفید ہوگا۔ اور وہ حکم دیدے کہ اس کو ایک بیل دے دو وہ زمیندار اپنی بیوقوفی سے کہہ دے کہ میری درخواست منظور نہیں ہوئی۔ تو اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ لیکن اگر وہ غور کرے تو اس کے لئے یہی بہتر تھا۔ اس طرح پر اگر ایک بچہ آگ کے سُرخ انگارے دیکھ کر ماں سے مانگے تو کیا مہربان اور شفیق ماں یہ پسند کرے گی کہ اس کو آگ کے انگارے دیدے۔ غرض بعض اوقات دُعا کی قبولیت کے متعلق ایسے امور بھی پیش آتے ہیں۔ جو لوگ بے صبری اور بدظنی سے کام لیتے ہیں وہ اپنی دعا کو ردّ کرا لیتے ہیں۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی قبولیت کے زمانہ میں اور بھی درازی ہوجاتی ہے۔ بنی اسرائیل اسی وجہ سے چالیس برس تک ارضِ مقدس میں داخل ہونے سے

محروم ہو گئے کہ ذرا ذرا سی بات پر شوخیوں سے کام لیتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح بنی اسرائیل سے غلامی کے دنوں میں وعدے کئے گئے تھے۔ اسی طرح پر اس امت کے لئے بھی ایک مماثلت ہے۔ ان پر بھی ایک غلامی کا زمانہ آنے والا تھا۔ اور اب وہی حالت غلامی کی ہے کیونکہ ہر پہلو اور ہر رنگ میں مسلمانوں کی حالت تنزل میں ہے اسی مماثلت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کی تبلیغ کا زمانہ چالیس سال تک رکھا ہے۔ جس طرح پر موسیٰ علیہ السلام نے وہ زمین نہ پائی تھی بلکہ یشوع بن نون لے گیا اسی طرح پر قبولیت کی ارض مقدس ان مولویوں کے نصیب معلوم نہیں ہوتی جو آئے دن مخالفت اور شرارت میں بڑھتے جاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ ان کو کیا کہا گیا تھا کیا تعلیم ملی تھی اور اب انہوں نے اس پر کس حد تک عمل کیا ہے۔

مسلمان ہو کر قرآن شریف سے فیصلہ نہیں کرتے

مجھے بڑی حیرت اور بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں۔ یہ قرآن شریف کو پڑھتے ہیں۔ یہ احادیث کے درس دیتے اور مسلمانوں کے لیڈر اور سرگروہ بنتے ہیں۔ دین کے اصول سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے مدعی ہیں مگر میرے معاملہ میں ان ساری باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کچھ پروا نہیں کرتے کہ قرآن شریف کے نصوص کی بنا پر میرے دعوے کو سوچیں اور میری نسبت کوئی رائے دیتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ہم جو کہتے ہیں خدا تعالیٰ کے خوف سے کہتے ہیں۔ یا اپنے نفسانی اغراض اور جوشوں کو درمیان رکھ کر کہتے ہیں۔ اگر خدا ترسی اور تقویٰ سے کام لیتے تو لا تقف ما لیس لک بہ علم پر عمل کرتے اور جبتک میری کتابوں کو پورے طور پر نہ پڑھ لیتے اور میرے پاس رہ کر میرے طرز عمل کو نہ دیکھ لیتے کوئی رائے نہ دیتے۔ مگر انہوں نے قبل از مرگ واویلا شروع کر دیا اور خدا تعالےٰ کے کلام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ ان سب کو پس پُشت ڈال دیا۔ کم از کم تقویٰ کا طریق تو یہ تھا

لہ بنی اسرائیل : ۳۷

کہ وہ میرے دعویٰ کو سُن کر فکر کرتے اور جھٹ پٹ انکار نہ کر دیتے کیونکہ میں نے اُن کو یہ کہا تھا کہ

دعویٰ ماموریت

خدا نے مجھے مامور کیا ہے۔ خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ دیکھتے کہ کیا جس شخص نے اپنا آنا خدا کے حکم سے بتایا ہے۔ وہ خدا کی نُصرتیں اور تائیدیں بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے یا نہیں۔ مگر انہوں نے نشان پر نشان دیکھے اور کہا کہ جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نصرت پر نصرت اور تائید پر تائید دیکھی لیکن کہہ دیا کہ سحر ہے۔ میں ان لوگوں سے کیا امید رکھوں جو خدا تعالےٰ کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ خدا کے کلام کے ادب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا نام سنتے ہی یہ ہتھیار ڈال دیتے مگر یہ اور بھی شرارت میں بڑھے۔ اب خود دیکھ لیں گے کہ انجام کس کے ہاتھ ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ میرے بُلانے کے دراصل یہی لوگ محرک ہوئے ہیں اور میری بعثت کے اسباب میں سے یہ بڑا سبب ہیں۔

مسلمانوں کے عیسائی ہونے کا باعث مولوی ہیں

کیونکہ جس قدر لوگ نصرانی اور بے دین ہوئے ہیں وہ دراصل مولویوں کا قصور ہے۔ جب کسی نے اُن سے سوال کیا اور کوئی بات اُن سے پوچھی تو انہوں نے جھٹ پٹ یہی فتویٰ دے دیا کہ یہ واجب القتل ہے، کافر ہو گیا۔ بے دین ہو گیا۔ اس کو مار ڈالو۔ اعتراض کرنے والوں نے جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے یہی سمجھا کہ اسلام کے عقائد فی الحقیقت ایسے ہی کمزور اور بودے ہیں کہ وہ معقولیت کے آگے نہیں ٹھہر سکتے۔ پس انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ ایسے دین کو چھوڑ دیں۔ ہزاروں ہزار لوگ پائے جاتے ہیں جن کے مرتد ہونے کی وجہ یہی مولوی ہو گئے ہیں۔ یہ بات کہ وہ سوال کیوں کرتے ہیں بڑی سہل ہے۔ یہ لوگ تیرہ سو برس کے بعد چونکہ پیدا ہوئے ہیں۔ اس قدر بُعد زمانہ کی وجہ سے گویا یہ تاریکی کا زمانہ کہنا چاہیئے۔ اس لئے ان کو حق

حاصل ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے پوچھیں لیکن سوال کرنے پر انہوں نے اُن کو گمراہ کر دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اُن کو معذور اور واجب الرحم سمجھ کر نرمی سے پیش آتے۔ اور اُن کو سمجھاتے مگر اُلٹا انہوں نے اُن کو اسلام سے بیزار کر دیا۔ ایسی حالت میں اللہ تعالےٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اسلام کی تعلیم کی خوبیاں ظاہر کروں اور پھر ان خوبیوں کا عملی ثبوت اور اس کی تاثیروں کو دکھاؤں۔

مسیح موعود کے دو کام

پس اس وقت ہمارے دو کام ہیں۔

اوّل یہ کہ اُن نشانوں کے ساتھ جو اللہ تعالےٰ دکھا رہا ہے یہ ثابت کیا جاوے کہ مجیب اور ناطق خدا ہمارا ہی ہے جو ہماری دعاؤں کو سُنتا اور اُن کے جواب دیتا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگ جو خدا پیش کرتے ہیں وہ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْہِمْ قَوْلًا[1] کا مصداق ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ اُن کے کُفر اور بے دینی کے اُن کی دعائیں مَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ[2] کی مصداق ہو گئی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو سب کا ایک ہی ہے۔ مگر ان لوگوں نے اس کی صفات کو سمجھا ہی نہیں۔

پس یاد رکھو کہ ہمارا خدا ناطق خدا ہے۔ وہ ہماری دعائیں سُنتا ہے۔

جماعت کا خدا تعالےٰ سے سچا تعلق ہونا چاہیئے

ہماری جماعت کو خدا تعالےٰ سے سچا تعلق ہونا چاہیئے۔ اور ان کو شکر کرنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو یونہی نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کی ایمانی قوتوں کو یقین کے درجہ تک بڑھانے کے واسطے اپنی قدرت کے صدہا نشان دکھلائے ہیں۔ کیا کوئی تم میں سے ایسا بھی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ایک بھی ایسا نہیں جس کو ہماری صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا ہو اور اس نے خدا تعالےٰ کا تازہ بتازہ نشان اپنی آنکھ سے نہ دیکھا ہو۔

[1] طٰہٰ: ۹۰ [2] الرعد: ۱۵

ہماری جماعت کے لئے اسی بات کی ضرورت ہے کہ ان کا ایمان بڑھے۔ خدا تعالیٰ پر سچا یقین اور معرفت پیدا ہو۔ نیک اعمال میں سُستی اور کسل نہ ہو۔ کیونکہ اگر سُستی ہو۔ تو پھر وضو کرنا بھی ایک مصیبت معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ تہجد پڑھے اگر اعمال صالحہ کی قوت پیدا نہ ہو اور مسابقت علی الخیرات کے لئے جوش نہ ہو۔ تو پھر ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرنا بے فائدہ ہے۔

تعلیم کے موافق عمل کرنے کی نصیحت

ہماری جماعت میں وہی داخل ہوتا ہے جو ہماری تعلیم کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اپنی ہمت اور کوشش کے موافق اس پر عمل کرتا ہے۔ لیکن جو محض نام رکھا کر تعلیم کے موافق عمل نہیں کرتا۔ وہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو ایک خاص جماعت بنانے کا ارادہ کیا ہے اور کوئی آدمی جو دراصل جماعت میں نہیں ہے محض نام لکھانے سے جماعت میں نہیں رہ سکتا۔ اس پر کوئی نہ کوئی وقت ایسا آ جائے گا کہ وہ الگ ہو جائے گا۔ اس لئے جہانتک ہو سکے اپنے اعمال کو اس تعلیم کے ماتحت کرو جو دی جاتی ہے۔ اعمال پروں کی طرح ہیں۔ بغیر اعمال کے انسان روحانی مدارج کے لئے پرواز نہیں کر سکتا۔ اور ان اعلیٰ مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتا جو اُن کے نیچے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ پرندوں میں فہم ہوتا ہے۔ اگر وہ اس فہم سے کام نہ لیں تو جو کام ان سے ہوتے ہیں نہ ہو سکیں۔ مثلاً شہد کی مکھی ہیں اگر فہم نہ ہو تو وہ شہد نہیں نکال سکتی اور اسی طرح نامہ بر کبوتر جو ہوتے ہیں ان کو اپنے فہم سے کس قدر کام لینا پڑتا ہے۔ کس قدر دور دراز کی منزلیں وہ طے کرتے ہیں۔ اور خطوط کو پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح پر پرندوں سے عجیب عجیب کام لئے جاتے ہیں۔ پس پہلے ضروری ہے کہ آدمی اپنے فہم سے کام لے اور سوچے کہ جو کام میں کرنے لگا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نیچے اور اس کی رضا کے لئے ہے یا نہیں۔

جب یہ دیکھ لے اور فہم سے کام لے تو پھر ہاتھوں سے کام لینا ضروری ہوتا ہے سُستی اور غفلت نہ کرے۔ ہاں یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ تعلیم صحیح ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعلیم صحیح ہوتی ہے۔ لیکن انسان اپنی نادانی اور جہالت سے یا کسی دوسرے کی شرارت اور غلط بیانی کی وجہ سے دھوکا میں پڑ جاتا ہے۔ اس لئے خالی الذہن ہو کر تحقیق کرنی چاہیئے۔

قرآنی قسموں کا فلسفہ

مثلاً میں نے دیکھا ہے کہ آریہ اور عیسائی اعتراض کر دیتے ہیں کہ قرآن شریف میں قسمیں کیوں کھائی ہیں۔ اور پھر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھا کر اُس کو عجیب عجیب اعتراضوں کے پیرایہ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی نیک نیتی اور فہم سے کام لیا جاوے تو ایسا اعتراض بیہودہ اور بلیسود معلوم دیتا ہے۔ کیونکہ قسموں کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ قسم کھانے کا اصل مفہوم اور مقصد کیا ہوتا ہے۔ جب اس کی فلاسفی پر غور کر لیا جاوے تو پھر یہ خود بخود سوال حل ہو جاتا ہے اور زیادہ رنج اُٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ قسم کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قسم بطور قائمقام گواہ کے ہوتی ہے۔ اور یہ مسلّم بات ہے کہ عدالت جب گواہ پر فیصلہ کرتی ہے تو کیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ پر فیصلہ کرتی ہے۔ یا قسم کھانے والے کی قسم کو ایک شاھدِ صادق تصور کرتی ہے۔ یہ روزمرّہ کی بات ہے۔

جہالت یا تعصب سے اعتراض کرنا اور بات ہے لیکن حقیقت کو مدنظر رکھ کر کوئی بات کہنا اور۔

اب جب کہ یہ عام طریق ہے کہ قسم بطور گواہ کے ہوتی ہے۔ پھر یہ کیسی سیدھی بات ہے کہ اسی اصول پر قرآن شریف کی قسموں کو دیکھ لیا جاوے

کہ وہاں اس سے کیا مطلب ہے۔
اللہ تعالیٰ نے جہاں کوئی قسم کھائی ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لئے بدیہی کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ جیسے فرمایا

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۔[1]

اب یہ بھی ایک قسم کا محل ہے۔ نادان قرآن شریف کے حقائق سے ناواقف اور نابلد۔ اپنی جہالت سے یہ اعتراض کر دیتا ہے کہ دیکھو زمین کی یا آسمان کی قسم کھائی۔ لیکن اس کو نہیں معلوم کہ اس قسم کے نیچے کیسے کیسے معارف موجود ہیں۔
اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی الٰہی کے دلائل اور قرآن شریف کی حقانیت کی شہادت پیش کرنی چاہتا ہے اور اس کو اس طرز پر پیش کیا ہے۔*
اب اس قسم کی قسم پر اعتراض کرنا بجز ناپاک فطرت یا بلید الطبع انسان کے دوسرے کا کام نہیں۔ کیونکہ اس میں تو عظیم الشان صداقت موجود ہے۔ صحیفۂ فطرت کی عام شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کلام الٰہی اور نزول وحی کی حقیقت بتانا چاہتا ہے۔ سماء کے معنی بادل کے بھی ہیں جس سے مینہہ برستا ہے۔ آسمان اور زمین میں ایسے تعلقات ہیں جیسے نر و مادہ میں ہوتے ہیں۔ زمین میں بھی کنوئیں ہوتے ہیں لیکن زمین پھر بھی آسمانی پانی کی محتاج رہتی ہے۔ جب تک آسمان سے بارش نہ ہو زمین مردہ سمجھی جاتی ہے اور اس کی زندگی اس پانی پر منحصر ہے جو آسمان سے آتا ہے۔ اسی واسطے فرمایا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[2]

اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب آسمان سے پانی برسنے میں دیر ہو اور امساک باراں

* الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء

[1] الطارق: ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴ [2] الحدید: ۱۸

ہو تو کنوؤں کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے۔ اور ان ایام میں دیکھا گیا ہے۔ کہ پانی اُتر جاتا ہے۔ لیکن جب برسات کے دن ہوں اور مینہہ برسنے شروع ہوں تو کنوؤں کا پانی بھی جوش مار کر چڑھتا ہے کیونکہ اوپر کے پانی میں قوت جاذبہ ہوتی ہے اب براہموں سوچیں کہ اگر آسمانی پانی نازل ہونا چھوڑ دے تو سب کنوئیں خشک ہو جائیں اسی طرح پر ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ایک نُورِ قلب ہر انسان کو دیا ہے۔ اور اس کے دماغ میں عقل رکھی ہے۔ جس سے وُہ بُرے بھلے میں تمیز کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ لیکن اگر نبوت کا نُور آسمان سے نازل نہ ہو اور یہ سلسلہ بند ہو جاوے تو دماغی عقلوں کا سلسلہ جاتا رہے اور نورِ قلب پر تاریکی پیدا ہو جاوے اور وہ بالکل کام دینے کے قابل نہ رہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ اسی نُورِ نبوت سے روشنی پاتا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر زمین کی روئیدگیاں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ہر تخم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح پر نور نبوت کے نزول پر دماغی اور ذہنی عقلوں میں ایک صفائی اور نُورِ فراست میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ علیٰ قدر مراتب ہوتی ہے اور استعداد کے موافق ہر شخص فائدہ اُٹھاتا ہے۔ خواہ وہ اس امر کو محسوس کرے یا نہ کرے لیکن یہ سب کچھ ہوتا اسی نُورِ نبوت کے طفیل ہے۔

اثبات ضرورت نزول وحی

غرض اس قسم میں نزول وحی کی ضرورت کو ایک عام مشاہدہ کی رو سے ثابت کیا ہے کہ جیسے آسمانی پانی کے نہ برسنے کی وجہ سے زمین مرجاتی اور کنوؤں کا پانی خشک ہونے لگتا ہے۔ یہی قانون نزولِ وحی کے متعلق ہے۔

رجیع پانی کو کہتے ہیں۔ حالانکہ پانی زمین پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن آسمان کو ذات الرجیع کہا ہے۔ اس میں یہ فلسفہ بتایا ہے کہ اصلی آسمانی پانی ہی ہے۔ چنانچہ کہا ہے۔ ؎

باراں کہ در لطافت طبعش دریغ نیست
در باغ لالہ روید در شورہ بوم خس

جو کیفیت بارش کے وقت ہوتی ہے۔ وہی نزولِ وحی کے وقت ہوتی ہے دو قسم کی طبیعتیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک تو مستعد ہوتی ہیں اور دوسری بلید مُستعد طبیعت والے فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ اور صادق کا ساتھ دے دیتے ہیں۔ لیکن بلید الطبع نہیں سمجھ سکتے اور وہ مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ دیکھو مکہ معظمہ میں جب وحی کا نزول ہوا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالےٰ کا کلام اُترنے لگا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل ایک ہی سرزمین کے دو شخص تھے۔ ابوبکر رضؓ نے تو کوئی نشان بھی نہ مانگا اور مجرد دعویٰ سنتے ہی آمنا کہہ کر ساتھ ہو لیا۔ مگر ابوجہل نے نشان پر نشان دیکھے مگر تکذیب سے باز نہ آیا اور آخر خدا تعالےٰ کے قہر کے نیچے آکر ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا۔

نزولِ وحی کا زمانہ موسم بہار کی طرح ہوتا ہے

غرض خدا تعالےٰ کی وحی ہر قسم کی طبیعتوں کو باہر نکال دیتی ہے۔ طیب اور خبیث میں امتیاز کر کے دکھا دیتی ہے۔ وہ بہار کا موسم ہوتا ہے۔ اس وقت ممکن نہیں کہ کوئی تخم شگفتگی کے لئے نہ نکلے۔ لیکن جو کچھ ہوگا وہی برآمد ہوگا۔ نیک اور سعید الفطرت اپنی جگہ پر نمودار ہوتے ہیں۔ اور خبیث الگ۔ اور اس سے پہلے وہ ملے جلے ہوئے ہوتے ہیں جیسے گندم اور بھگاٹ کے دانے ملے ہوئے تو رہتے ہیں لیکن جب زمین سے نکلتے ہیں تو دونو الگ نظر آتے ہیں۔ مالک گندم کی حفاظت کرتا اور بھگاٹ کو نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ پس نزول وحی کے ثبوت کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ مشاہدہ پیش کیا ہے۔ جس کو نادان اپنی نادانی اور جہالت سے اعتراض کے رنگ میں پیش کرتا ہے حالانکہ اس میں ایک عظیم الشان فلسفہ رکھا ہوا

ہے۔ اسی لئے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ [1] وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ [2] کہہ کر فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ [3] جو کلام الٰہی کے لئے بولا گیا ہے۔ یہ ایک نظری امر تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے بدیہی امر کو پیش کیا ہے۔ جیسے امساکِ باراں کے وقت ضرورت ہوتی ہے مینہہ کی۔ اسی طرح پر اس وقت لوگ رُوحانی پانی کو چاہتے ہیں۔ زمین بالکل مر چکی ہے۔ یہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [4] کا مصداق ہوگیا ہے جنگل اور سمندر بگڑ چکے ہیں۔ جنگل سے مراد مشرک لوگ اور بحر سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ جاہل و عالم بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ غرض انسانوں کے ہر طبقہ میں فساد واقع ہوگیا ہے جس پہلو اور جس رنگ میں دیکھو۔ دنیا کی حالت بدل گئی ہے۔ رُوحانیت باقی نہیں رہی اور نہ اس کی تاثیریں نظر آتی ہیں۔ اخلاقی اور عملی کمزوریوں میں ہر چھوٹا بڑا مبتلا ہے۔ خدا پرستی اور خدا شناسی کا نام و نشان مٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ آسمانی پانی اور نُورِ نبوت کا نزول ہو اور مستعد دلوں کو روشنی بخشے۔ خدا تعالیٰ کا شکر کرو۔ اس نے اپنے فضل سے اس وقت اس نُور کو نازل کیا ہے مگر تھوڑے ہیں جو اس نُور سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

سلسلہ احمدیہ کی پیشکردہ اسلامی تعلیم کو عقلمند قبول کرینگے

میں دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کی بناء پر دلائل عقلیہ اور نشانات بیّنہ سے اس سلسلہ کی صداقت کو ظاہر کر رہا ہے۔ تعلیم کو اگر انسان دیکھے۔ تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ سچی تعلیم یہی تعلیم ہے جس کو عقلمند قبول کریں گے۔ اسلامی تعلیم ہی ایک ایسی تعلیم ہے کہ جس کو عدل کہتے ہیں۔ اس تعلیم میں ایک کشش موجود ہے۔

عیسائی مذہب اور اسلام میں خدا کا جُداگانہ تصور

سورہ فاتحہ میں جس خدا کو پیش کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اُسے پیش نہیں کرتا عیسائیوں

---

[1] الطارق: ۱۲ [2] الطارق: ۱۳ [3] الطارق: ۱۴ [4] الروم: ۴۲

نے جو خدا دکھایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم کہتے ہیں۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ[1] ہے۔ ہاں اگر مریم کے پیٹ میں واقعی خدا آگیا تھا تو چاہیئے تھا کہ وہ پیٹ ہی میں مریم کو وعظ کرتے اور ایک لمبا لیکچر دیتے جس کو دوسرے لوگ بھی سُن لیتے تو اس خارق عادت لیکچر کو سُن کر سارے شبہات دور ہو جاتے اور خواہ نخواہ ماننا پڑتا بلکہ اور بھی خدائی کا ثبوت ملتا۔ اگر پیٹ ہی میں معجزے دکھانے شروع کر دیتے تو اور بھی معاملہ صاف ہو جاتا اور خواہ نخواہ ماننا پڑتا۔ مگر بجائے اس کے کہ اس کی اُلوہیت کی کوئی عظمت ثابت ہوتی۔ ہر پہلو سے اس کا نقص اور کمزوری ہی ثابت ہوتی ہے۔

مریم کے نکاح سے تین قسمیں توڑی گئیں

مریم کا نکاح حمل میں کیا گیا جو شرعاً جائز نہ تھا۔ اور ایک نکاح سے تین قسمیں توڑی گئیں یعنی ماں نے عہد کیا تھا کہ نکاح نہ کروں گی اور خود مریم نے بھی عہد کیا ہوا تھا۔ اور ان ساری باتوں کے علاوہ ایک اور اعتراض ہے جس کا جواب عیسائی نہیں دے سکتے۔ عیسائی مذہب میں دوسری شادی منع ہے۔ لیکن یُوسف کی پہلی بیوی تھی۔ اور بھی اس قسم کے اعتراض ہیں۔ یہودیوں کی کتابوں کو پڑھو وہ کیا حقیقت بیان کرتے ہیں اور ہم کو تو ایسے اعتراض کرتے ہوئے بھی افسوس اور حیا مانع ہوتے ہیں۔ پادری عماد الدین نے اپنی کتابوں میں راحاب، تمر اور بنت سبع کی بابت لکھا ہے کہ وہ اچھے چال چلن کی عورتیں نہ تھیں۔ وہ لکھتا ہے کہ خداوند نے یہ کیا کیا کہ ایسے خاندان میں جنم لیا۔ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ ایسے لوگوں میں بھی جنم لینے سے دریغ نہیں کیا۔ مگر ایک دانشمند غور کرے کہ یہ کیسی وسعت اخلاق ہے۔

لیکن ہمارا خدا لَمْ يَلِدْ ہے اور کس قدر خوشی کا اور شکر کا مقام ہے کہ جن

[1] الاخلاص : ۴

خدا کو ہم نے مانا اور اسلام نے پیش کیا ہے وہ ہر طرح کامل اور قدوس ہے اور کوئی نقص اس میں نہیں۔ دو خوبیاں کامل طور پر اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور ساری صفات اُن کو بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ اول یہ کہ اس میں ذاتی حُسن ہے۔ اور اس کے متعلق لیس کمثلہ شییٔ[1] فرمایا۔ قل ھو اللہ احد[2] فرمایا۔ اور کہا کہ وہ الصمد ہے، بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمتا اور ہمسر ہے۔

قرآن شریف کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جابجا اس کا حُسن دکھایا گیا ہے پھر دوسری کشش احسان کی ہے۔ عیسائیوں نے خدا کے احسان کا کیا نمونہ دکھایا یہی کہ اپنے بچہ کو پھانسی دے دیا۔ مولوی صاحب* ذکر کیا کرتے ہیں۔ کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو کہہ رہا تھا کہ خدا نے اس جہان کو کیسے پیار کیا کہ اپنا بیٹا پھانسی دے دیا۔ لڑکا یہ سُنکر ڈر گیا۔ اور بھاگ گیا۔ اور جب اس سے ڈرنے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے یہی کہا کہ جب خدا نے یہ حرکت کی تو تجھ سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ انسان خدا سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کو سب سے مقدم کر لیتا ہے۔ ہزاروں بھیڑ بکریاں موجود ہیں۔ اگر محبت کا یہی نشان ہے اور مارنے والے عزیز ہوتے ہیں تو کیا یہ چیزیں خدا کو انسان سے عزیز ترین ہوتی ہیں؟ مگر ایسا نہیں۔ لاکھوں چیزیں انسان کے لئے وہ ہلاک کرتا ہے۔ پانی میں کیڑے رکھے ہوتے ہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کیونکہ بسیط چیزیں ہلاک کر دیتی ہیں۔

غرض یہ اصل صحیح نہیں ہے جو سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ جس سے پیار کرتا ہے اس کو ہلاک کرتا ہے۔ سچا خدا جس سے پیار کرتا ہے۔ اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ خدا فرماتا ہے۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ[3]۔ عیسائی اپنے خدا کی

* حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (مرتب)

[1] الشوریٰ: ۱۲ [2] الاخلاص: ۲ [3] مجادلہ: ۲۲

نسبت ایسا نمونہ پیش نہیں کرتے اور حقیقت میں نہیں ہے۔ کیونکہ مسیح کا اپنا نمونہ یہ ہے کہ دشمنوں کے ہاتھوں میں سخت ذلیل ہوئے اور اُس وقت وہ اگر خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے تو دشمنوں کو خطرناک ذلت پہنچنی چاہئیے تھی مگر بظاہر دشمن کامیاب ہو گئے اور انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا ہی دیا۔ لیکن ہمارا خدا ایسا نہیں ہے اس نے اپنے رسولوں کی ہر میدان میں نصرت کی اور کامیاب کیا۔ اب دوسرے مذہب اس کا نمونہ کہاں سے لائیں۔ یہ یاد رکھو کہ ہمارا خدا کسی کو پھانسی دینا نہیں چاہتا۔ جس قدر کام کریں گے اس میں عزت پائیں گے۔ اس نے ہمارے قویٰ کو بیکار نہیں رکھا بقول سعدیؒ ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

خدا نے چاہا ہے کہ تم زنانہ سیرت نہ ہو بلکہ مرد بنو۔ اب کیسی بات ہے کیسے احسان کئے ہیں کہ ہم پر حقائق و معارف کے خزانے کھولے ہیں۔ کسی کے سامنے اس نے ہم کو شرمندہ نہیں کیا۔ عیسائی کیسے شرمندہ ہوتے ہیں۔ آریوں کو کیسے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ کیا کوئی عیسائی فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے خداوند کی تین دادیاں نانیاں بدکار تھیں۔

الغرض انسان یا حُسن کا گرویدہ ہوتا ہے یا احسان کا۔ کامل طور پر یہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں پہلے حُسن و احسان ہی کو دکھایا ہے۔ اگر ان سے انسان اس کی طرف رجوع نہیں کرتا تو پھر تیسری صورت غضب کی بھی ہے۔ اسی لئے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[1] کہہ کر ڈرایا ہے لیکن مبارک وہی شخص ہے جو اس کے حُسن و احسان سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اُس کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اس سے خدا قریب ہو جاتا ہے اور دعاؤں کو سُنتا ہے۔

[1] الفاتحہ : ۷

عقل کا صفائی رُوح سے تعلق ہوتا ہے

یاد رکھو کہ عقل رُوح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر انسان رُوح کی صفائی کرتا ہے اسی قدر عقل میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور فرشتہ سامنے کھڑا ہو کر اس کی مدد کرتا ہے۔ مگر فاسقانہ زندگی والے کے دماغ میں روشنی نہیں آسکتی۔

تقویٰ اختیار کرو کہ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ صادق کے ساتھ رہو کہ تقویٰ کی حقیقت تم پر کھُلے اور تمہیں توفیق ملے۔ یہی ہمارا منشار ہے اور اسی کو ہم دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۶ جنوری ۱۹۰۳ء

رات آپ نے لاہور قیام فرمایا۔ جہلم جانے کے لئے صبح کو حضور علیہ السلام پا پیادہ سٹیشن کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں مولوی محمد احسن صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ رات کو کثرت سے بار بار یہ الہام ہوا ہے۔

اُرِيْكَ بَرَكَاتٍ مِنْ كُلِّ طَرَفٍ

یعنی میں ہر ایک جانب سے تجھے اپنی برکتیں دکھاؤں گا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۲۳، ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء)